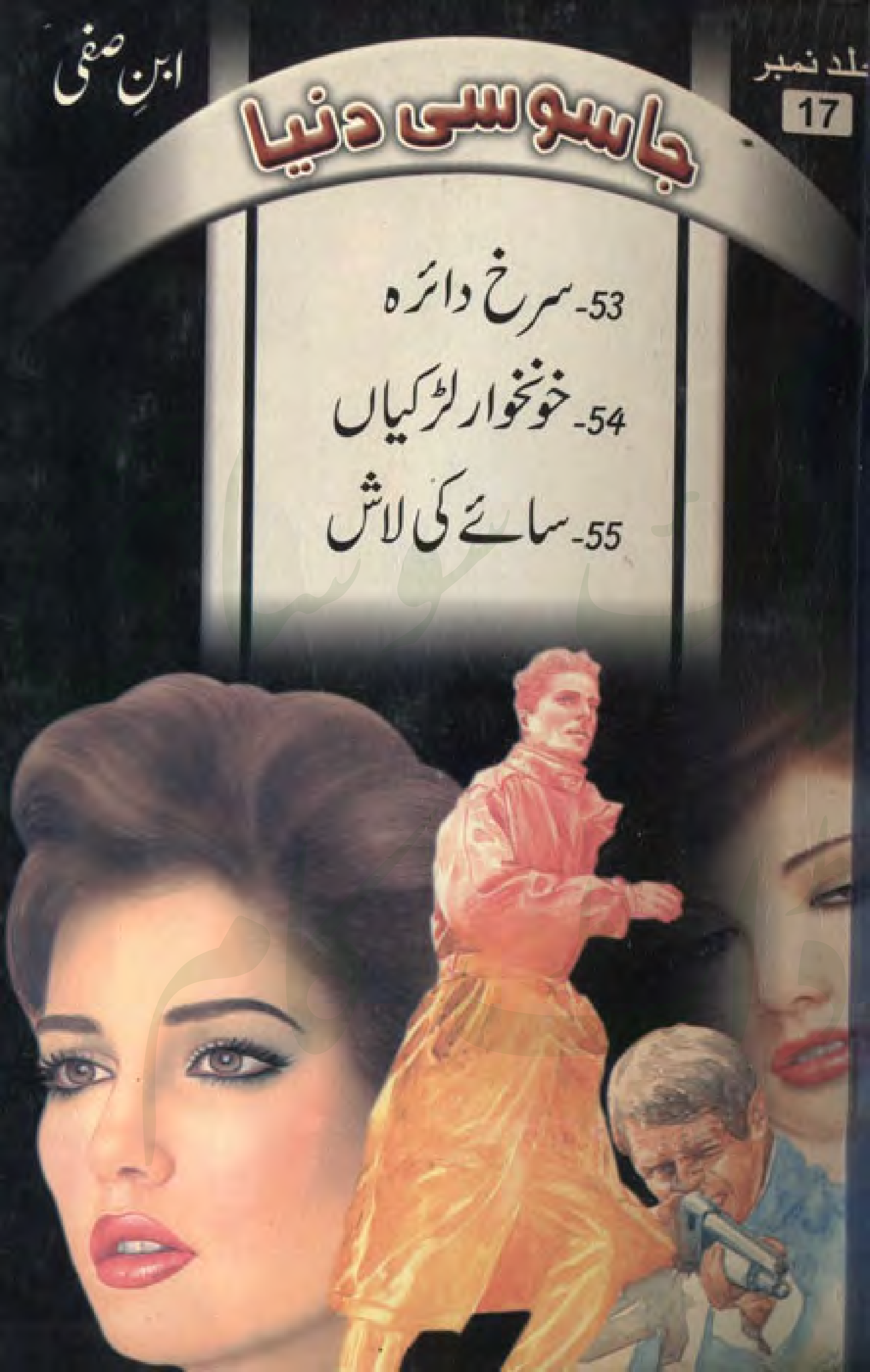

ابنِ صفی
لد نمبر
17
جاسوسی دنیا
53- سرخ دائرہ
54- خونخوار لڑکیاں
55- سائے کی لاش

پبلشرز

''سرخ دائرہ'' کی کہانی موجودہ سوسائٹی کے ایک گھناؤنے رخ کو بے نقاب کرتی ہے۔ ابن صفی نے اس سے قبل بھی مختلف صورتوں میں ان تلخ حقیقتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو ہمارے معاشرے میں اپنی غلاظتوں کے ساتھ گھس آئی ہیں اور جنہوں نے زندگی کا چہرہ مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ چوری، ڈکیتی، اغوا اور اسی طرح کے جرائم پہلے بھی تھے اور آج بھی ہیں۔ لیکن آج کی زندگی نے تعیش پسندی اور سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے کچھ ایسی چیزیں بھی شامل کردی ہیں جو بہت ہی انوکھے اور بے رحمانہ جرائم کا سبب بن جاتی ہیں۔ آج کا مجرم زیادہ چالاک ہے۔ اسی لئے وہ پردے کا شکاری بن کر شکار کھیلتا ہے۔

''سرخ دائرہ'' ایسی ہی حقیقتوں کی نقاب کشائی کرتا ہے۔ بینکوں کے ڈاکو، تجوریوں کے نقب زن اور اسی قماش کے مجرم آپ کو ملیں گے اور ان کا ماحول ہے ہوٹلوں کی زندگی، ریس کے میدان اور اونچی سوسائٹیوں کی عیاشی!

ان میں کچھ ایسے بھی ''شریف آدمی'' ہیں جنہوں نے فلسفیوں کے نام پر اپنے نام رکھ چھوڑے تھے؟ کیوں؟ اسکا جواب کوئی بھی نہ دے سکا۔ یہ ایک بھیانک طنز تھا۔

اس میں اپنے پرانے، جھلائے ہوئے شکست خوردہ آصف سے ملئے۔ اس کی جھلاہٹ دوسروں کے قہقہوں کا سبب بن جاتی ہے۔ اس میں ایک سراغ رساں ''عورت'' بھی ہے اور آپ سوچ سکتے ہیں کہ اگر ''عورت'' کے ساتھ حمید کو تفتیش کا موقع مل جائے تو اس کا کیا عالم ہوگا۔

اس کہانی میں کھوج، واقعات کی تفتیش، چھان بین کے طریقے اور سراغ رسانی کے جدید انداز کا بہت دلچسپ تذکرہ ہے اور ابن صفی کا یہی آرٹ ہے کہ وہ ہمیشہ ہر بار، ہر کہانی میں اپنے قارئین کے سامنے ایک نئی دنیا پیش کرتے رہتے ہیں۔

پبلشر

دھمکی

یہ میٹنگ محکمہ سراغ رسانی کے سپرنٹنڈنٹ کی صدارت میں ہو رہی تھی۔

محکمے کے بہترین اور بدترین دماغ وہاں موجود تھے۔ ان میں کرنل فریدی بھی تھا لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے اس میٹنگ سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔ اس کی نظر تو تقریر کرتے ہوئے سپرنٹنڈنٹ کے چہرے پر تھی مگر ذہن کہیں اور تھا۔ ویسے اس کے چہرے پر اکتاہٹ کے آثار ضرور تھے۔

''کیپٹن حمید.... انسپکٹر آصف اور لیفٹیننٹ سنگھ کے درمیان بیٹھا ہوا نئی لیڈی انسپکٹر مس ریکھا لارین کو گھور رہا تھا۔ یہ ایک عیسائی لڑکی تھی۔ پہلے زنانہ پولیس فورس میں تھی۔ پھر ابھی حال ہی میں محکمہ سراغ رسانی میں منتقل کردی گئی تھی اور فریدی نے اس کے متعلق پیشین گوئی کی تھی کہ وہ ذہانت کے معاملے میں کئی سینئر انسپکٹروں پر بھی سبقت لے جائے گی۔ حمید کو اس کے ہونٹوں کی تراش بہت پسند تھی۔ عورتوں کی ذہانت سے اسے آج کل کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ بیوقوف سے بیوقوف عورت بھی اگر حسین ہو تو ہزاروں افلاطونوں پر حکومت کرسکتی ہے۔ لہٰذا ذہانت کی وجہ سے کسی عورت کو کریڈٹ دینا ذہنی بے مائیگی کا سب سے بڑا

ثبوت ہے۔ اگر وہ ذہین بھی ہوتی ہے تو ذہانت سے کام لینا ہرگز نہیں جانتی۔

مگر اس میٹنگ کا مقصد ریکھا کے حسن کے متعلق اظہار خیال کرنا نہیں تھا۔ یہ لوگ ایک اہم مسئلے پر غور کرنے کے لئے اکٹھا ہوئے تھے۔ شہر میں پچھلے چند ماہ سے کچھ اس قسم کی وارداتیں ہو رہی تھیں۔ جو نوعیت کے اعتبار سے قصہ کہانیوں والے جرائم سے کسی طرح کم نہیں تھیں۔ ان وارداتوں میں قتل بھی تھے اور ڈاکے بھی۔ چوریاں اور اغواء کے کیس بھی۔ خیال یہ تھا کہ یہ کسی ایک ہی گروہ کی حرکت ہے اور اس خیال کا محرک تھا سرخ دائرہ!

''سرخ دائرہ'' سپرنٹنڈنٹ حاضرین کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔ ''آپ جانتے ہیں کہ اب تک جتنی بھی وارداتیں ہوئی ہیں ان میں ہمیں سرخ سے دائرے سے ضرور دوچار ہونا پڑا ہے۔ سرخ دائرہ! آپ اس کی نوعیت سے واقف ہیں۔ اسی بناء پر میرا خیال ہے کہ یہ لوگ پرانے اور عادی قسم کے مجرم نہیں ہیں! بلکہ یہ نومشقوں مگر پڑھے لکھے لوگوں کا گروہ ہے۔ جس نے پولیس اور پبلک کو خوفزدہ کرنے کے لئے سرخ دائرے کا ڈھونگ رچایا ہے۔ ورنہ ایسی چیزیں صرف جاسوسی ناولوں اور کہانیوں ہی تک محدود ہیں۔ ابھی تک یہ لوگ پکڑے نہیں جا سکے۔ بلکہ ان کا نشان تک نہیں مل سکا۔ وجہ یہ ہے کہ ہم ان کے معیار سے بلند ہو کر سوچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمیں یہ سرخ دائرہ ورغلاتا ہے۔ ہمارے ذہن میں کسی بہت ہی منظم قسم کی دہشت پسند پارٹی کا تصور ابھرتا ہے۔ لہٰذا ہم اسی کی مناسبت سے اپنا طریق کار متعین کرتے ہیں۔ ہمیں دراصل خرگوشوں کا شکار کرنا ہے لیکن ہم ہاتھیوں کے شکار کا سامان لے کر نکلتے ہیں۔ دراصل خرگوش کے شکار کا ہمیں خیال تک نہیں آتا۔ ظاہر ہے کہ جب ہم ہاتھیوں کے لئے نکلیں گے تو خرگوشوں پر ہماری نظریں ہی نہ پڑیں گی۔ غالباً آپ لوگ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔ بہر حال میں یہ چاہتا ہوں کہ اب یہ قضیہ ختم ہو جائے تو بہتر ہے۔ معاملہ اب سول پولیس کے ہاتھوں سے نکل کر ہم تک آ گیا ہے۔''

سپرنٹنڈنٹ اپنا پائپ سلگانے کے لئے خاموش ہو گیا۔

حمید نے مڑ کر فریدی کی طرف دیکھا جس کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ پھیل رہی تھی اور وہ اب بھی سپرنٹنڈنٹ ہی کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

سپرنٹنڈنٹ نیا تھا۔ ابھی حال ہی میں کسی دوسری جگہ سے منتقل ہو کر یہاں آیا تھا۔ اس سے پہلے فوج کی سیکرٹ سروس میں رہ چکا تھا۔ وہ پائپ کا کش لے کر اپنے چہرے کے سامنے دھواں بکھیرتا ہوا بولا۔

''میرے اکثر ساتھیوں کو شکایت ہے کہ انہیں کام کرنے کے لئے بہت کم مواقع نصیب ہوتے ہیں۔''

اس نے خاموش ہو کر خاص طور سے فریدی کی طرف دیکھا۔ لیکن اب فریدی جیب سے سگار نکال کر اس کا گوشہ توڑنے میں مشغول ہو گیا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے سپرنٹنڈنٹ کا یہ جملہ سنا ہی نہ ہو۔

سپرنٹنڈنٹ پھر بولا۔ ''میری خواہش ہے کہ یہ کام کسی ایک کی بجائے کئی افراد کی ایک پارٹی کے سپرد کر دوں۔''

''جس کا سربراہ کسی مکھن باز کو بنایا جائے۔'' حمید آہستہ سے بولا اور انسپکٹر آصف اسے خونخوار آنکھوں سے گھور کر رہ گیا۔ البتہ دوسری طرف بیٹھا ہوا لیفٹیننٹ سنگھ بے اختیار مسکرا پڑا۔

''یہ پارٹی.... انسپکٹر آصف کی قیادت میں کام کرے گی۔'' سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

''آہم....!'' حمید نے لیفٹیننٹ کو آنکھ ماری۔

''پارٹی کے دوسرے ممبروں کے نام ہیں۔'' سپرنٹنڈنٹ نے کہا اور پائپ کا ایک طویل کش لے کر دھواں نکالتا ہوا بولا۔ ''انسپکٹر جاوید، لیفٹیننٹ سنگھ، مس لارسن اور سب انسپکٹر تنویر۔''

پھر کمرے میں سناٹا طاری ہو گیا۔

ریکھا لارسن کنکھیوں سے فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ فریدی کے چہرے پر بشاشت تھی۔

ایک بار انسپکٹر آصف نے بھی اس کی طرف دیکھا۔ لیکن نہ جانے کیوں اسے بڑی مایوسی ہوئی۔ فریدی کی عادت ہی کچھ اسی قسم کی تھی کہ وہ اپنے دشمنوں کو بھی خوش ہونے کا موقع نہیں دیتا تھا۔

''دیکھا آپ نے۔'' انسپکٹر مکرجی نے فریدی کی طرف جھک کر کہا۔

"ہاں آں....!" مجھے خرگوش کے شکار سے کوئی دلچسپی نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"میں ان حضرت کا شکر گزار ہوں۔"

پھر سپرنٹنڈنٹ نے طریقہ کار کے متعلق بحث چھیڑ دی۔ اس میں زیادہ تر وہی لوگ حصہ لے رہے تھے جن کے ناموں کا اعلان کیا گیا تھا۔

اچانک سپرنٹنڈنٹ نے فریدی کو مخاطب کر کہا۔

"کرنل فریدی! کیا آپ گفتگو میں بھی حصہ نہ لیں گے۔"

"اوہ....!" فریدی ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ مجھے خرگوشوں کے شکار کا تجربہ ہی نہیں۔"

"ہم ....خیر....!" سپرنٹنڈنٹ دوسری طرف مخاطب ہو گیا۔ اگر اس کا بس چلتا تو اس جواب پر فریدی کی بوٹیاں اڑا دیتا۔

یہاں کئی لوگوں کے چہروں سے کبیدہ خاطری ظاہر ہو رہی تھی لیکن وہ خاموش تھے۔ البتہ فریدی کے اس جواب نے انہیں کسی حد تک خوش ضرور کر دیا تھا۔

"اب یہاں ہمارے بیٹھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" مکر جی نے فریدی سے کہا۔

"ڈسپلن.... مسٹر مکر جی۔" فریدی بولا۔

مکر جی بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

دوسری ہی صبح ان پانچ افراد کو ایک نئے کیس سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ کنکس لین کے ایک متمول آدمی کی لاش تھی جس کی آنتیں پیٹ سے نکل کر فرش تک لٹک آئی تھیں اور اس کے قریب ہی فرش پر سرخ دائرہ موجود تھا' جسے بنانے کے لئے سرخ رنگ کی چاک استعمال کی گئی تھی۔ یہ قتل زور واسکوائر میں ہوا تھا اور لاش خواب گاہ میں پائی گئی تھی۔

عمارت میں مقتول کے علاوہ آٹھ افراد اور بھی تھے۔ لیکن وہ سب رات بھر بے خبر سوتے رہے تھے۔ لاش صبح آٹھ بجے دیکھی گئی۔

خواب گاہ میں چاروں طرف ابتری نظر آ رہی تھی۔ شائد ہی کوئی چیز اپنی پچھلی حالت میں رہی ہو۔ صاف ظاہر تھا کہ وہاں خاصی ہڑبونگ ہوئی ہوگی لیکن اس کے باوجود بھی برابر کے کمرے میں سونے والی کو اس کی خبر نہ ہوئی۔ وہ مقتول کی لڑکی تھی اور اس کا دعویٰ تھا کہ وہ ہمیشہ کچی نیند سوتی ہے۔ اگر کوئی پنجوں کے بل چلتا ہوا بھی اس کی قریب سے گذر جائے تو اس کا جاگ پڑنا لازمی ہوگا۔

انسپکٹر آصف کی پارٹی بڑے انہاک سے لاش اور کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ لیکن خود انسپکٹر آصف دور کھڑا انہیں اس انداز میں دیکھ رہا تھا جیسے سکول ماسٹر نے اپنے کچھ شاگردوں کو حل کرنے کے لئے کوئی سوال دیا ہو اور اب ان کے جوابات کا منتظر ہو۔

ریکھا کے علاوہ سب لوگ لاش کے پاس سے ہٹ کر دوسری چیزوں کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ ریکھا لاش کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ خصوصیت سے مرنے والے کا بایاں ہاتھ اس کی توجہ کا مرکز تھا۔

آصف پہلے ہی لاش کا جائزہ لے چکا تھا۔ کچھ دیر بعد ریکھا لاش کے پاس سے ہٹ کر آصف کے قریب آ گئی۔

"آپ کا کیا خیال ہے؟" اس نے آصف سے پوچھا۔

"نہیں مس ریکھا۔" آصف سر ہلا کر مسکرایا۔ "پہلے آپ سب لوگ کسی ایک رائے پر متفق ہو جایئے' پھر میں اپنا خیال ظاہر کروں گا۔"

ریکھا نے کچھ نہیں پوچھا۔ وہ وہیں کھڑی کچھ سوچتی رہی۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب ایک بات پر متفق ہو گئے۔ یعنی حملہ آور کئی تھے۔ انہوں نے مقتول کو سوتے سے اٹھایا اور پھر کافی جدوجہد کے بعد وہ اس پر قابو پا سکے۔ پھر اسے فرش پر گرا کر اس کا پیٹ چاک کر دیا۔ متفق ہونے والوں میں ریکھا بھی تھی۔ لیکن اس نے ایک چیز کی طرف سب کی توجہ مبذول کرائی جسے شائد وہ سب نظر انداز ہی کر گئے تھے۔

"مقتول کے بائیں ہاتھ کی انگلیاں۔" اس نے کہا۔ "ان کے سروں پر سرخی نظر آ رہی ہے۔ صرف چھوٹی انگلی پر سرخی نہیں ہے۔ اب بتایئے آپ حضرات کیا کہیں گے۔ کیا واضح طور پر یہ اس کا اشارہ نہیں ہے کہ ہمارے فیصلہ میں کچھ گڑ بڑ ہے۔"

لیفٹیننٹ سنگھ نے جھک کر اس کی انگلیوں کو چھوا اور سرخی اس کی انگلیوں میں چھوٹ آئی۔

پھر اس کا موازنہ دائرے کی سرخی سے کرنے کے بعد اس نے کہا۔ "بے شک مس ریکھا ٹھیک کہہ رہی ہیں۔"

"پھر....!" آصف نے سوال کیا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو دیدہ دانستہ مجرموں نے کسی خاص مقصد کے تحت اسکی انگلیوں میں رنگین چاک کے نشان ڈالے ہیں، یا پھر وہ چاک مقتول کے ہاتھ میں بھی رہی ہے۔"

ریکھا خاموش ہو کر پھر لاش کی طرف دیکھنے لگی۔

"ہوگا.....دونوں باتیں ہو سکتی ہیں۔" آصف نے لاپروائی سے کہا۔

"لیکن ہمیں اس چیز کو سرسری نظر سے نہ دیکھنا چاہئے۔" ریکھا بولی۔

"مس ریکھا، کیا آپ اسے کلیو کے طور پر استعمال کرنا چاہتی ہیں۔"

"جی ہاں.....میں یہی محسوس کر رہی ہوں۔"

"اچھا تو آپ محسوس کیجئے۔ بقیہ لوگ کام کریں گے۔" آصف نے تلخ سے لہجے میں کہا۔

"ویسے اگر آپ فریدی کے ساتھ کام کرتیں تو اسے بڑی خوشی ہوتی۔ کیونکہ وہ بھی عالم محسوسات کا بادشاہ ہے۔"

آصف کے دوسرے ساتھیوں کو بھی اس کا یہ جملہ بہت گراں گزرا اور تو سب خاموش ہی رہے لیکن لیفٹیننٹ سنگھ اکھڑ گیا۔

"آصف صاحب! آپ جھک مارتے ہیں۔ ہم میں سے کسی کی بھی رائے کا آپ مضحکہ نہیں اڑا سکتے۔"

"اپنا لہجہ ٹھیک کرو۔" آصف غرایا۔ "میں پارٹی کے لیڈر کی حیثیت رکھتا ہوں۔"

"یار آصف! تمہیں تو سیاسی پارٹی کا لیڈر ہونا چاہئے تھا۔" انسپکٹر جاوید نے کہا۔ "جہاں

ذہانت سے زیادہ رشک وحسد کے داؤ پیچ کام آتے ہیں۔"

بات آگے نہیں بڑھ سکی کیونکہ محکمہ سراغ رسانی کے فوٹوگرافر اپنے سازوسامان سمیت وہاں پہنچ گئے تھے۔

بہر حال ریکھا بے تعلقانہ انداز میں ان سب کی کاروائیاں دیکھتی رہی۔ آصف کی بات اسے ناگوار گزری تھی اور اس نے تہیہ کرلیا تھا کہ آصف کو نیچا دکھائے بغیر نہ رہے گی۔ آصف اس وقت ایک کھڑکی سے ٹیک لگائے کھڑا فوٹوگرافروں کو دیکھ رہا تھا۔ کھڑکی میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں اور دوسری طرف بارجہ تھی۔ یہ کمرہ دراصل دوسری منزل پر تھا اور بارجہ دوسرے کمروں کے سامنے تک پھیلا ہوا تھا۔

اچانک آصف اچھل کر آگے کی طرف ہٹ گیا۔ پھر کھڑکی کی طرف مڑ کر اپنی پیٹھ چھپانے کی کوشش کرنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی پیٹھ پر رینگتے ہوئے کسی مکوڑے کو جھاڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں ریکھا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کیونکہ شارک اسکن کے سفید کوٹ پر سرخ رنگ کا دائرہ بہت نمایاں تھا اور کچھ دیر پہلے وہ دائرہ آصف کی پشت پر ہرگز نہیں تھا۔ ورنہ وہ پہلے ہی دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرلیتا۔

رفتہ رفتہ سب نے اسے دیکھ لیا لیکن آصف کو اس کی خبر نہیں تھی۔

"کیا بات ہے۔" اس نے دوسروں کو اپنی طرف گھورتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

"سرخ دائرہ۔" انسپکٹر جاوید نے کہا۔

"کیوں بکواس کرتے ہو۔ یار اپنا کام کرو۔" آصف جھنجھلا گیا۔ انسپکٹر جاوید اس کے پرانے ساتھیوں میں سے تھا اور قریب قریب ہم عمر بھی۔

"تمہاری پشت پر سرخ دائرہ موجود ہے۔" جاوید نے سنجیدگی سے کہا۔ پہلے تو آصف کچھ سمجھا ہی نہیں پھر اچانک اسے اس مکوڑے کا خیال آ گیا جو اسے اپنی پشت پر رینگتا محسوس ہوا تھا۔

اس نے جلدی سے کوٹ اتار ڈالا۔ دائرہ اسی رنگ کی چاک سے بنایا گیا تھا جس رنگ کی چاک اس کمرے کے فرش والے دائرے میں استعمال کی گئی تھی یا جس کے دھبے مقتول کی

انگلیوں پر ملے تھے۔

آصف کوٹ کو وہیں چھوڑ کر بارجے پر دوڑنے لگا۔ پھر دوسرے لوگ بھی بارجے پر آ گئے۔

آصف کی پشت پر دائرہ کس نے بنایا تھا۔ یہ انتہائی کوششوں کے باوجود بھی نہ معلوم ہو سکا۔

اب آصف نے لاش کو تو چھوڑ دیا تھا اور ایک ایک کی جامہ تلاشی لیتا پھر رہا تھا کہ شاید کسی کے پاس سے سرخ چاک برآمد ہی ہو جائے۔ ساری عمارت الٹ پلٹ ڈالی گئی لیکن رنگین چاک کا ٹکڑا بھی کہیں سے دستیاب نہ ہو سکا۔

ریکھا آصف کی بدحواسیوں پر ہنستی رہی۔

تھوڑی دیر بعد وہ نچلی منزل کے کمرے میں دوبارہ اکٹھے ہوئے۔ آصف غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

''فریدی کو یہ حادثہ کبھی پیش نہ آتا.... سنا تم نے۔'' جاوید اس کے چہرے کے قریب انگلی نچا کر بولا۔

''جاوید! تم حد سے بڑھ رہے ہو۔'' آصف غرایا۔ ''میں اس قسم کی جاہلانہ بے تکلفی قطعی پسند نہیں کرتا۔''

''فریدی کی بات آپ کہاں سے لے بیٹھے جاوید صاحب۔'' لیفٹیننٹ سنگھ نے کہا۔ ''شہر کا بڑے سے بڑا بدمعاش اس کے نام سے تھراتا ہے۔''

''ہم یہاں غپیں ہانکنے کے لئے نہیں آئے سمجھے آپ لوگ۔'' آصف جھلا گیا۔

''تلاشیوں میں وقت برباد کرنے آئے ہیں۔'' جاوید نے کہا۔

''اچھی بات ہے۔'' آصف غرایا۔ ''میں خود سے انچارج نہیں بنا ہوں بلکہ ایک اعلیٰ آفیسر نے یہ خدمت میرے سپرد کی ہے۔''

''ہمیں اس سے انکار کب ہے مسٹر آصف۔'' لیفٹیننٹ سنگھ نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''ہم آپ کے ہر حکم کی تعمیل کے لئے مستعد ہیں۔ کچھ کہئے بھی تو.....!''

''میرا خیال ہے کہ....!'' ریکھا کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

سب لوگ اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''نہیں کچھ نہیں....!'' ریکھا سر ہلا کر بولی۔ ''میں اپنا خیال نہیں ظاہر کرنا چاہتی۔''

''اس کے لئے میں شکر گزار ہوں۔'' آصف اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

اس بار اس کا لہجہ قابل اعتراض تھا۔ لیکن ریکھا چپ چاپ اسے بھی برداشت کر گئی۔

البتہ دوسرے پھر آصف پر برس پڑے۔

اور سراغ رسانی کی یہ ٹیم مڈل سکول کے طلباء کی کوئی جماعت معلوم ہونے لگی۔ جب آصف کا غصہ بہت بڑھ گیا تو اس نے بالکل خاموشی اختیار کر لی۔

بہر حال کسی نہ کسی طرح انہوں نے واردات کے متعلق ایک چھوٹی سی رپورٹ مرتب کی اور لاش کو وہاں سے اٹھوا دینے کے بعد عمارت سے نکل آئے۔

لیکن آصف کے لئے ایک دوسرا جھٹکا باہر بھی موجود تھا۔ جب وہ اسٹیشن ویگن میں بیٹھ رہے تھے انہیں اس کے فرش پر دوسرا سرخ دائرہ دکھائی دیا جس کے درمیان میں کاغذ کی ایک چٹ چسپاں تھی اور چٹ پر ٹائپ کے حروف میں تحریر تھا۔

''آصف! تم زندہ رہو گے، لیکن زندگی سے بیزار..... یہ ہمارا فیصلہ ہے!''

پانچ شریف آدمی

حمید بڑی دیر سے فریدی کا دماغ چاٹ رہا تھا۔

''آپ کی سخت توہین ہوئی ہے جناب.... آپ مانیں یا نہ مانیں۔''

''چلو.... ختم بھی کرو۔'' فریدی بیزاری سے بولا۔

''میں تو کبھی ختم نہیں کر سکتا۔ خواہ خود ہی ختم ہو جاؤں..... آہا.... مگر وہ ریکھا۔ مجھے اس کی بہت فکر ہے۔''

''کیوں....؟''

''ان بور قسم کے آدمیوں میں رہ کر اسے تپ دق ہو جائے گا۔''

"کھسکو یہاں سے۔ کیا تمہیں اور کوئی کام نہیں ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔ وہ کسی کتاب کا مطالعہ کررہا تھا اور چاہتا تھا کہ حمید کسی طرح ٹل جائے۔ مگر حمید پر ریکھا سوار تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ فریدی سے بڑی عقیدت رکھتی ہے۔ لہٰذا فریدی کو چاہئے کہ اسے ضرور لفٹ دے۔

حمید پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کہنا چاہئے۔ کس طرح فریدی کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ ریکھا سے خوش اخلاقی سے پیش آئے۔

وہ سوچ ہی رہا تھا کہ ملازم کسی کا وزیٹنگ کارڈ لایا اور فریدی نے کارڈ اسے واپس کرتے ہوئے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "بٹھاؤ۔"

"کون ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"ریکھا....!" فریدی نے اکتا کر کتاب بند کرتے ہوئے کہا اور کرسی سے اٹھ گیا۔

"واہ.... کیا بات ہوئی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی خاص بات لے کر آئی ہوگی۔ لہٰذا استدعا ہے کہ....!"

فریدی کمرے سے نکل گیا۔ حمید جملہ پورا نہ کرسکا لیکن وہ یہاں ٹھہر تو نہیں سکتا تھا۔ شاید پندرہ یا بیس دن سے اُس نے کسی لڑکی سے گفتگو نہیں کی تھی اور اس نے یہ پندرہ یا بیس دن اس طرح گذارے تھے جیسے کسی لق و دق ریگستان میں تنہا چھوڑ دیا گیا ہو۔

ڈرائنگ روم میں فریدی اور ریکھا موجود تھے۔ ریکھا فریدی سے کہہ رہی تھی۔ "انہوں نے میری بات نہیں سنی۔ اگر آپ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکیں تو میں بہت مشکور ہوں گی۔"

حمید خاموشی سے ایک صوفے پر بیٹھ گیا تھا اور یہ صوفہ ان دونوں سے کافی فاصلے پر تھا۔

"یقیناً شوق سے.... کہئے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

ریکھا کنکس لین والی واردات اور آصف کی پارٹی کی تحقیقات کے متعلق بتانے لگی۔

فریدی غور سے اسے سنتا رہا، کبھی کبھی وہ اسے روک کر ایک آدھ سوال بھی کرلیتا تھا۔

پھر ریکھا داستان کے اس حصہ پر پہنچی جہاں سے رنگین چاک بھری انگلیوں کا واقعہ شروع ہوتا تھا۔ یک بیک فریدی سنبھل کر بیٹھ گیا اور ریکھا نے بھی اس میں یہ تبدیلی محسوس کرلی۔ وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ بیان کررہی تھی اور حمید اس کے ہونٹوں کے زاویے ناپ رہا تھا۔

تو سوں پر قربان ہو رہا تھا۔

"داہنا ہاتھ صاف تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں....!"

"اچھا! کیا ساری انگلیوں میں چاک بھری ہوئی تھی۔"

"جی نہیں، چھوٹی انگلی بے داغ تھی۔"

"خوب.... اچھا پھر۔"

پھر آصف کے کوٹ پر بنے ہوئے دائرے کا تذکرہ چھڑ گیا۔

"واہ.... یہ بڑی عجیب بات ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔ "سچ مچ یہ لوگ بہرام اور آرسین پن وغیرہ کے کارنامے دہرا رہے ہیں۔"

"یہی نہیں.... بلکہ ایک دائرہ اسٹیشن ویگن میں بھی ملا جس کے درمیان میں ایک سلپ چسپاں تھی اور اس پر تحریر تھا۔ "آصف تم زندہ رہو گے لیکن زندگی سے بیزار، ہمارا فیصلہ ہے۔"

"واہ....!" حمید مسکرا کر بولا۔ "اس بات پر تو ان لوگوں کی عزت کرنے کو دل چاہتا ہے۔"

ریکھا حمید کی طرف دیکھ کر ہنسی اور حمید کا دل چاہا کہ اپنے ہی دانتوں سے اپنی گردن ادھیڑ ڈالے۔

"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ پھر بلند آواز میں پوچھا۔ "کیا تحریر ہاتھ کی تھی؟"

"جی نہیں ٹائپ۔"

"چالاک ہیں، اچھا پھر.... آصف کا کیا خیال ہے۔"

"خیال سے تو آصف کو دشمنی ہے۔" ریکھا مسکرا کر بولی۔ "نہ تو وہ کوئی ذاتی خیال رکھتے ہیں اور نہ کسی دوسرے کے خیال کو خاطر میں لاتے ہیں، میں ابھی تک انہیں سمجھ ہی نہیں سکی۔"

ریکھا نے اتنا ہی کہا' اپنی اور آصف کی گفتگو کا تذکرہ نہیں کیا۔

"یعنی ابھی تک آپ لوگ اس کیس کے متعلق کوئی رائے نہیں قائم کرسکے۔"

"جی نہیں.... اور یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ سرخ دائرہ....!"

"نہیں....!" فریدی بات کاٹ کر بولا۔ "یہ ضروری نہیں ہے کہ اس واردات میں انہی لوگوں کا ہاتھ ہو، کوئی دوسرا بھی سرخ دائرے کی وباء سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔"

"جی ہاں.... یہ بھی ممکن ہے۔"

"اچھا تو آپ چاہتی کیا ہیں۔"

"میں اپنے طور پر اس کیس کی تفتیش کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ میں تو آپ کے طریق کار پر عمل کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ میں نے جو کچھ بھی سیکھا ہے، آپ ہی سے سیکھا ہے۔"

"ہائیں....!" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "اور میں اب تک اس سے ناواقف رہا۔"

"اوہ.... آپ غلط سمجھے۔" ریکھا نے جلدی سے کہا۔ "میں کرنل صاحب کے کیسوں کی رپورٹیں بہت غور سے پڑھتی رہی ہوں۔"

"تو پھر اب باقاعدہ شاگرد ہو جایئے نا۔" حمید گنگنایا۔

"فضول باتیں نہ کرو۔" فریدی جھلا کر اس کی طرف مڑا۔

"یہ میرا نیک مشورہ تھا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور دیوار سے لگی ہوئی ایک پینٹنگ کی طرف دیکھنے لگا۔

"بہرحال مس ریکھا، سب سے پہلے آپ کو یہ دیکھنا پڑے گا کہ قتل ہوا کیسے۔ اسی پر غور کرنے سے ممکن ہے، کوئی کلیو بھی ہاتھ آ جائے۔"

"قتل بڑے عجیب حالات میں ہوا ہے۔ کمرے میں ساری چیزیں الٹی پڑی تھیں اور لاش فرش پر تھی۔ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ مقتول پر کافی جدوجہد کے بعد قابو پایا جا سکا ہوگا۔ مگر ایسی کش مکش خاموشی سے نہیں ہو سکتی۔ الماریوں کا گرنا، سنگار میز کا الٹنا، مگر اس کی لڑکی جو برابر ہی کے کمرے میں سوئی ہوئی تھی اطمینان سے رات بھر سوتی رہی۔ وہ کمرہ دوسری منزل پر تھا ٹھیک اس کمرے کے نیچے والے کمرے میں بھی اسی خاندان کے کئی افراد موجود تھے۔ لیکن چھت پر وزنی الماریوں کے گرنے سے انکی نیند میں خلل نہیں پڑا۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے۔"

"ہاں.... آں.... آپ ٹھیک راستے پر جا رہی ہیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

ریکھا بھی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔

"انگلیوں کے نشانات کی تلاش تو ضرور ہوئی ہوگی۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"لیفٹیننٹ سنگھ نے اس سلسلے میں کچھ کام کیا ہے۔ لیکن وہاں مقتول کی انگلیوں کے علاوہ اور کسی دوسری ٹائپ کے نشانات نہیں ملے۔"

"کیا مقتول شب خوابی کے لباس میں تھا۔"

"جی ہاں....!"

"بستر کی کیا حالت تھی۔"

"بس یہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی کو سوتے سے زبردستی اٹھایا گیا ہو۔"

"ہوں....!" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "اچھا مقتول کے بارے میں آپ لوگوں کی معلومات کیا ہیں۔"

"وہ ایک دولت مند آدمی تھا۔ ماضی قریب میں اس کا کسی سے کوئی جھگڑا نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنے بعد تین لڑکیاں چھوڑی ہیں۔ بیوی پہلے ہی مر چکی تھی۔"

"اس کا اٹھنا بیٹھنا کن لوگوں میں تھا۔"

"اوہو، ابھی شاید اس کا علم پارٹی کے کسی فرد کو نہ ہو!"

"مجرموں کے داخلے اور فرار کے راستوں کا پتہ تو چل ہی گیا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"مجھے علم نہیں ہے کہ انہوں نے اس سلسلے میں کیا کیا؟" ریکھا بولی۔

"آخری بار اسے کس نے زندہ دیکھا تھا۔"

"اس نوکر نے جو رات کو اس کی واپسی کا انتظار کیا کرتا تھا۔"

"گویا وہ پچھلی رات گھر سے باہر بھی رہا تھا۔"

"جی ہاں.... تقریباً ساڑھے گیارہ بجے اس کی واپسی ہوئی تھی۔"

"ڈاکٹر کی لاش کے متعلق کیا رائے ہے۔"

"قتل ایک اور دو کے درمیان ہوا تھا، تین ڈاکٹر اس بات پر متفق ہیں۔ صرف ایک کی رائے ہے کہ قتل بارہ بجے سے پہلے ہوا ہوگا۔"

"بہر حال دو مختلف رائیں ہیں، خیر.... اچھا مس ریکھا۔ میں دیکھوں گا کہ آپ کے لئے کیا کرسکتا ہوں۔ ویسے میں آپ کی ذہانت کا معترف ہوں۔"

"یہاں آپ غلطی پر ہیں۔" حمید بول پڑا۔ "آپ بھول رہے ہیں کہ میں نے آپ سے بھی پہلے ان کی ذہانت کا اعتراف کیا تھا۔"

"آپ حضرت کی ذرہ نوازی کا شکریہ۔ میں تو بہر حال طفل مکتب ہوں۔" ریکھا نے کہا۔

"اور مس ریکھا۔" فریدی نے اس انداز میں کہا جیسے وہ کسی ایک ہی بات پر عرصہ سے بولتا رہا ہو۔ "انگلیوں پر چاک کے دھبے.... یہ بہت اہم ہیں۔ یقیناً ایک کلیو آپ کے ہاتھ آ گیا ہے۔"

"لیکن اسی طرح جیسے کوئی کارآمد چیز ہاتھ آ جائے.... لیکن میں اس کے استعمال سے واقف نہ ہوں۔"

"فکر نہ کیجئے۔ بعض اوقات چیزوں کا غلط استعمال ہی طریقہ استعمال سمجھا دیتا ہے۔ کل میں آپ کو اس کلیو کے متعلق کچھ بتا سکوں گا۔"

شیش محل کے پانچویں فلیٹ میں پانچ شریف آدمی ایک گول میز کے گرد بیٹھے ہوئے کچھ سوچ رہے تھے۔ خوش پوش اور شائستہ صورت آدمی شریف ہی کہلاتے ہیں۔ لہٰذا جب تک انہوں نے گفتگو نہیں شروع کی اس وقت تک شریف ہی معلوم ہوتے رہے، لیکن اس گفتگو کے باوجود بھی اس کی ذات سے لفظ "شریف" علیحدہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس کی حقیقت یہ تھی کہ پانچ آدمیوں کی اس ٹولی کا نام "جنٹل فائیو" یعنی پانچ شریف تھا.... اور ان سے جرائم کے علاوہ اور کسی قسم کی شرافت آج تک نہیں سرزد ہوئی تھی۔ ان کے چہرے فلاسفروں اور پروفیسروں جیسے تھے۔ ان کی آنکھیں ہر وقت سوچ میں ڈوبی رہتیں۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے یہ اس عظیم کائنات کا کوئی عظیم ترین عقدہ حل کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

"ہم میں سے وہ مسخرہ کون ہے۔" دفعتاً ان خاموش آدمیوں میں سے ایک نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے پھر اپنا سوال دہرایا اور ایک آدمی بولا۔

"ہم میں سے کوئی بھی نہیں ہوسکتا۔"

"پھر کیا فرشتے سرخ دائرہ بناتے ہیں۔"

"کوئی بھی بناتا ہو.... لیکن ہم میں سے کسی کو کیا پڑی ہے۔" دوسرے آدمی نے اپنے تینوں ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا اور وہ صرف سر ہلا کر رہ گئے۔ ان کی آنکھیں اس وقت بھی سوچ میں ڈوبی ہوئی سی معلوم ہو رہی تھیں۔

"پھر مجھے بتاؤ نا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ ہم نے آج تک جتنی بھی تجوریاں توڑی ہیں ان پر صبح کو پولیس نے سرخ دائرے ضرور دریافت کئے ہیں۔ لیکن کیا ہم نے کبھی کوئی قتل بھی کیا ہے۔"

"کبھی نہیں۔" چاروں آدمی یک زبان بولے۔

"لیکن بعض لاشوں کے قریب بھی یہ دائرے پائے گئے ہیں۔"

"آخر یہ ہے کون، ہم میں سے کوئی اس قسم کی حرکت کرنے ہی کیوں لگا۔ یہ تو کوئی ایسا آدمی معلوم ہوتا ہے جو ہمیں پھانسی کے تختے پر دیکھنا چاہتا ہے۔"

"مگر کون....؟ ہمیں کون جانتا ہے۔ جبکہ ہم خود بھی ایک دوسرے کو نہیں جانتے۔ ہم ایک دوسرے کے نام تک سے ناواقف ہیں۔ ایک دوسرے کی قیام گاہیں ہمیں نہیں معلوم۔"

"آہا.... کتنی عجیب بات ہے۔ کتنی عجیب۔"

"اور ہم نے کبھی اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی کہ ہم ایک دوسرے سے ملے کس طرح تھے۔"

"مگر ہمیں کم از کم اس پر غور تو کرنا چاہئے۔"

"سب سے پہلے ہم دونوں ملے تھے۔" ایک نے دوسرے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

دوسرے نے سر ہلا کر اس کی تصدیق کی۔

"کیفے جبران کی میز نمبر تیرہ ہمارے لئے یادگار حیثیت رکھتی ہے۔ آج بھی اس پر ہمارا قبضہ ہے۔ وہ ہمیشہ مخصوص رہتی ہی۔"

"کچھ بھی ہو..... میں آج اپنی قسم توڑ دوں گا۔" ایک نے کہا۔ اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ ان پانچوں میں سب سے زیادہ پریشان یہی نظر آ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "پچھلی رات گنکسن لین میں بھی ایک قتل ہوا ہے، اور وہاں بھی ایسا ہی سرخ دائرہ پایا گیا ہے، حالانکہ ہم نے گنکس لین میں قدم بھی نہیں رکھا۔"

"ہم اس چور کو پکڑ سکتے ہیں۔" ایک آدمی نے کہا۔ "جو شروع سے اب تک کچھ بولا ہی نہیں تھا۔"

"اس کے متعلق پھر باتیں کریں گے۔ میں فی الحال اپنی قسم توڑنے جا رہا ہوں۔"

"قسم..... تو کیا..... یعنی.....!" ایک آدمی ہکلا کر بولا۔ بقیہ تین بھی اسے حیرت سے دیکھنے لگے تھے۔

"میں آپ لوگوں کو اپنے متعلق سب کچھ بتاؤں گا۔"

"لیکن ہم اپنی قسمیں توڑنے پر تیار نہیں۔" چاروں بیک وقت بولے۔ پھر انہوں نے بھی ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنا شروع کر دیا۔ جیسے غیر متوقع طور پر اپنی زبانوں سے ایک ہی جملہ نکلنے پر انہیں تعجب ہو۔

"آہا..... تب تو یہ معاملہ بالکل ہی صاف ہو گیا۔" قسم توڑنے والا بولا۔

ان چاروں نے اس پر کسی قسم کا سوال نہیں کیا۔ انکی آنکھیں پھر سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔

"مجھے ایک فقیر نے کیفے جبران کی تیرھویں میز پر بھیجا تھا۔" قسم توڑنے والے نے کہا۔ "مجھے ریس کا چسکا ہے۔ میں ریس کھیلے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ہم جواری لوگ ضعیف الاعتقاد بھی ہوتے ہیں۔ ریس کورس کے باہر ایک تباہ حال فقیر بیٹھا کرتا تھا۔ یہ بہت عرصے کی بات ہے۔ اب آج کل وہ نظر نہیں آتا۔ وہ اکثر لوگوں کو کامیاب ہونے والے گھوڑوں کے نمبر بتا دیا کرتا تھا۔ ایک دن جبکہ میں ریس کورس میں داخل ہونے جا رہا تھا، اس نے خود میرا شانہ پکڑ کر مجھے روک لیا اور اپنی سرخ آنکھیں میری آنکھوں میں گاڑتا ہوا بولا..... "تیرہ نمبر..... صرف تیرہ۔" اور پھر مجھے داخلے کے گیٹ میں دھکیل کر دوسری طرف چلا گیا۔ لوگ اکثر اس کی منتیں کیا کرتے تھے لیکن وہ کسی کو کچھ نہیں بتاتا تھا، اس دن اس سے یہ نئی حرکت سرزد ہوئی تھی۔ یعنی

خود سے کسی کو نمبر بتانا..... میں نے اس دن اپنی ساری پونجی تیرہ نمبر پر جھونک دی اور جب میں وہاں سے واپس ہوا تو پچاس ہزار کا مالک تھا۔ اگلی ریس پر اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ لہٰذا میں نے اس دن ریس کورس میں قدم بھی نہیں رکھا۔ اس کے بعد والی ریس کے موقع پر وہ پھر ملا اور میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ جواب میں اس نے مسکرا کر کہا کہ اب تم ہمیشہ مجھے پریشان کرتے رہو گے۔ میں نے کہا آپ کی عنایت ہو گی۔ بولا..... بکواس ہے۔ ویسے تمہاری تقدیر "ک ج" کی تیرھویں میز پر چمک سکتی ہے۔ لیکن وہاں بیٹھ کر تم سب اپنی اصلیت چھپاؤ گے۔ اگر کوئی تمہارے پاس بیٹھنا چاہے تو اعتراض نہ کرنا۔ اس سے تمہارے خواہ کتنے ہی اچھے تعلقات کیوں نہ ہو جائیں، تم اسے اپنا پتہ نشان نہیں بتاؤ گے۔ میں نے پوچھا یہ "ک ج" کیا چیز ہے۔ کہنے لگا تمہارے ستاروں کے حروف..... ان حروف سے جو جگہ بھی بن جائے، تیرہ نمبری میز کبھی نہ بھولنا..... تم تیرہ ہی نمبر کا گھوڑا بھی جیت چکے ہو۔ بس اب کچھ نہ پوچھنا۔ ورنہ برباد ہو جاؤ گے۔ دفع ہو جاؤ۔ بس تو پھر دوستو میں وہاں سے چلا آیا "ک ج" کیا تلاش شروع ہوئی۔ شہر میں کیفے جبران کے علاوہ اور کسی جگہ کا نام "ک ج" سے مرکب نہیں تھا اور وہاں تیرہ نمبر کی میز بھی موجود تھی۔ میں نے اسے اپنے لئے مستقل طور پر مخصوص کرا لیا۔ پھر ایک ایک کر کے آپ لوگ آئے..... کیا آپ کو بھی اسی فقیر نے بھیجا تھا۔"

وہ چاروں اسے قہر آلود نظروں سے گھور رہے تھے۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"تم نے اپنی قسم توڑ دی۔ ہمیں اپنے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ اب بہتری اسی میں ہے کہ چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔ دوبارہ تمہاری شکل نہ دکھائی دے ورنہ نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہو گے اور اب کیفے جبران میں بھی تمہارا قدم رکھنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہو گا۔ چپ چاپ اٹھو اور چلے جاؤ۔"

پہلا شریف آدمی

"جنٹل فائیو" کے پانچویں آدمی کو دھکے دے کر فلیٹ سے باہر نکال دیا گیا اور اس نے سڑک پر پہنچ کر عمارت کی طرف دیکھتے ہوئے پھر ایک بہت بڑی قسم کھائی۔ مگر اس قسم کا تعلق ان چار آدمیوں کی زندگیوں سے تھا جنہوں نے دھکے دے کر اسے فلیٹ سے نکالا تھا۔

یہ پانچواں رکن جنٹل فائیو کا سب سے زیادہ کارآمد آدمی تھا۔ بلندیوں پر چڑھنے، وہاں سے بے دریغ نیچے چھلانگ لگا دینے میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ مضبوط سے مضبوط تجوریاں اس طرح اس کے ہاتھ کے ایک اشارے پر کھل جاتی تھیں جیسے وہ اسی کے انتظار میں بند پڑی رہی ہوں۔

حقیقتاً یہ جنٹل فائیو کا پانچواں نہیں بلکہ پہلا آدمی تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے کیفے جبران کی تیرھویں میز پر مستقل طور پر کسی کا قبضہ نہیں تھا۔ دوسرے چار آدمی ایک ایک کر کے اس کے بعد ہی اس میز پر آئے تھے اور اسی مناسبت سے وہ ایک دوسرے کو مخاطب کرنے کے لئے نمبر شمار استعمال کرتے تھے۔ مثلاً یہ نکالا ہوا آدمی جنٹل فرسٹ کہلاتا تھا۔ اس طرح دوسرے جنٹل سیکنڈ، تھرڈ، فورتھ اور ففتھ کہلاتے تھے۔ آہستہ آہستہ یہ لوگ ایک دوسرے کی عادات و خصائل سے واقف ہوئے اور انہوں نے محسوس کیا کہ وہ پانچوں ایک ہی قسم کے آدمی ہیں۔

یعنی مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے۔ بس پھر پانچ آدمیوں کی ایک ٹولی بن گئی اور یہ بھی حقیقت تھی کہ اس طرح ان کی تقدیریں بھی جاگ اٹھی تھیں۔ یہ پانچوں تعلیم یافتہ اور اونچی سوسائٹیوں میں اٹھنے بیٹھنے والے لوگ تھے اور شہر کے مختلف حصوں میں ان کی شاندار قسم کی قیام گاہیں تھیں۔ سواری کے لئے کاریں بھی رکھتے تھے۔ یہ جب بھی کہیں ہاتھ صاف کرتے انہیں اتنا مل جاتا کہ مہینوں عیش سے گذرتی۔ چوریوں اور ڈکیتیوں کا طریقہ سائنٹیفک ہوا کرتا تھا۔

اس لئے معمولی تربیت یافتہ پولیس اب تک ان کی گرد کو بھی نہیں پا سکی تھی۔ یہ سب ایک دوسرے کے لئے بھی انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتے تھے کیونکہ ایک دوسرے سے الگ ہو جانے کے بعد ہر شریف آدمی دوسرے کے متعلق کچھ بھی نہیں جان سکتا تھا کیونکہ کسی کو بھی دوسروں کی قیام گاہوں تک کا علم نہیں تھا۔

جنٹل فرسٹ نے ایک بار پھر شیش محل کی طرف تنفر آمیز نظروں سے دیکھا جس کے پانچویں فلیٹ میں وہ اپنے چاروں ساتھیوں کو چھوڑ آیا تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ اپنی کار کے قریب پہنچ گیا، وہ خوفزدہ نہیں تھا۔ حالانکہ اسے یقین تھا کہ وہ چاروں یقینی طور پر اس کا تعاقب کریں گے۔

اور پھر جب وہ کار ڈرائیو کر رہا تھا تو اس کے زانوؤں پر ایک چھوٹی سی رائفل رکھی ہوئی تھی اور عقب نما کا زاویہ کچھ بدل دیا گیا تھا۔ تاکہ تعاقب کرنے والوں کو نظر میں رکھا جائے۔ مگر رات کا وقت ہونے کی بناء پر اس قسم کی احتیاطی تدبیر فضول ہی ثابت ہوئی کیونکہ عقب نما آئینے میں وہ صرف اپنے پیچھے آنے والی کاروں کی ہیڈ لائیٹس ہی دیکھ سکتا تھا۔ پھر شہر کی بھری پُری سڑکوں کا کیا کہنا۔ کاروں کا تار کب ٹوٹتا ہے۔ لیکن اسے بہرحال اپنا اطمینان کرنا تھا۔ اب اس نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ اپنی کار کو سنسان اور تاریک گلیوں میں موڑنے لگا اور تھوڑی ہی دیر بعد اسے یقین آ گیا کہ کوئی اس کے تعاقب میں نہیں ہے۔ اس نے گود سے رائفل اٹھا کر نیچے ڈال دی۔

جنٹل فرسٹ ایک دراز قد آدمی تھا۔ عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ لیکن سر کے بال قبل از وقت صاف ہو گئے تھے۔ اس کی آنکھیں بہت جاندار تھیں اور اس سے اس کی جسمانی قوت کا اندازہ کر لینا بہت آسان تھا۔ ایسی بچی آنکھیں بہت کم آدمیوں کو نصیب ہوتی ہیں۔

اس نے اپنی کار کیفے جبران کے سامنے روک دی اور اتر کر سیدھا اندر چلا گیا۔ تیرہ نمبر کی میز خالی تھی اور اس پر ریزرویشن کی تختی رکھی ہوئی تھی۔

ویٹروں نے ہاتھ اٹھا اٹھا کر اسے سلام کیا۔ وہ اسے مسٹر ڈیکارٹس کے نام سے جانتے

تھے۔ حالانکہ اس کا یہ نام نہیں تھا۔ ان پانچوں نے دنیا کے پانچ مشہور فلسفیوں کے نام اختیار کرر کھے تھے۔ ڈیکارٹس، لائبنز، اسپنوزا، ہیوم، برکلے۔ پتہ نہیں اس طرح وہ ان فلسفیوں کی ہنسی اڑانا چاہتے تھے یا کچھ اور مقصد تھا۔

جنٹل فرسٹ سیدھا منیجر کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ بند دروازے پر دستک دی۔ اندر کچھ کھڑکھڑاہٹ سنائی دی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کرسیاں اور میزیں کھسکائی جارہی ہوں۔ پھر آواز آئی۔

''آجاؤ....!''

جنٹل فرسٹ نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا۔ منیجر میز پر دونوں کہنیاں ٹیکے بیٹھا دروازے کی طرف گھور رہا تھا۔ آنے والے کو دیکھ کر جلدی سے کھڑا ہوگیا۔

''آہا.... مسٹر ڈیکی۔ آیئے آیئے۔'' اس نے کہا۔ وہ اسے ڈیکارٹس کی بجائے ڈیکی کہا کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے دوست اسے ڈیکی ہی کہتے ہوں گے۔

جنٹل فرسٹ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور اب اس نے دیکھا کہ کمرے میں ایک اینگلوانڈین لڑکی بھی موجود ہے۔

''میں ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں۔'' جنٹل فرسٹ نے لڑکی کیطرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ضرور ضرور.... آیئے.... میرے ساتھ۔'' منیجر نے اٹھ کر اپنی کرسی کھسکائی اور دوسرے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

دونوں کمرے میں چلے گئے۔

''تیرہ نمبر کی میز کا ریزرویشن کس کے نام سے ہے۔'' جنٹل فرسٹ نے اس سے پوچھا۔

''آپ کے نام سے مسٹر ڈیکی۔ آپ جیسا لاپرواہ اور فراخ دل رئیس آج تک ہماری نظروں سے نہیں گزرا۔ آپ صرف اس میز کے لئے ہمیں پانچ سو روپے ماہوار دیتے ہیں۔''

''اچھا تو اب اس میز کو میری عدم موجودگی میں بھی کوئی استعمال نہ کرنے پائے۔''

''ہرگز نہیں جناب۔ وہ تو ہمیشہ خالی پڑی رہتی ہے۔'' منیجر نے کہا۔ ''اس کو صرف آپ یا آپ کے احباب استعمال کرتے ہیں۔''

''اب میرے علاوہ اور کوئی نہیں.... سمجھ گئے نا آپ۔''

''آپ کے چاروں دوست بھی نہیں۔'' منیجر نے حیرت سے کہا۔

''جی ہاں.... وہ بھی نہیں۔ آپ انہیں منع کرتے وقت میرا حوالہ دے سکتے ہیں۔''

''بہت بہتر مسٹر ڈیکارٹس۔''

وہ پھر اس کمرے سے منیجر کے آفس میں آ گئے۔ اینگلوانڈین اب بھی موجود تھی اور اب وہ جنٹل فرسٹ کو بڑی نشیلی آنکھیں بنا کر دیکھ رہی تھی۔ لیکن جنٹل فرسٹ کو عورتوں سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔

وہ منیجر کے کمرے سے نکل کر ہال میں آیا اور وہاں رکے بغیر آگے بڑھ گیا۔

باہر اس کی کار کھڑی تھی۔ اس نے اگلی نشست پر بیٹھ کر اسٹارٹ کیا، لیکن وہ کار کو آگے نہیں بڑھا سکا۔ کیونکہ ایک ٹھنڈی سی چیز اس کی گردن سے آ لگی تھی۔

اس جگہ بہت سی کاریں کھڑی تھیں اور اس حصے میں زیادہ روشنی نہیں تھی۔ جنٹل فرسٹ کو سر گھمانے تک کا موقع نہیں ملا۔

اس کے گلے سے خرخراہٹ کی آواز نکلنے لگی اور وہ پشت گاہ پر گردن ڈالے ہوئے اس طرح تڑپنے لگا جیسے کوئی ذبح کیا ہوا مرغ۔

چاروں طرف سناٹے کی حکمرانی تھی۔ یہ دراصل ایک گلی تھی اور یہاں اس وقت آمدورفت نہیں تھی۔ چونکہ سڑک پر کاریں کھڑی کرنے کا حکم نہیں تھا، اس لئے یہ گلی عام طور پر کاروں سے بھری رہا کرتی تھی۔ قریب ہی ایک سینما ہاؤز بھی ہونے کی وجہ سے پارک کی جانے والی کاروں کی زیادتی ہی رہتی تھی۔

جنٹل فرسٹ تڑپتا رہا۔ رائفل اب اس کی گود سے نیچے گر گئی تھی۔ آہستہ آہستہ خرخراہٹ کی آوازیں مدہم ہوتی گئیں اور پھر یک بیک وہ ٹھنڈا ہوگیا۔

گلی کی سناٹے کا وہی عالم رہا۔

دوسرا شو ختم ہونے پر جب تماشائی اپنی کاروں کے لئے گلی میں داخل ہوئے تو انہیں لاش کا علم ہو گیا.... اور پھر.... وہی ہوا جو ایسے مواقع پر عام طور پر ہوا کرتا ہے۔ اچھی خاصی سراسیمگی پھیل گئی۔ زیادہ تر لوگ اپنی کاریں گلی سے نکال کر ہوا ہو گئے۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح پولیس کو اطلاع ہوئی۔ چونکہ یہ علاقہ کوتوالی ہی کے حلقے میں تھا اس لئے یہاں انسپکٹر جگدیش کی موجودگی ضروری تھی۔ اس نے موقعہ واردات کا معائنہ کیا اور ذرا ہی سی دیر میں اس کی عقل چکرا گئی۔ اگر کار کا انجن چل نہ رہا ہوتا تو شائد وہ اسے عام قسم کی وارداتوں سے زیادہ اہمیت نہ دیتا۔ لیکن ایسی صورت میں وہ سمجھے بوجھے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔

حالانکہ فریدی نے اس سے کہہ رکھا تھا کہ جب بھی وہ کسی پیچیدہ کیس سے دوچار ہو، اسے اپنی مدد کے لئے بلا سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی اسے فون کرتے وقت جگدیش ہچکچا رہا تھا۔ کیونکہ اب دو بجنے والے تھے، بہر حال اس نے ایک پبلک کال بوتھ سے فریدی کو فون کر ہی دیا۔ فریدی گھر ہی پر موجود تھا، اور ابھی تک سویا نہیں تھا۔

ٹھیک تین بجے وہ حمید سمیت موقعہ واردات پر پہنچ گیا۔ حمید کو شائد وہ جگا کر لایا تھا۔ اس لئے کہ جگدیش کا سامنا ہوتے ہی حمید نے منہ پھیر لیا۔

فریدی نے بہت خاموشی سے لاش کا جائزہ لیا۔ لاش کے پیروں کے قریب پڑی ہوئی رائفل خاص طور پر اس کی توجہ کا مرکز تھی۔ جگدیش کو توقع تھی کہ فریدی اس سلسلے میں کوئی نیا انکشاف کرے گا، لیکن اس نے اس کے متعلق کچھ بھی نہیں کہا۔

”کیا تمہیں کوئی ایسا آدمی بھی ملا جو لاش کو شناخت کر سکے۔“ اس نے جگدیش سے پوچھا۔

”جی ہاں.... کیفے جبران والے۔ وہ ان کا مستقل گاہک تھا۔ منیجر کا بیان ہے کہ وہ گیارہ

بجے کیفے میں آیا تھا۔“

”اوہ.... اچھا۔ تو میں منیجر ہی سے گفتگو کروں گا۔“ فریدی بولا۔

جگدیش انہیں کیفے جبران میں لایا۔ اس نے پہلے ہی منیجر کو پابند کر دیا تھا کہ وہ اسے اطلاع دیئے بغیر کہیں نہ جائے۔ جگدیش کو دیکھتے ہی وہ دبی زبان سے اس کی نادر شاہی کے خلاف احتجاج کرنے لگا۔

”اوہ.... دیکھئے۔“ فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ ”بات ہی ایسی ہے.... صرف آپ ہی یہاں ایسے ہیں جس سے ہمیں مقتول کے متعلق کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔ کیا آپ اس کا نام بتا سکیں گے۔“

”نام.... جی ہاں.... مسٹر ڈیکارٹس....“

”ڈیکارٹس!“ فریدی نے حیرت سے دہرایا اور حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

”کیا یہ مستقل گاہک تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”ایک عجیب و غریب گاہک جناب۔ انہوں نے تقریباً ایک سال سے تیرہ نمبر کی میز مخصوص کرا رکھی تھی اور اس کے لئے وہ ہر ماہ مبلغ پانچ سو روپے ادا کرتے تھے۔“

”شاید آپ کو نیند آ رہی ہے۔“ حمید برجستہ بولا۔

”نہیں جناب۔“ منیجر نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”میں جاگ رہا ہوں.... مجھے یقین ہے کہ اس پر مشکل ہی سے کسی کو یقین آئے گا۔ مگر یہ حقیقت ہے۔ ہمارے کئی ویٹر اسے ایک سال سے یہاں دیکھ رہے ہیں۔“

”خوب....!“ فریدی کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں اور اس نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا وہ یہاں تنہا بیٹھا کرتا تھا۔“

”جی نہیں، چار آدمی اور بھی ہیں اور ہاں دیکھئے.... شاید اس سے کچھ کام چل سکے۔ گیارہ بجے مسٹر ڈیکارٹس اسی لئے یہاں آئے تھے کہ آئندہ ان چاروں کو اس میز پر نہ بیٹھنے دیا جائے۔“

”کیا مطلب....؟“

”انہوں نے کہا تھا کہ کل سے ان چاروں کو اس میز پر نہ بیٹھنے دیا جائے۔ جی ہاں اتنی

بات کے علاوہ انہوں نے اور کچھ نہیں کہا تھا۔"

"کیا آپ ان چاروں کو پہچان سکیں گے؟"

"جی ہاں....ضرور۔ میں آپ کو ان کے نام بھی بتا سکتا ہوں۔ ایک صاحب اسپنوزا ہیں، دوسرے لابنیز، تیسرے ہیوم اور چوتھے برکلے۔"

"اور آپ....!" حمید غرایا۔ "آپ غالباً شلائر ماخر یا فوئیر باخ ہوں گے۔ یہ کیفے ہے یا فلسفیوں کا بھنگ خانہ۔"

"آپ مقتول کے گھر کا پتہ تو ضرور جانتے ہوں گے۔" فریدی نے کہا۔ "دیکھئے جواب نفی میں نہ دیجئے گا۔ ایسے پراسرار گاہک کے متعلق آپ نے پوری چھان بین کی ہوگی۔"

"مجھے اس سے انکار نہیں ہے جناب۔" منیجر مسکرا کر بولا۔ "میں نے کئی بار ان پانچوں کا چھپ کر تعاقب کیا تھا۔ لیکن کامیاب صرف ایک ہی بار ہوا تھا۔ لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ ان پانچوں میں سے کس کی قیام گاہ ہے۔"

"پتہ....!" فریدی نے جیب سے نوٹ بک نکالتے ہوئے کہا۔

"شیش محل کا پانچواں فلیٹ۔"

فریدی نے نوٹ بک میں جلدی جلدی کچھ لکھ کر اسے بند کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا یہ روزانہ یہاں بیٹھتے تھے۔"

"جی نہیں....اکثر کئی کئی دن تک نہیں آتے تھے۔"

"کیا کبھی کوئی عورت بھی ان کے ساتھ ہوتی تھی۔"

"جی نہیں۔ میں نے اس ایک سال کے عرصے میں ان کیساتھ کبھی کوئی عورت نہیں دیکھی۔"

"کیا پہلے بھی کبھی اس نے یہ کہا تھا کہ اسکے چاروں دوستوں کو اس میز پر نہ بیٹھنے دیا جائے۔"

"کبھی نہیں جناب۔ اس پر تو مجھے حیرت تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ پانچوں نہ صرف ہم خیال تھے بلکہ ان کے عادات واطوار بھی ایک سے تھے۔"

"عادات و اطوار سے آپ کو واقفیت تھی۔" فریدی نے اسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "پھر تو آپ ان کی متعلق بہت کچھ جانتے ہوں گے۔"

"آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔" منیجر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "یہ میرا اندازہ ہے کہ وہ ایک ہی جیسے عادات و خصائل رکھتے ہوں گے۔ آدمی کی صورت ہی دیکھ کر اس کے متعلق بہتیری رائیں قائم کی جاسکتی ہیں اور میرا دعویٰ ہے کہ ان میں کبھی غلط نہیں ہوتیں۔"

"خیر....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "کیا اس کے یہاں سے جانے کے بعد ان چاروں میں سے کوئی نظر آیا تھا۔"

"جی نہیں۔"

"اچھا....بہت بہت شکریہ۔ آپ غالباً اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتے۔"

"جانتا ہوتا تو آپ کو سوال کرنے کی زحمت ہی نہ کرنی پڑتی۔"

"اچھا جناب۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "ہوسکتا ہے کہ آپ کو پھر زحمت دی جائے۔"

"اوہ....ضرور! میں ہر وقت حاضر ہوں۔"

وہ کیفے سے باہر آگئے۔ جگدیش نے منیجر کو کیفے بند کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ حمید بڑبڑا رہا تھا۔ "اب کسی دن ہمیں سکندر اعظم اور چنگیز خاں کی لاشوں سے بھی دوچار ہونا پڑیگا۔"

"واقعی یہ بڑی مضحکہ خیز بات ہے کہ انہوں نے پانچ مشہور فلسفیوں کے نام اختیار کر رکھے تھے۔" فریدی نے کہا اور کسی سوچ میں پڑ گیا۔

پھر اس نے جگدیش سے کہا۔ "اچھا بھئی میں تو چل دیا۔ اب کل شام تک تم مجھ سے مل سکتے ہو۔ مرنے والے کی انگلیوں کے نشانات لے لینا اور وہ رائفل۔ اسے بہت احتیاط سے پیک کر کے فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ میں بھجوا دینا۔ کار کی جو کھڑکی کھلی ہوئی تھی....مگر نہیں۔ پوری کار پر انگلیوں کے نشانات کی تلاش ضروری ہے۔ اچھا بھئی تو کل ضرور ملنا۔ فی الحال ایک معمولی سی رپورٹ مرتب کر لو۔ یہ کیس بڑا دلچسپ ہے۔"

حمید اور فریدی کار میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوگئے۔

"میرا سر پھٹا جا رہا ہے۔" حمید منمنایا۔

"بس شیش محل تک۔ اس کے بعد ہم گھر واپس جائیں گے۔"

"اچھا جناب!" حمید انگڑائی لے کر بولا۔ "مگر خدا کا شکر ہے کہ یہ سرخ دائرہ اینڈ کمپنی

کی حرکت نہیں ہے۔"

فریدی کچھ نہیں بولا۔ کار فراٹے بھرتی رہی۔ اس وقت ساری سڑکیں سنسان پڑی تھیں۔ اس لئے کار طوفان کی طرح آگے بڑھ رہی تھی۔

"سرخ دائرہ۔" فریدی تھوڑی دیر بعد آہستہ سے بڑبڑایا "آج آفس میں آصف کی میز پر بھی ایک سرخ دائرہ دیکھا گیا ہے۔"

حمید اور ریکھا

وہ شیش محل پہنچ گئے۔ عمارت سنسان پڑی تھی۔ کہیں کہیں کھڑکیوں میں روشنی نظر آرہی تھی۔ ورنہ پوری عمارت تاریکی سے ہم آغوش تھی۔

ساڑھے چار بج رہے تھے۔ پانچویں فلیٹ کے سامنے وہ رک گئے۔

حمید نے بڑھ کر دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ لیکن شاید وہ اندر سے بند ہی نہیں تھا کیونکہ دوسرے یا تیسرے جھٹکے پر دونوں پٹ کھل گئے۔

اندر اندھیرا تھا۔ فریدی نے جیب سے ٹارچ نکال کر روشن کر لی۔ یہ کمرہ بالکل خالی تھا۔ یہاں کسی قسم کا فرنیچر بھی نہیں تھا۔ دیواریں ننگی پڑی تھیں۔

وہ آگے بڑھے۔ اس کے بعد ہی ایک چھوٹا سا کمرہ اور تھا۔ یہاں انہیں صرف ایک گول میز دکھائی دی جس کے گرد پانچ کرسیاں پڑی تھیں۔

یہ فلیٹ ان ہی دونوں کمروں پر مشتمل تھا اور یہاں ایک میز اور پانچ کرسیوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔

فریدی نے سوئچ دبا کر کمرے میں روشنی کر دی اور ٹارچ کو جیب میں ڈال کر متحیرانہ انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"بڑی عجیب بات ہے۔ اس میز پر بھی ۱۳ کا ہندسہ موجود ہے۔" فریدی آہستہ سے

بولا۔ "اور پانچ کرسیاں.... اوہو.... کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ہمیں یہاں انگلیوں کے نشانات نہ ملیں۔"

وہ تقریباً پندرہ یا بیس منٹ تک انہی کمروں میں ٹہلتے رہے۔ پھر فریدی نے کہا۔ "اب ہمیں آس پاس کے آدمیوں سے ملنا چاہئے۔"

حمید نے اندازہ کر لیا تھا کہ ابھی فریدی کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔ اس لئے وہ کسی بات میں دخل نہیں دے رہا تھا اور ویسے بھی چونکہ اسے سوتے سے اٹھ کر آنا پڑا تھا اس لئے اس کا موڈ بھی ٹھیک نہیں تھا۔

انہیں پڑوسیوں کو جگانا پڑا۔ لیکن جاگنے والے یہ معلوم کر کے خوش نظر آنے لگے تھے کہ فلیٹ نمبر پانچ کے متعلق معلومات بہم پہنچانے والے پولیس سے تعلق رکھتے ہیں۔ ورنہ پہلے تو ان کے چہروں پر ناگواری کے آثار ضرور نظر آئے تھے۔

انہوں نے بتایا کہ یہ فلیٹ زیادہ تر مقفل ہی رہتا ہے۔ اکثر پانچ آدمی وہاں آیا کرتے تھے۔ کچھ دیر بیٹھتے اور چلے جاتے اور فلیٹ مقفل کر دیا جاتا۔ پڑوسی ان کی طرف سے مطمئن نہیں تھے۔ انہیں یقین تھا کہ وہ بُرے آدمی ہیں اور کسی بُرے ہی مقصد کی تحت انہوں نے یہ فلیٹ حاصل کیا ہے۔ انہوں نے ان پانچوں کے حلئے بھی بتائے لیکن بیانات میں اختلاف تھا۔

بہرحال پڑوسیوں سے انہیں کوئی مدد نہ مل سکی۔ لیکن فریدی کا خیال تھا کہ وہ بے نیل و مرام واپس نہیں جا رہا ہے۔ قریبی تھانے سے دو کانسٹیبل طلب کر کے اس نے وہاں ان کی ڈیوٹی لگا دی تھی اور اب وہ فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ کے فوٹوگرافروں کو وہاں بلانے کیلئے فون کرنے جا رہا تھا۔

"اس سے کیا فائدہ ہوگا۔" حمید نے پوچھا۔

"ہو سکتا ہے کہ یہاں ہمیں مقتول کی انگلیوں کے نشانات بھی مل جائیں۔"

"کیا آپ کو کیفے جبران کے منیجر کے بیان پر یقین نہیں تھا۔"

"تاوقتیکہ مجھے مکمل ثبوت نہ مل جائے میں کسی بات پر بھی یقین نہیں کرتا۔"

فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ کے فوٹوگرافروں کے لئے فون کرنے کے بعد وہ گھر کی طرف

واپس ہوئے۔ فریدی کار ڈرائیو کررہا تھا اور حمید اس کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی پلکیں نیند کے دباؤ سے جھکی جارہی تھیں۔ اچانک فریدی بڑبڑانے لگا۔

''بہت دنوں کے بعد اب کیس ہاتھ آیا ہے.... حمید صاحب.... آپ کا کیا خیال ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ میں اس مہم میں شریک ہوجاؤں جو آئندہ سال چاند میں جارہی ہے۔''

''چاند میں چاندی سی لڑکیاں نہیں ہوتی حمید صاحب! وہاں بھی تو تمہیں پتھر اور ریت کے سوا کچھ نہ ملے گا۔''

''آپ تو نہ ہوں گے وہاں۔''

''اتنا اکتا گئے ہو مجھ سے۔''

بات آگے نہ بڑھ سکی کیونکہ حمید نے کھڑکی سے لگ کر خراٹے شروع کردیئے تھے۔

اسی دن تین بجے فریدی نے حمید سے بتایا کہ شیش محل کی فلیٹ نمبر پانچ کی میز اور کرسیوں پر پائے جانے والے نشانات میں مقتول کی انگلیوں کے نشانات بھی موجود ہیں۔

''اور حمید صاحب۔'' اس نے کہا۔ ''اگر آپ ہوائی قلعے نہ بنانے کا وعدہ کریں تو ایک بات اور بھی بتاؤں۔''

''بشرطیکہ اس میں کسی لڑکی کا تذکرہ شامل نہ ہو۔''

''ہوسکتا ہے کہ آصف سے تمہارا ٹکراؤ ہو ہی جائے۔''

''آہا.... خدا کی قسم مزہ آجائے گا۔''

''اس فلیٹ میں مجھے سرخ رنگ کی چاک کے دو ٹکڑے بھی ملے تھے۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

لیڈی انسپکٹر مس ریکھا کنکس لین کی عمارت زوردا اسکوائر کے آس پاس منڈلا رہی تھی۔ وہ ابھی تک اس عمارت میں ہونے والے قتل کے متعلق کچھ بھی نہیں معلوم کرسکی تھی۔ ویسے زیادہ

تر اس کا وقت اس کلیو پر غور کرنے میں گزرا تھا جس کی طرف فریدی نے اشارہ کیا تھا۔

مقتول کے گھر والوں نے تو کوئی ایسی بات نہیں بتائی تھی جس سے اسباب قتل پر روشنی پڑسکتی۔ لہٰذا فی الحال وہ کلیو اس کے لئے بیکار ہی تھی۔

اس نے مقتول کے حلقہ احباب میں بھی پوچھ گچھ کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔ لیکن وہ آصف کو اپنی کاروائی کی رپورٹ نہیں دیتی تھی اور آصف نے بھی اسے ناکارہ تصور کرکے نظر انداز کررکھا تھا۔ وہ کبھی سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ عورتیں بھی اس کے دوش بدوش کام کرنے کی اہل ہوسکتی ہیں۔

ریکھا زوردا اسکوائر کے سامنے سے گذرتی ہوئی چیتھم روڈ پر نکل آئی اور یہاں اچانک اس کی ملاقات کیپٹن حمید سے ہوگئی جو ایک تمباکو فروش کے یہاں پائپ کا تمباکو خرید رہا تھا۔

''اوہو! مس ریکھا۔ آپ کون سا تمباکو پیتی ہیں۔''

''میں تمباکو خریدنے نہیں آئی۔'' ریکھا مسکرا کر بولی۔

''اوہو.... معاف کیجئے گا.... ہم....!''

''میں آپ کا تھوڑا سا وقت برباد کرنا چاہتی ہوں۔'' ریکھا چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''وقت کبھی برباد نہیں ہوا کرتا مس ریکھا۔ فرمایئے میں کیا خدمت کرسکتا ہوں۔''

''کنکس لین والے کیس....!''

حمید کھانسنے لگا اور ریکھا جملہ پورا نہ کرسکی۔

''دیکھئے ہم یہاں سڑک پر اطمینان سے گفتگو نہ کرسکیں گے۔'' اس نے کہا۔ ''یہاں سے آرلکچو قریب ہے اور وہاں کی چائے بھی بڑی اچھی ہوتی ہے۔''

پھر اس نے کار کی طرف اشارہ کیا اور ریکھا پچھلی نشست پر جا بیٹھی۔ آرلکچو تک پہنچنے میں پانچ منٹ سے زیادہ عرصہ نہیں لگا۔

روز کی طرح آج بھی آرلکچو میں کافی رونق تھی۔ وہ ایک خالی کیبن میں چلے گئے۔

''آج میں کسی یتیم خرگوش کی طرح اداس ہوں۔'' حمید بیٹھتے ہی بولا۔

''نہیں جناب۔ اس سے کام نہیں چلے گا۔'' ریکھا نے ہنس کر کہا۔ ''محکمے کی ٹاپسٹ

لڑکیوں سے میں آپ کی تعریف سن چکی ہوں۔"

"تو پھر....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"کچھ نہیں! ہاں تو میں کہنا چاہتی ہوں کہ کنکس لین والے کیس....!"

"ٹھہریئے۔ پہلے آپ یہ بتایئے کہ آپ کی پارٹی کی معلومات کیا ہیں۔"

"میں نہیں جانتی۔ سب الگ الگ کام کر رہے ہیں اور میں نے تو ابھی تک آصف کو کوئی رپورٹ نہیں دی۔"

"اور نہ آئندہ دیں گی۔"

"خیال تو یہی ہے۔"

"خیر....اچھا تو آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔"

"وہ کلیو.... مجھے الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔ مقتول کے بائیں ہاتھ کی انگلیوں پر رنگین چاک کے نشانات۔"

"میں آپ کے لئے تھوڑا بہت کام کرتا ہی رہا ہوں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور پھر کیبن میں داخل ہونے والے ویٹر کو آرڈر کی تفصیل سمجھانے لگا۔

"اوہ....آپ خواہ مخواہ تکلیف کر رہے ہیں۔" ریکھا بڑبڑائی۔ ویٹر جا چکا تھا۔

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا....مقتول کے متعلق میں نے معلوم کیا ہے کہ وہ بائیں ہاتھ سے لکھنے کا عادی تھا۔"

"اوہ....!" ریکھا سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"ایسی صورت میں دو ہی باتیں سوچی جا سکتی ہیں۔" حمید نے کہا۔ "یا تو وہ دائرہ خود مقتول ہی نے بنایا تھا یا پھر قاتل دوسروں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ دائرہ مقتول کے علاوہ اور کسی نے نہیں بنایا۔ دونوں ہی صورتیں پیچیدگیوں سے خالی نہیں ہیں۔ پہلی صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مقتول نے دائرہ کیوں بنایا اور دوسری صورت میں اس کے علاوہ اور کیا سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ قاتل اس دائرے کو مقتول سے کیوں منسوب کرنا چاہتے ہیں۔"

"جی ہاں....یقیناً....!" ریکھا بولی۔

"اچھا یہ تو ہوئی کلیو کی بات....اب مقتول کی شخصیت کی طرف آیئے۔ وہ یہاں کا ایک سرمایہ دار تھا۔ اسے چند نامعلوم آدمیوں نے قتل کر دیا۔ چند آدمی اس لئے کہہ رہا ہوں کہ مقتول کے کمرے کی ابتری اسی چیز کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ صرف دو آدمیوں کی لڑائی پورا کمرہ نہیں الٹ سکتی۔ خیر ہاں تو اس کے قتل کے سلسلے میں سرخ دائرے کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ اس سے پہلے بھی شہر میں تین قتل ہو چکے ہیں اور ان میں بھی وہی سرخ دائرہ سامنے آیا تھا۔ قتل کے علاوہ بھی متعدد وارداتوں میں سرخ دائرہ نظر آتا رہا ہے۔ مگر فی الحال ہم صرف مختلف آدمیوں کے قتل ہی کے سلسلے میں اس کا جائزہ لیں گے۔ سارے مقتولین میں صرف ایک چیز مشترک نظر آتی ہے آپ نے پچھلے ریکارڈ تو دیکھے ہیں۔"

"جی ہاں....دیکھے ہیں۔"

"اچھا تو بتایئے کہ وہ مشترک چیز کیا ہے۔"

ریکھا سوچنے لگی۔ حمید خاموشی سے کیبن کے باہر دیکھتا رہا۔ تقریباً پانچ منٹ گذر گئے۔ لیکن ریکھا نے کوئی جواب نہ دیا۔

"آپ نے پچھلی رپورٹیں غور سے نہیں پڑھیں۔" حمید نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

"ہو سکتا ہے۔"

"نہیں کھلے ہوئے الفاظ میں اعتراف کیجئے۔"

"چلئے کر لیا۔" ریکھا ہنس کر بولی۔

"ان میں مشترک چیز گھوڑ دوڑ ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیا....؟ میں نہیں سمجھی۔"

"آہا....!" حمید زہر خند کے ساتھ بولا۔ "گھوڑ دوڑ....اس دوڑ کو کہتے ہیں جس میں گدھے دوڑائے جاتے ہیں۔"

"یہ نہیں....آپ میرا مافی الضمیر نہیں سمجھے۔ گھوڑ دوڑ ان میں مشترک ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

"وہ سب کسی نہ کسی طرح گھوڑ دوڑ سے ضرور متعلق تھے۔ پچھلے تین قتل، اگر آپ کو یاد

ہوتو....مگر نہیں آپ کو کیا یاد ہوگا۔ مقتولوں میں سے دو تو جاکی تھے اور ایک گھوڑے کا مالک کنکس لین والا مقتول بھی ریس میں دوڑنے والے دو گھوڑوں کا مالک تھا۔ غالباً اب آپ گئی ہوں گی۔"

"جی ہاں.... جی ہاں۔" ریکھا نے کہا۔ وہ کچھ بے چین سی نظر آنے لگی تھی۔

"لہٰذا میرا مشورہ ہے کہ آپ اسی لائن پر کام کیجئے۔ کوئی دشواری پیش آئے تو حاضر ہوں۔"

ریکھا نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ چائے اور اس کے لوازمات میز پر لگائے جا تھے۔ دونوں خاموشی سے چائے پیتے رہے۔

جنٹل تھرڈ نے جلدی جلدی کھڑکیوں کے شٹر چڑھا دیئے۔ پتہ نہیں یہ اس کا وہم حقیقت تھی۔ اسے کھڑکیوں کے شیشوں سے ایک سایہ دکھائی دیا تھا اور پھر وہ پل بھر میں نظر سے غائب بھی ہوگیا تھا۔

وہ کھڑکیاں اور دروازے بند کرکے کمرے میں بیٹھ گیا۔ پھر اچانک اسے ایسا محسوس جیسے کوئی دروازے پر دستک دے رہا ہو۔

"کون ہے؟" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میں ہوں جناب ویٹر.... آپ کا فون ہے۔"

"میری کال ہے۔"

"جی ہاں جناب۔"

"اچھا.... ویٹر شکریہ۔ میں ابھی آتا ہوں۔ ہولڈ آن رکھو۔"

جنٹل تھرڈ ایک ایسی عمارت میں مقیم تھا جس کے نچلے حصے میں ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا۔

جنٹل تھرڈ کے پیغامات اسی ہوٹل کے فون پر آیا کرتے تھے۔ جنٹل تھرڈ نے جلدی جلدی پتلون چڑھائی اور ٹائی کے بغیر ہی کوٹ پہن کر کمرے سے نکل آیا۔

ہوٹل کے منیجر کے انداز استقبال سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کی نظروں میں انتہائی قابل احترام شخصیت ہے۔ جنٹل تھرڈ نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو.... کون ہے؟"

"بُرکلے!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"میں اسپنوزا ہوں۔" جنٹل تھرڈ نے کہا۔

"کسی نے پچھلی رات جنٹل فرسٹ کو قتل کردیا۔ کیفے جبران والی گلی میں۔"

"اوہ....!" جنٹل تھرڈ کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

"شیش محل والے فلیٹ پر پولیس کا قبضہ ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ناممکن....!" جنٹل تھرڈ نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"ناممکن تو مجھے بھی معلوم ہوتا ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "مگر یہ حقیقت ہے، مجھے ملی ہوئی اطلاع غلط نہیں ہوسکتی۔ بہرحال بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ میرا خیال ہے کہ پولیس ہمارے وجود سے واقف ہوگئی ہے۔"

"مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر اسے کس طرح علم ہوا۔"

"اوہو! ذرا سوچنے کی عادت ڈالو۔ کیا کیفے جبران کے منیجر اور دوسرے ملازمین نے جنٹل فرسٹ کی لاش شناخت نہ کی ہوگی اور کیا پولیس کو ہمارے متعلق نہ بتایا ہوگا۔"

"مگر اس ٹھکانے کا علم ان لوگوں کو کیسے ہوسکتا ہے۔" جنٹل تھرڈ نے کہا۔

"یہی بات میری سمجھ میں بھی نہیں آتی۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "بہرحال بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ مجھے کیا کرنا ہوگا۔"

"تو کیا تم بہت زیادہ خوفزدہ ہو۔" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"نہیں قطعی نہیں!"

"اچھا تو پھر آج رات کو ہم کہاں ملیں گے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اگر حالات یہی ہیں تو ہمیں فی الحال ملنا ملانا ترک کر دینا چاہئے۔" جنٹل تھرڈ نے کہا

"نہیں آج تو ہمیں یقینی طور پر کہیں نہ کہیں ملنا ہے۔ حالات خطرناک صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ ہمیں اس نامراد سرخ دائرے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔"

"تم کہاں سے بول رہے ہو۔"

"ایک پبلک کال بوتھ سے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اچھا تو ہم آج ملیں گے.... مگر کہاں؟"

"کیفے جبران ہی میں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "حالانکہ یہ چیز خطرناک ہی ہے مگر ہم تھوڑا سا میک اپ کر لیں گے۔ پہچان کے لئے ہماری ٹائیاں سیاہ رنگ کی ہوں گی۔ اسے یاد رکھنا۔ اوہو.... اچھا بس۔"

سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اچانک کوئی خطرہ سر پر دیکھ کر بولنے والا خاموش ہو گیا ہو۔

کیفے میں بھوت

فریدی نے اس آدمی کی طرف غور سے دیکھا جو کچھ کاغذات اس کے سامنے رکھ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا تھا۔

"سب کچھ مکمل ہے۔" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں.... سب مکمل ہے۔"

"شکریہ.... اب تم جا سکتے ہو۔"

وہ آدمی چلا گیا اور فریدی اس کے لائے ہوئے کاغذات کو الٹنے پلٹنے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ چپراسی اندر آیا۔

"حمید صاحب کو بھیج دو۔" فریدی کاغذات پر نظر جمائے ہوئے بولا۔

پھر شاید پانچ یا چھ منٹ بعد حمید کمرے میں داخل ہوا۔ فریدی نے سر کی جنبش سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ لیکن کاغذات سے اس کی نظر نہیں ہٹی تھی۔

حمید کے چہرے پر ناگواری کے آثار نہیں تھے۔ ریکھا کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو اس سے اتنی مستعدی کی توقع خواب و خیال ہی کی بات ہوتی۔ آج کل وہ صحیح معنوں میں کام کرنے کے موڈ میں تھا۔

"کیوں؟ کیا رہا؟" فریدی نے تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر کہا۔

"مقتول کی تصویر اشاعت کے لئے پریس کو دے دی گئی ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اب اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ مجھے اس کی قیام گاہ کا پتہ معلوم ہو گیا ہے۔"

"وہ کیسے....؟"

"ڈیلی میل کے منیجر نے وہ تصویر شناخت کر لی ہے۔ وہ بھی اس کا نام ڈیکارٹس بتاتا ہے۔ وہ دونوں ایک ہی عمارت کے دو مختلف حصوں میں رہتے تھے۔"

"ہوں.... مگر اب تصویر کی اشاعت کو تم غیر ضروری کیوں سمجھتے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"مقصد یہی تھا نا کہ ہمیں اس کی قیام گاہ کا پتہ معلوم ہو سکے۔"

"قطعی نہیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "محض قیام گاہ کا پتہ معلوم ہونے سے کیا ہو سکتا ہے۔ یہ تو طے شدہ بات ہے کہ ڈیکارٹس فرضی نام تھا۔ ہو سکتا ہے کہ تصویر کی اشاعت کے بعد ہمیں اس کے متعلق کچھ اور بھی معلوم ہو سکے۔ ہاں کیا تم اس کی قیام گاہ پر گئے تھے۔"

"میں ابھی وہیں سے آ رہا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "مگر یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اس کے یہاں کوئی نوکر نہیں تھا۔"

"مکان کی تلاشی لی تھی۔"

"ابھی نہیں.... جگدیش تلاشی کا وارنٹ حاصل کرنے گیا ہے۔"

"ہاں.... اچھا.... وہ تو ہوتا ہی رہے گا۔ لیکن اب دوسری بات سنو۔ وہ رائفل جو مقتول کی کار پر ملی تھی اس پر مقتول ہی کی انگلیوں کے نشانات ہیں۔"

"یعنی خودکشی۔"

"نہیں....خودکشی تو نہیں ہوسکتی کیونکہ گولی گردن پر بائیں طرف لگی تھی۔ اگر سامنے کے حصے کی بات ہوتی تو کسی حد تک خودکشی کا شبہ کیا جاسکتا تھا۔"

"کیوں....!"

"خودکشی کرنے والے عموماً نرخرے یا دل کے مقام پر فائر کرتے ہیں تاکہ موت جلدی واقع ہو اور انہیں اذیت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ موت جانکنی سے زیادہ خوفناک نہیں ہوتی۔ خیر اسے بھی چھوڑو۔ آدمی آسانی پسند واقع ہوا ہے۔ آسانی پسند کو اگر فطرت ثانیہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ تم خود کوشش کر کے دیکھ لو۔ رائفل کی نال اپنی گردن کے دائیں بائیں پہلو پر رکھ کر ٹریگر تک ہاتھ لے جاؤ۔ یقیناً یہ چیز تمہارے لئے دقت طلب ہوگی۔ لیکن تم رائفل کی نال اپنے نرخرے پر رکھ کر اور اس کے کندے کو زمین پر ٹکا کر پیر کے انگوٹھے سے ٹریگر بہ آسانی دبا سکتے ہو۔ خیر چھوڑو اس تذکرے کو کام کی بات کرو۔ خودکشی کے لئے وہ گلی موزوں نہیں تھی جبکہ اس کا اپنا گھر بھی موجود تھا۔"

"تو مجھے اب کیا کرنا چاہئے۔" حمید نے پوچھا۔

"کیفے جبران پر نظر رکھو.... میز نمبر تیرہ.... پانچ آدمی.... پانچواں فلیٹ.... وہاں بھی صرف ایک ہی میز اور اس پر بھی تیرہ کے ہندسے کی موجودگی۔ یہ ساری چیزیں بڑی عجیب ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ لوگ جواری یا سٹہ باز ہیں۔ اسی قسم کے لوگ طاق اعداد کو سعد تصور کرتے ہیں۔ پانچ اور تیرہ دونوں ہی طاق اعداد ہیں۔"

اچانک فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر بڑی تیزی سے اٹھا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" کہتا ہوا وہ دروازے سے نکل گیا۔

حمید نے بُرا سا منہ بنا کر شانوں کو جنبش دی۔ لیکن اسے ہر حال میں فریدی کے ساتھ جانا تھا۔ خواہ وہ اسے جہنم ہی میں لے جاتا لیکن اس نے اسے آج تک اس طرح آفس سے اٹھ کر بھاگتے نہیں دیکھا تھا۔

حمید کے بیٹھتے ہی کار حرکت میں آ گئی۔ فریدی اسے تیز سے تیز چلانے کی کوشش کر رہا

تھا۔ گھر تک پہنچنے میں دس منٹ سے زیادہ نہیں لگے اور فریدی لائبریری میں جا گھسا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ پرانے رسائل اور اخبارات کی بڑی الماری خالی کر رہا تھا۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ اس ڈھیر میں سے صرف ایک ماہنامے کے شمارے الگ کر رہا ہے۔ یہ ماہنامہ "اسپورٹ" تھا۔

جب وہ بیس یا بائیس پرچے الگ کر چکا تو ورق گردانی کی باری آئی۔

وہ بڑی تیزی سے ان کے ورق الٹ الٹ کر انہیں ایک طرف ڈالتا جا رہا تھا۔

"آہا....!" یک بیک اس کے منہ سے ایک ہلکی سی تحیر آمیز آواز نکلی اور اس نے وہ شمارہ حمید کے سامنے ڈال دیا۔ جس کی ورق گردانی کر رہا تھا۔

"ارے....!" حمید پتلون کی کریز سنبھالے بغیر فرش پر دوزانوں بیٹھتا ہوا بڑبڑایا۔

"یہ تو اسی کی تصویر ہے۔"

"نہیں ٹھہرو....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "اس کی وہ تصویر بھی لاؤ۔"

"میرے پاس ہی موجود ہے۔" حمید نے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

اس نے ڈیکارلس یا اس پراسرار آدمی کی لاش کی تصویر نکالی جس کے لئے کیفے جبران کی تیرھویں میز دائمی طور پر مخصوص تھی۔

"ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہے جناب۔" اس نے رسالے میں چھپی ہوئی تصویر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اب تصویر کے نیچے کا مضمون پڑھو۔" فریدی بولا۔

"مسٹر جوزف بارڈ۔" حمید پڑھنے لگا۔ "جنہوں نے ۱۸ فروری کی ریس میں پچاس ہزار کی رقم جیتی۔ انہوں نے اپنا سارا سرمایہ یلو پینتھر نامی گھوڑے پر لگا دیا۔ جس پر نمبر ۱۳ تھا.... لکی تھرٹین مسٹر بارڈ ایک زندہ دل اور یار باش آدمی۔ ان کا خیال ہے کہ یہ رقم ان کے پاس زیادہ دنوں تک نہیں رکے گی۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بڑبڑایا۔ "یہ نام جوزف بارڈ بھی مجھے بناوٹی ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ بھی ہنگری کے ایک ممتاز ادیب کا نام ہے اور یہ نوبل پرائز [illegible]

بھی رہ چکا ہے۔"

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر لائبریری سے نکلا چلا گیا۔ پھر حمید اس وقت اس کے کمرے میں پہنچا جب وہ فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔

"ہیلو.....کیفے جبران.....اوہ اچھا کیا منیجر ہیں۔ دیکھئے میں فریدی بول رہا ہوں۔ کرنل..... کرنل فریدی.....ذرا ریکارڈس کے متعلق کچھ پوچھنا ہے۔ کیا آپ مجھے یہ بتا سکیں گے کہ تیرہ نمبر کی میز کب اور کس تاریخ کو مخصوص کرائی گئی تھی۔ دیکھئے بھئی.....رجسٹر بھی دیکھئے میں ہولڈ آن کئے ہوں.....شکریہ۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ ریسیور اب بھی اس کے کان سے لگا ہوا تھا۔ اسی حالت میں تین منٹ گزر گئے۔ پھر اس نے کہا۔ "اوہ.....اچھا بہت بہت شکریہ۔ جی نہیں ابھی تک ہمیں اس کا صحیح نام بھی نہیں معلوم ہو سکا۔"

وہ ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا اور ایک طویل انگڑائی لے کر بولا۔ "یہ ساری معلومات عجیب ضرور ہیں۔ لیکن اس قتل سے بھی ان کا کوئی تعلق ہے.....یہ نہیں کہا جا سکتا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"پچھلے سال ۱۸ فروری کو وہ تیرہ نمبر کے گھوڑے پر پچاس ہزار جیتا تھا، اور ۲۱ فروری کو اس نے کیفے جبران میں تیرہ نمبر کی میز مخصوص کرائی تھی۔ یعنی صرف تین دن بعد۔"

"لیکن آپ کو یک بیک یہ کیسے یاد آ گیا کہ اس کی تصویر اسپورٹ میں چھپی تھی۔ حالانکہ اس کا قتل تین دن پہلے کی بات ہے۔"

"وہ دراصل جوئے اور سٹے پر یاد آیا تھا۔ تیرہ کا عدد، پھر تیرہ نمبر کا گھوڑا، رپورٹر کے نوٹ میں لکی تھرٹین کا حوالہ، یہ سب ذہن میں محفوظ رہنے والی چیزیں ہیں۔ اگر تمہیں کبھی اس قسم کا اتفاق پیش آئے تو تم بھی یاد رکھو گے۔ مثلاً تیرہ کے عدد کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ سعد ہے۔ لہٰذا اگر اسی نمبر پر تمہارے علم میں کوئی دوسرا ایک بڑی رقم جیت لے تو تم اسے ہمیشہ یاد رکھو گے۔"

حمید خاموشی سے اسپورٹ کے صفحات الٹتا رہا۔ فریدی بھی خاموش ہو گیا۔

"عجیب معاملہ ہے۔" اس نے کچھ دیر بعد سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "اگر مقتول کا تعلق سرخ دائرہ والوں کی پارٹی سے تھا تو.....مگر نہیں۔"

وہ پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"سوچنے کو ساری زندگی پڑی ہوئی ہے۔" حمید بولا۔ "لیکن آپ مجھے کام بتایئے۔"

"اوہو! آج کل بہت تیز ہو رہے ہو۔" فریدی اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"میں کام چور تو نہیں ہوں۔"

"کب سے حمید صاحب۔"

"جب سے ریکھا محکمے میں آئی ہے۔" حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اس سلسلے میں تم سے کچھ کہنا وقت کی بربادی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ ویسے اتنا ضرور کہوں گا کہ تم نے مفت میں خود کو بدنام کر لیا ہے۔"

"آپ معرفت کی اس منزل سے واقف نہیں ہیں۔ پھر آپ اس کی لذت کیا جانیں۔ میں اسے بدنام نہیں بلکہ شہد کا مرتبان سمجھتا ہوں۔"

"خیر اب یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ کام یہی ہے کہ کیفے جبران پر نظر رکھو۔ کیونکہ مقتول نے اپنی موت سے کچھ ہی دیر پہلے منیجر سے کہا تھا کہ وہ اس کے چاروں ساتھیوں کو تیرھویں میز پر نہ بیٹھنے دیں۔"

"اس سے کیا غرض۔"

"کاش تمہارے حصے میں بھینس ہی کی عقل آئی ہوتی۔"

"اس صورت میں بھی آپ کو بین بجانے کا موقع ضرور دیتا۔"

"بکواس مت کرو.....جو کچھ میں کہوں اسے انجام دو۔ بس اب جاؤ۔"

"صرف ایک بات اور.....کیا ان پانچوں کا تعلق سرخ دائرے سے بھی ہو سکتا ہے۔"

"ابھی اس کا تصفیہ نہیں کر سکا۔ تم اس چکر میں نہ پڑو۔ ہمیشہ زینہ بزینہ آگے بڑھنے کی کوشش کیا کرو۔ اسطرح چھلانگ لگانے سے بھی اپنی ہی ریڑھ کی ہڈی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔"

"کیوں نہ میں آج رات ریکھا کو کیفے جبران لے جاؤں۔"

"جو تمہارا دل چاہے کرو۔ بس اب دفع ہو جاؤ۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر پھر لائبریری میں چلا آیا

حمید جہاں تھا وہیں رہا۔ لیکن اس کے چہرے پر بھی گہرے تفکر کے آثار تھے۔

چاروں شریف آدمی ایک ایک کر کے کیفے جبران میں داخل ہوئے۔ ان میں سے تین مختلف میزوں پر بیٹھ گئے۔ ایک کو کہیں جگہ نہ ملی۔ پورے ہال میں صرف ایک میز خالی تھی اور یہ تھی نمبر ۱۳۔ اس پر اب بھی ریزرویشن کی تختی رکھی ہوئی تھی۔

وہ سیدھا شراب کے کاؤنٹر کی طرف گیا۔ کیفے جبران میں بار بھی تھی۔ ان چاروں نے اتنے حیرت انگیز طور پر اپنی شکلیں تبدیل کی تھیں کہ پہلے سے نشانیاں قائم کئے بغیر شاید ایک دوسرے کو پہچان بھی نہ سکتے۔

بارٹنڈر نے اسے روز کا گاہک نہ سمجھ کر اس کی طرف توجہ تک نہ دی۔ وہ دوسرے خریداروں کے جگ بیئر سے بھر رہا تھا۔

کیفے جبران اپنی بیئر کے لئے خاص طور پر مشہور تھا۔ یہ دراصل کئی قسم کی بیئروں کا مرکب ہوا کرتا تھا۔

جنٹل فورتھ نے کاؤنٹر پر ہاتھ مار کر بھاری آواز میں بیئر طلب کی۔ بارٹنڈر نے اس کی طرف دیکھ کر سر ہلایا اور دوسروں کے جگ بھرتا رہا۔

بڑی دیر بعد اس کے آرڈر کی تعمیل کی گئی۔ جنٹل فورتھ جھلایا ہوا تھا۔ مگر اس نے اپنی ظاہری حالت میں فرق نہ آنے دیا تھا۔

"وہ میز خالی ہے۔" اس نے تیرہ نمبر کی میز کی طرف اشارہ کیا۔ "حالانکہ اس پر ریزرویشن کا کارڈ موجود ہے۔ لیکن اگر اس دوران میں کوئی آ گیا تو میں اٹھ جاؤں گا۔"

"نہیں جناب.... یہ ہمارے اصول کے خلاف ہے۔" بارٹنڈر نے لاپروائی سے کہا اور پھر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

جنٹل فورتھ بیئر کا گھونٹ لے کر ہونٹوں کو رومال سے خشک کرتا ہوا کاؤنٹر سے ٹک گیا۔

وہ اپنے تین ساتھیوں کو ہال میں تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اچانک اس کی نظر ایک دراز قد آدمی پر پڑی جو ہال میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ سیاہ رنگ کے اوورکوٹ اور ٹوئیڈ کے پتلون میں تھا۔ اوورکوٹ کے کالر کانوں تک اٹھے ہوئے تھے اور سر پر سفید رنگ کی فلٹ ہیٹ تھی، جس کا اگلا گوشہ ناک پر جھکا ہوا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا تیرہ نمبر کی میز کی طرف آیا۔ ریزرویشن کی تختی اٹھا کر میز کے نیچے ڈال دی اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اس کا رخ کاؤنٹر کی طرف تھا لیکن وہ جس انداز میں وہاں داخل ہوا تھا اس نے سب کو اس کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔

جنٹل فورتھ نے بارٹنڈر کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر برافروختگی کے آثار تھے لیکن اچانک اس کے ہاتھ سے بیئر کا جگ چھوٹ کر فرش پر آ رہا۔ جنٹل فورتھ بوکھلا کر پھر میز کی طرف مڑا کیونکہ اس نے بارٹنڈر کے چہرے کی بدلتی ہوئی حالت بغور دیکھی تھی۔ اس بار دوسرا جگ فرش پر گرا اور یہ خود جنٹل فورتھ کا جگ تھا۔ تیرہ نمبر کی میز پر بیٹھے ہوئے آدمی کا چہرہ اسے صاف نظر آ رہا تھا۔ ستا ہوا زرد چہرہ، ویران آنکھیں اور ایک دوسرے پر جمے ہوئے ہونٹ۔ لیکن یہ چہرہ جنٹل فرسٹ کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا تھا۔

پھر بارٹنڈر کی چیخ ہال میں گونج کر رہ گئی۔ کچھ اور لوگوں کی نظریں بھی تیرھویں میز پر بیٹھے ہوئے آدمی پر پڑ چکی تھیں۔ ان میں سے جو روز کے گاہک تھے بُری طرح کانپ رہے تھے۔ کئی کمزور دل کے آدمی تو اپنی کرسیوں سے لڑھک کر فرش پر آ گرے۔ کیونکہ انہوں نے چند دن قبل اسی آدمی کی لاش دیکھی تھی۔

پھر وہاں گویا زلزلہ سا آ گیا۔ میزیں الٹ گئیں۔ کرسیاں الٹنے لگیں۔ وہ لوگ جو واقعات سے واقف نہیں تھے وہ بھی اٹھ کر بھاگے۔ وہ اس لئے بھاگے کہ انہوں نے دوسروں کو بھاگتے دیکھا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہال کا مجمع سڑک پر پہنچ گیا۔ ان میں "چاروں شریف آدمی"

بھی تھے۔

کیفے سے برآمد ہونے والا آخری آدمی منیجر تھا۔ وہ ان چاروں کے قریب آ کر کھڑا ہوگیا۔مگراس کے چہرے پرخوف کے بجائے حیرت کے آثار تھے۔

"یہ کیا ہوا" دفعتاً اس نے بارٹنڈر کا شانہ جھنجھوڑ کر کہا۔ جو اسکے پاس سے گذر رہا تھا۔

"اوہ.... جناب.... کک.... کیا آپ نے نہیں دیکھا" وہ کانپتا ہوا بولا۔

"کیا نہیں دیکھا۔" منیجر کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"بھوت....!"

"کیا مطلب....!"

"ڈیکارلس صاحب کا بھوت۔"

"کیا بکتے ہو.... کہاں ہے بھوت.... کدھر ہے بھوت۔"

"اچھا صاحب میں جھوٹا ہوں.... مگر یہ اتنے سارے لوگ۔" اس نے جنٹل فورتھ کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ "یہ صاحب تو وہیں میرے پاس کھڑے ہوئے تھے۔"

منیجر نے مستفسرانہ نظروں سے جنٹل فورتھ کی طرف دیکھا۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔" جنٹل فورتھ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "میں نے دوسروں کو بھاگتے دیکھا، خود بھی بھاگ کھڑا ہوا۔"

منیجر چند مستقل گاہکوں کی بھیڑ میں پہنچ گیا۔ انہوں نے بارٹنڈر کے بیان کی تصدیق کردی اور منیجر نے انہیں بتایا کہ اسے کچھ بھی نہیں نظر آیا۔ وہ اپنے کمرے میں تھا۔ اچانک اس نے ہنگامے کی آواز سنی اور جس وقت وہ ہال میں پہنچا تو وہاں ایک متنفس بھی نہیں تھا۔

آہستہ آہستہ وہ پھر ہال کی طرف آنے لگے۔ حقیقتاً اب یہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ تیرہ نمبر کی میز خالی تھی اور اب ریزرویشن کی تختی بھی رکھی نظر آرہی تھی۔ ویسے ہال کی ابتری کا یہ عالم تھا جیسے وہاں تین چار سرکش قسم کے سانڈ آپس میں لڑ پڑے ہوں۔

ان آدمیوں کی بھیڑ میں کیپٹن حمید بھی تھا۔ اس نے بھی تیرہ نمبر کی میز پر بیٹھنے والے آدمی کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ بس دوسروں کو بھاگتے دیکھ کر خود بھی کودتا پھلانگتا ہوا باہر نکل گیا تھا

اور پھر جب اسے بھوت والی بات معلوم ہوئی تو وہ کسی سوچ میں پڑ گیا۔

پُراسرار لڑکی

دوسرے دن جنٹل فرسٹ کے بھوت کا واقعہ شہر کے سارے اخبارات میں آ گیا۔ لیکن یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جس پر سبھی یقین کر لیتے۔ زیادہ تر لوگ اسے افواہ ہی سمجھتے تھے۔ بہر حال کسی پر کچھ بھی ردعمل ہوا ہو، چاروں شریف آدمی سب سے زیادہ پریشان تھے۔ وہ دوسری صبح ایک چھوٹے سے چائے خانے میں ملے اور پچھلی رات والے واقعے پر گفتگو شروع ہوگئی۔

"کیا اب ہمیں اپنی قسمیں توڑ ہی دینی چاہئیں۔" جنٹل ففتھ نے کہا۔

"یقینی طور پر....!" سب بیک زبان بولے۔

"لیکن اس کے بعد ہم پل بھر کے لئے بھی جدا نہ ہوں گے۔" جنٹل ففتھ نے کہا۔

"کیوں....؟" جنٹل تھرڈ نے پوچھا۔ بقیہ دو کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھی اس کی وجہ دریافت کرتے ہیں۔

جنٹل ففتھ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اگر ہم جنٹل فرسٹ کو اپنی ٹولی سے الگ نہ کردیتے تو وہ کبھی نہ مارا جاتا۔ قاتل کو خدشہ لاحق ہوا ہوگا کہ کہیں اب وہ سیدھا پولیس اسٹیشن نہ چلا جائے اور یہ بات تو ثابت ہی ہو چکی ہے کہ کوئی ہمیں قتل کے الزام میں پھنسانا چاہتا ہے۔ ورنہ ہماری توڑی ہوئی تجوریوں پر سرخ دائرے کیوں ملتے؟"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" جنٹل فورتھ سر ہلا کر بولا۔ "مگر فی الحال ہمیں اس بات کو یہیں ختم کردینا چاہئے۔ سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کی روداد سنیں۔ آخر ہم کس طرح کیفے جبران کی تیرھویں میز پر پہنچے تھے۔ سب سے پہلے میں جنٹل سیکنڈ سے درخواست کرونگا۔"

"میں....!" جنٹل سیکنڈ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "جیل میں تھا.... ایک لمبی سزا کاٹنے کے بعد رہا ہوا۔ جیل کے دروازے ہی پر میری ایک فقیر سے ملاقات ہوئی۔ وہ خود ہی سر ہوگیا

تھا۔ ورنہ ملاقات کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں سمجھا کوئی دیوانہ ہوگا لیکن اس نے میرا جھنجھوڑ کر کہا تھا کہ تمہاری تقدیر کیفے جبران کی تیرھویں میز پر ہی۔ لیکن جو کوئی بھی تمہیں اس پر ملے اسے نہ تو تم اپنے متعلق کچھ بتانا اور نہ اس سے اس کے متعلق کچھ پوچھنا۔ اس سلسلے اس نے مجھے ایک بہت بڑی قسم دی تھی۔ البتہ اس کی اجازت تھی کہ میں اس میز پر بیٹھنے والا کے ساتھ مل کر کوئی کام کرسکتا ہوں، اس میں سراسر فائدہ ہی ہوگا۔ بہر حال میں وہاں گیا۔ جنرل فرسٹ سے ملاقات ہوئی اور میں نے تھوڑے ہی دنوں میں اندازہ کرلیا کہ وہ بھی میری طرح ایک شاطر چور ہے آہستہ آہستہ ایک دوسرے کی قلعی کھلتی گئی۔ پھر جنرل تھرڈ بھی آ گئے ہم تینوں نے لمبے لمبے ہاتھ مارنے شروع کردیئے۔''

جنرل سیکنڈ خاموش ہوگیا۔ پھر جنرل تھرڈ کی باری آئی اور اس نے اپنی روداد شروع کردی۔ اسے سٹے کا شوق تھا۔ اسے بھی ایک فقیر کے ذریعے دو چار بار سٹے میں کامیابی ہوئی تھی اور وہ بھی اسی فقیر کے کہنے پر کیفے جبران کی تیرھویں میز پر آ گیا تھا۔

جنرل فورتھ جواری تھا۔ اسے بھی کئی بار ایک فقیر کی وجہ سے لمبی رقمیں جیتنے کا اتفاق ہوا تھا اور پھر اسی فقیر کے ذریعے اس کی رسائی کیفے جبران کی تیرھویں میز تک ہوئی۔

جنرل فورتھ نے فقیر کا حلیہ بتا کر اپنے ساتھیوں سے اس کی تصدیق چاہی جنرل سیکنڈ اور تھرڈ دونوں ہی اس سے متفق تھے۔

اب جنرل ففتھ کی باری آئی اور وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

''مجھے کبھی کوئی فقیر نہیں ملا۔ جس نے مجھے کیفے جبران تک پہنچایا تھا اسے کسی طرح فقیر نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اس کے پاس ایک لمبی سی سیاہ رنگ کی سیڈان تھی اور وہ خود بھی اعلیٰ ترین لباس میں تھا ہوا یہ کہ ایک رات میں نے ایک بڑی جگہ پر ہاتھ صاف کیا تھا۔ واپسی پر گشتی پولیس نے دوڑالیا۔ اگر وہ لمبی سی سیاہ کاروالا میری مدد نہ کرتا تو میرا پکڑ لیا جانا لازمی تھا اور پھر جب میں نے اس سے گفتگو شروع کی تو اس نے چوری کے متعلق وہ وہ گر بتائے کہ میں عش عش کرتا رہ گیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اکیلا آدمی ہمیشہ مار کھاتا ہے۔ کم از کم دو چار ساتھی تو ہونے ہی چاہئیں۔ اس کے بعد ہی اس نے مجھے کیفے جبرا کی تیرھویں میز کے متعلق بتایا۔ اس

نے کہا کہ تمہیں وہاں کم از کم چار آدمی ضرور ملیں گے۔ وہ تمہیں سب سے پہلے یہاں اس شہر میں چوری کرنے کے گر بتائیں گے اور تم چند ہی مہینوں میں اتنا کمالو گے کہ ساری زندگی بیٹھ کر کھا سکو۔ قسم اس نے مجھے بھی دی تھی کہ نہ میں ان لوگوں سے پوچھوں اور نہ اپنے متعلق انہیں کچھ بتاؤں۔ فقیروں وغیرہ پر میرا اعتقاد کبھی نہیں رہا۔ اب میں یہ سوچتا ہوں کہ شاید وہ نامعلوم آدمی ہم پانچوں کو بہت قریب سے دیکھتا رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ہماری ذہنیتوں کے مطابق ہمیں اس چکر میں پھانسنے کے طریقے اختیار کیے۔''

''مگر دوست....!'' جنرل تھرڈ نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''ہم لوگ تو اپنی بد اعتقادی کی وجہ سے پھنس گئے تھے۔ تمہیں کیا ہوا تھا۔''

''آہا! دوست میں جانتا تھا کہ تم یہ سوال ضرور کرو گے۔ میں دراصل اس آدمی کو کسی گروہ کا سرغنہ سمجھا تھا۔ وہ بڑا شاندار آدمی تھا۔ میں نے سوچا اس کے گروہ میں شامل ہوجانے کی بعد فائدے ہی میں رہوں گا....مگر....!''

وہ تینوں اسطرح ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے جیسے انہیں اس کے بیان میں شبہ ہو۔

دفعتاً جنرل ففتھ کی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی چمک لہرائی اور وہ ایک طویل قہقہے کے بعد بولا۔ ''میں سمجھتا ہوں تم لوگوں کا خیال ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ دوستو! اگر میں جھوٹا ہوں تو نہ تو میں جنرل فرسٹ کا قاتل ہوسکتا ہوں اور نہ جنرل فرسٹ کا بھوت۔ کیونکہ ان دونوں ہی مواقع پر میں تم لوگوں کے ساتھ رہا ہوں۔''

''شبہ....کمال کرتے ہو۔'' جنرل سیکنڈ جلدی سے بولا۔ ''نہیں شبہ کیوں ہونے لگا۔ خیر اب اسے ختم کرو۔ ہم سب دلدل میں پھنس گئے ہیں۔ نہ نکلتے ہیں اور نہ غرق ہوتے ہیں۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔''

''اسے بھی فی الحال چھوڑو۔'' جنرل فورتھ بول اٹھا۔ ''پہلے ہمیں اس بھوت کے مقصد سے واقف ہونا چاہیے۔ کیا وہ سچ مچ بھوت تھا۔''

''بھوت....!'' جنرل ففتھ نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ ''میرے نزدیک بھوتوں کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ اس واقعے کو بھی اگر عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کرو تو حقیقت

ظاہر ہو جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ نامعلوم آدمی اب ہمیں کیفے جبران میں نہیں چاہتا۔ یہ بات تو اخبارات میں بھی آچکی ہے کہ تیرھویں میز پر پانچ آدمی بیٹھا کرتے تھے قتل سے کچھ دیر قبل جنٹل فرسٹ نے انتہائی غصیلے موڈ میں کیفے جبران کے منیجر سے کہا تھا آئندہ ہم چاروں کو تیرھویں میز پر نہ بیٹھنے دے۔ ظاہر ہے کہ پولیس کو اسی بناء پر ہم چاروں کی تلاش ہوگی اور وہ نامعلوم آدمی فی الحال یہ نہیں چاہتا کہ ہم پولیس کے ہتھے چڑھیں۔ فرسٹ کو بھی اس نے شائد اسی لئے قتل کر دیا کہ کہیں وہ پولیس تک نہ جا پہنچے۔“

”یعنی اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ نامعلوم آدمی ہمیں ہر حال میں پہچان سکتا ہے۔“ جنٹل فورتھ بولا۔ ”ورنہ وہ بھوت کی بہروپ میں ہمارے سامنے کیوں آیا۔ ہم نے شکلوں میں کافی حد تک تبدیلیاں کرلی تھیں۔ اتنی تبدیلیاں کہ اگر سیاہ ٹائی کو اپنی پہچان قرار دیتے تو شاید ایک دوسرے کو پہچاننا بھی مشکل ہو جاتا۔“

”ٹھیک ہے۔“ جنٹل ففتھ نے کہا۔ ”میرا بھی یہی خیال ہے کہ وہ ہمیں ہر حال میں پہچان سکتا ہے۔“

”پھر تو ہمیں ہر وقت موت کے لئے تیار رہنا چاہئے۔“ جنٹل سیکنڈ بولا۔

”میں اتنا ڈرپوک نہیں ہوں۔“ جنٹل ففتھ نے کہا۔ ”اتنی بدحواسی بھی ٹھیک نہیں ہے چاروں بھیڑوں کو ایک بھیڑیا کھا جائے۔ میرے ذہن میں ایک دوسری تجویز بھی ہے کیوں نہ ہم بھی اسے مکاری سے ماریں۔ ہم فی الحال یہ کیوں ظاہر کریں کہ ہم اُس سے برگشتہ ہو گئے ہیں۔

کیپٹن حمید بہت اداس تھا۔ کیونکہ ریکھا نے اس کی اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا تھا کہ دونوں مل کر کام کریں۔ ظاہر ہے کہ حمید لڑکیوں کے معاملے میں کافی بدنام تھا اور وہ محکمے میں ابھی بالکل نئی نئی آئی تھی۔ اس لئے نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو اس پر انگلی اٹھانے کا موقعہ ملے۔

حمید بڑی دیر سے اس بات پر غور کر رہا تھا کہ آج وہ اسے کس طرح نیاگرا ہوٹل میں لے جائے۔ جہاں آج رقص کا پروگرام تھا۔ آخر اسے ایک تدبیر سوجھ ہی گئی۔ وہ جانتا تھا کہ ریکھا آجکل اپنا زیادہ تر وقت کنکس لین زوردا اسکوائر کے آس پاس گذارتی ہے۔ زوردا اسکوائر وہی عمارت تھی جہاں کچھ دن قبل ایک لاش پائی گئی تھی اور وہ لاش زوردا اسکوائر کے مالک مسٹر صمد کی تھی۔

صمد کے متعلق حمید نے بہت سی معلومات فراہم کرلی تھیں۔ محض اس لئے کہ ریکھا کی مدد کرنے کے بہانے اس کا قرب حاصل کر سکے۔ مگر حقیقت تو یہ تھی کہ وہ ساری معلومات قطعی بیکار تھیں۔ ویسے ریکھا جیسی نو آموز کے لئے تو یہ بات بہت زیادہ اہمیت رکھتی تھی کہ صمد بائیں ہاتھ سے لکھنے کا عادی تھا اور اس کے بائیں ہاتھ ہی کی انگلیوں پر رنگین چاک کے دھبے ملے تھے۔ اسی بنیاد پر اس نے اس قتل کے متعلق بہت کچھ سوچا تھا لیکن ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکی تھی۔ حمید جانتا تھا کہ وہ کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچنے ہی کے لئے زوردا اسکوائر کے گرد منڈلایا کرتی ہے۔ لہٰذا وہ سرِ شام ہی کنکس لین کی طرف نکل گیا۔ وہ اپنی موٹر سائیکل پر تھا۔

گھر سے تو وہ اچھے خاصے حلیے میں چلا تھا، لیکن ایک جگہ موٹر سائیکل روک کر وہ ایک پبلک پیشاب خانے میں گیا اور جب وہاں سے واپس آیا تو حلیہ ہی کچھ اور تھا۔ اس کی ناک کا نچلا حصہ اوپر کی طرف اٹھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی اوپری ہونٹ بھی اس طرح اوپر اٹھ گیا تھا کہ آگے کے دو دانت دکھائی دینے لگے تھے۔ یہ فریدی کا ایجاد کردہ ایک ریڈی میڈ میک اپ تھا۔ ناک کے دونوں نتھنوں میں دو چھوٹے چھوٹے اسپرنگ اس طرح پھنسائے جاتے تھے کہ ناک کا نچلا حصہ اوپر اٹھ جاتا تھا۔ یہ میک اپ ایک بار کامیاب بھی ہو چکا تھا۔ اس لئے حمید نے اسی پر اکتفا کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ریکھا اسے نہ پہچان سکے گی اور وہ جب بھی چاہے گا محض دو انگلیوں کی ہلکی سی جنبش سے اپنی اصلی شکل میں آجائے گا۔

کنکس لین میں مڑتے ہی اس کی نظر ریکھا پر پڑی جو ٹھیک زوردا اسکوائر کے سامنے والے بک اسٹال کے شوکیس پر جھکی ہوئی تھی۔

حمید نے زوردا اسکوائر کے نیچے والے فٹ پاتھ کے قریب موٹر سائیکل روک دی۔ اُس نے ریکھا کو اپنی طرف مڑتا دیکھا لیکن اس کی طرف دھیان دیئے بغیر بڑی تیزی سے زینوں

تک گیا، وہاں دو زانو بیٹھ کر اس طرح آگے کی طرف جھکا جیسے کوئی چیز اٹھا رہا ہو۔ راہداری کے زینے سڑک سے بھی دکھائی دیتے تھے اور ریکھا تو اب بک اسٹال سے کچھ آگے بڑھ کر اس کی اس حرکت کو غور سے دیکھنے لگی تھی۔

حمید پھر وہاں سے اٹھ کر بھاگتا ہوا موٹر سائیکل تک آیا اور اسے اتنی جلدی میں اسٹارٹ کیا کہ خود اسے بھی شبہ ہونے لگا جیسے وہ سچ مچ کوئی جرم ہی کر کے بھاگ رہا ہو۔

ریکھا بڑی تیزی سے سڑک پار کر رہی تھی، کیونکہ دوسری طرف کے فٹ پاتھ سے لگی ہوئی کئی ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ اُس نے بہت عجلت میں ڈرائیور کو آگے جانے والی موٹر سائیکل تعاقب کرنے کے سلسلے میں ہدایات دیں اور دوسرے ہی لمحے میں اس کی ٹیکسی حمید کی موٹر سائیکل کا تعاقب کرنے لگی۔

نیاگرا ہوٹل شہری آبادی سے بہت دور ایک پُر فضا مقام پر واقع تھا اور یہاں کے اخراجات اتنے زیادہ تھے کہ متوسط طبقے کے لوگ تو ادھر کا رخ بھی نہیں کرتے تھے۔

نو میل کی مسافت طے کرنے کے بعد حمید نیاگرہ کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوا، اور موٹر سائیکل کو سیدھا گیراج کی طرف لیتا چلا گیا۔ یہاں کا قانون تھا کہ صرف وہی ٹیکسیاں کمپاؤنڈ میں داخل ہو سکتی تھیں جنہیں گاہکوں کے انتظار میں رکنا ہو۔ دوسری صورت میں وہ پھاٹک ہی پر ٹھہرتی تھیں اور گیٹ سارجنٹ کا اسٹاف باہر سے آئے ہوئے مسافروں کا سامان ہوٹل کی عمارت تک پہنچا دیا کرتا تھا۔

ریکھا کی ٹیکسی بھی پھاٹک ہی پر رک گئی۔ وہ شاید زندگی میں پہلی بار اس طرف آئی تھی۔ ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے وہ اندر چلی گئی، لیکن جس کا تعاقب کرتی ہوئی یہاں تک آئی تھی غائب تھا۔

"اوہو.... آپ....!" حمید نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

اب ریکھا اتنی گاؤدی بھی نہیں تھی کہ اسے اپنی غلطی کا احساس جلد ہی نہ ہو جاتا۔ حمید حلیہ ضرور بدل گیا تھا مگر لباس اور قد و قامت تو کسی طرح بھی نہیں بدلے جا سکتے تھے۔

"میں سمجھ گئی۔" ریکھا نے جھینپی ہوئی سی ہنسی کے ساتھ کہا اور حمید سوچنے لگا کہ عورت ہ

عورت ہوتی ہے، خواہ وہ محکمہ سراغ رسانی کی انسپکٹریس ہو خواہ کسی مملکت کی صدر۔

"آج یہاں بڑا شاندار پروگرام ہے۔" حمید ڈھٹائی سے بولا۔

"ہوگا.... میں واپس جا رہی ہوں۔" ریکھا نے خشک لہجے میں کہا۔

"واہ.... بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ میرا خیال ہے کہ ابھی آپ اندر بھی نہیں گئیں۔"

"مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ آپ کو ایسا نہ کرنا چاہئے تھا۔"

"آہا.... میں کبھی غلط کام نہیں کرتا۔" حمید نے فخریہ انداز میں کہا۔ "آپ زندگی بھر کنگس لین میں بھٹکتی رہیں تب بھی کامیابی ممکن نہ ہوتی۔ میں نے ذرا ہی سی دیر میں کم از کم یہ تو معلوم کرلیا کہ کنگس لین میں آپ کی بھی نگرانی ہو رہی ہے۔"

"کیا مطلب....؟ کون کر رہا ہے؟"

"ایک اینگلو انڈین لڑکی۔" حمید نے کہا۔ "وہ دیکھئے.... وہ ہال میں داخل ہو رہی ہے۔"

ریکھا مڑ کر دیکھنے لگی۔ اس نے زرد رنگ کے اسکرٹ کی ایک ہلکی سی جھلک دیکھی جو ہال کے بڑے دروازے میں غائب ہو گئی تھی۔ حمید نے یہ بات غلط نہیں کہی تھی۔ ریکھا حقیقتاً اس سے ناواقف تھی کہ کنگس لین سے اس کی روانگی کے بعد ایک دوسری ٹیکسی بھی اس کے پیچھے روانہ ہوئی تھی، لیکن یہ بھی درست تھا کہ حمید اس کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا ممکن ہے وہ محض اتفاق ہی رہا ہو۔

"کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں۔" ریکھا نے پوچھا۔

"میں نے آج تک کرنل فریدی سے کم رتبے کے آدمی سے جھوٹ ہی نہیں بولا۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا اور ہوٹل کی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ ریکھا اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ پھر دونوں ساتھ ہی ڈائننگ ہال میں داخل ہوئے۔

زرد اسکرٹ میں صرف ایک اینگلو انڈین لڑکی وہاں نظر آ رہی تھی اور وہ بہت خوبصورت تھی، ریکھا سے بھی زیادہ۔ لہٰذا حمید نے سوچا کہ عاقبت سنوارنے کیلئے یہی بہتر ہوگا کہ وہ فی الحال ریکھا کا خیال چھوڑ کر اسی اینگلو انڈین لڑکی سے اپنی توقعات وابستہ کرلے۔ اسے یہ بھی دیکھنا تھا کہ وہ حقیقتاً ریکھا کا تعاقب کر رہی تھی، یا وہ محض اتفاق تھا۔

''بیٹھیے۔'' حمید نے ایک خالی میز کی طرف اشارہ کیا۔ زرد اسکرٹ والی لڑکی یہاں سے زیادہ دور نہیں تھی اور اپنے میز پر تنہا ہونے کی وجہ سے چاروں طرف ایسے انداز میں دیکھ رہی تھی جیسے اسے کسی ساتھی کی ضرورت ہو۔

''میں ہرگز یقین نہیں کرسکتی حمید صاحب! آپ مجھے خواہ مخواہ پریشان کر رہے ہیں۔''

''آپ یقین کر کے کریں گی بھی کیا۔ آپ جو کچھ بھی کریں گی اس کا ثواب براہ راست آصف کو پہنچے گا۔'' حمید نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

اینگلو انڈین لڑکی انہیں بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

''اچھا اب مجھے اجازت دیجیے۔ لیکن ایک بار پھر کہوں گا کہ میں نے یہ حرکت صرف اس لئے کی تھی کہ آپ کی نگرانی کرنے والوں کے متعلق کچھ معلوم کرسکوں۔''

حمید نے کہا اور اٹھ کر باتھ روم کی طرف چلا گیا۔ واپسی پر اس کی ناک پھر اٹھی ہوئی تھی۔ ہونٹ کھل گئے تھے اور دانت باہر جھانکنے لگے تھے۔ اب وہ لڑکی کی پشت والی میز پر بیٹھ گیا تھا۔ ریکھا وہیں بیٹھی رہی جہاں پہلے تھی۔ لیکن اب وہ بھی یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ حمید کے بیان میں کتنی صداقت ہے۔ وہ وہاں سے اٹھ کر کاؤنٹر کے پاس پہنچی۔ اس سے آج کا پروگرام طلب کیا اور اس کی قیمت دے کر کاپی کو رول کرتی ہوئی ریکریئیشن ہال کی طرف بڑھ گئی۔ جیسے ہی وہ اس کے دروازے میں داخل ہوئی زرد اسکرٹ والی اینگلو انڈین لڑکی بھی اٹھ کر اسی طرف روانہ ہوگئی۔

پھر قتل

ریکریئیشن ہال میں کچھ لوگ اسکیٹنگ کر رہے تھے۔ رقص کا پروگرام شروع ہونے میں ابھی دو گھنٹے باقی تھے، ریکھا نے گیلری کی ایک میز سنبھال لی۔ دونوں کناروں کی گیلریاں ابھی قریب قریب خالی ہی تھیں۔ کہیں کہیں اکا دکا آدمی نظر آ رہے تھے۔

زرد اسکرٹ والی اینگلو انڈین لڑکی اُسی گیلری کے نیچے سے گزرتی ہوئی آگے بڑھ گئی جس میں ریکھا بیٹھی ہوئی تھی۔ ریکھا اسے کنکھیوں سے دیکھتی رہی۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ لڑکی اسکیٹس پہنے ہوئے چوبی فرش پر تیرتی ہوئی نظر آنے لگی۔ وہ یقیناً اس میں کافی مشاق معلوم ہوتی تھی۔ اکثر وہ تیزی سے دوڑتی ہوئی داہنے پیر کے پنجے پر کھڑی ہو کر لٹو کی طرح ناچ جاتی۔

ریکھا نے حمید کو بھی اس کمرے کی طرف جاتے دیکھا جس میں اسکیٹس کا اسٹاک رہتا تھا، اور پھر دس منٹ بعد ہی وہ پیروں میں اسکیٹس لگائے ہوئے برآمد ہوا۔ لڑکی بہت تیزی سے اوپر سے نیچے آ رہی تھی۔ اچانک ایسا معلوم ہوا جیسے وہ حمید سے ٹکرا جائے گی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی لیکن حمید بڑی صفائی سے کترا کر فراز کی طرف تیرتا چلا گیا۔ لڑکی بھی بڑی ڈھیٹ معلوم ہو رہی تھی۔ وہ نشیب میں پہنچ کر پھر فراز کی طرف مڑی اور حمید نے یک لخت اپنا راستہ بدل دیا۔ اس بار لڑکی گڑبڑا گئی۔ اس کے پیر بہک گئے اور توازن برقرار نہ رکھ سکنے کی بناء پر وہ سامنے والی دیوار سے جا ٹکرائی۔ اگر وہ دیوار سے ہاتھ نہ لگا دیتی تو سر کے کئی ٹکڑے ہو گئے ہوتے۔

وہ گالیوں کی بوچھاڑ کرتی ہوئی پلٹ پڑی۔ حمید بھی حلق پھاڑ پھاڑ کر اسے سلواتیں سنانے لگا اور ریکھا اس کی اس صلاحیت پر دنگ رہ گئی۔

اسکیٹنگ کرنے والے ان کے گرد اکٹھا ہونے لگے۔

''اے.... اے مسٹر۔'' مجمع سے کسی نے کہا۔ ''آپ ایک خاتون سے گفتگو کر رہے ہیں۔''

''جی ہاں میں اندھا نہیں ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ خاتون ہیں۔''

''آپ کا لہجہ خراب نہ ہونا چاہیے۔'' اس کے سامنے کھڑے ہوئے ایک آدمی نے کہا۔

لڑکی اب وہاں نہیں تھی۔ اس نے اندازہ کرلیا تھا کہ وہاں ٹھہرنے میں اُسی کی سبکی ہوگی۔ اس لئے اس نے کھسک جانے ہی میں عافیت سمجھی۔ وہ سیدھی اس کمرے میں چلی گئی تھی جہاں اسکیٹ رکھے تھے۔

ادھر لوگ حمید کی جان کو آ گئے تھے۔ اس نے نہ جانے کس طرح ان سے پیچھا چھڑایا۔ لڑکی اسکیٹ اتار کر ڈائننگ ہال کی طرف جا رہی تھی۔ حمید نے بھی اپنے اسکیٹ اتارے

اور اپنا کوٹ بھی اتار کر ریکھا کی میز پر ڈالتا ہوا بولا۔ ''یہ سب کچھ آپ کے لئے کر رہا ہوں۔ میرا کوٹ گھر پہنچا دیجئے گا۔ حالانکہ سردی بہت ہے مگر خیر میں صرف سویٹر ہی میں بسر کرلوں گا۔''

ریکھا منہ کھولے بیٹھی ہی رہ گئی اور حمید ریکریئیشن ہال سے چلا گیا۔ اس نے اُسے وقت بھی بدلی ہوئی شکل میں دیکھا تھا جب وہ اسکیٹنگ کر رہا تھا، لیکن وہ اس طرح اپنا اتار کر کیوں پھینک گیا تھا۔ ریکھا نے اسے احتیاط سے تہہ کر کے کرسی پر رکھ دیا۔

زرد اسکرٹ والی لڑکی ڈائننگ ہال میں بھی نہیں رکی۔ اُس کے متعلق حمید کا اندازہ نہیں تھا۔ سڑک کی دوسری طرف کھڑی ہوئی ٹیکسی پھاٹک سے صاف نظر آ رہی تھی اور یہ لڑکی ہی کی ٹیکسی تھی، حمید کو یقین تھا۔ آخر اس نے اسے اس میں بیٹھتے دیکھا۔ گیراج زیادہ نہیں تھا، وہ جھپٹتا ہوا چلا اور موٹر سائیکل نکال کر سڑک پر آ گیا۔ مطلع غبار آلود نہ ہونے کی پر اسے کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔ تاروں کی چھاؤں میں اُس نے لڑکی کو ٹیکسی میں بیٹھتے دیکھا تھا۔ اگر آسمان پر بادل ہوتے تو شاید اسے ناکامی ہی کا منہ دیکھنا پڑتا۔ کیونکہ وہ لڑکی بڑی پھرتیلی تھی۔

ٹیکسی کی عقبی سرخ روشنی بہت دور نظر آ رہی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ آج وہ کچھ نہ کچھ کر کے ہی رہے گا۔ اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ لڑکی کنگس لین میں ریکھا کی نگرانی کر رہی تھی۔ اگر نگرانی کر رہی تھی تو وہ یقیناً مجرموں سے کچھ نہ کچھ تعلق رکھتی ہوگی۔

چونکہ ٹیکسی اور موٹر سائیکل دونوں ہی خاصی تیز رفتار تھیں۔ لہٰذا شہر تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ مگر شہر میں پہنچ کر حمید بوکھلا گیا۔

اس نے نیاگرہ کے سامنے اندھیرے میں ٹیکسی کا صرف ڈھانچہ ہی دیکھا تھا، رنگ کا

اندازہ اندھیرے میں کیا ہوتا۔ شہر اور نیاگرہ کی درمیانی سڑک پر روشنی کا انتظام نہیں تھا ورنہ وہ راستے میں کم از کم اُس کی رنگت سے تو واقف ہو ہی جاتا۔

بہر حال شہر میں داخل ہوتے ہی لڑکی والی ٹیکسی ٹریفک کے ہجوم میں کھوگئی اور حمید ہاتھ ملتا رہ گیا۔ یہاں دائیں بائیں آگے پیچھے ٹیکسیاں ہی ٹیکسیاں تھیں۔

جسم پر کوٹ نہ ہونے کی وجہ سے ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑوں نے اس کا دماغ درست کر دیا تھا۔ اس ناکامی نے اسے بالکل ہی کھوپڑی کے باہر کر دیا اور اس کا دل چاہنے لگا کہ موٹر سائیکل کو کاندھے پر اٹھا کر بے تحاشہ پانچ سو میل فی گھنٹے کی رفتار سے پاگل خانے کی طرف دوڑنا شروع کر دے۔

اُس نے ایک جگہ رک کر رومال سے اپنی آنکھیں خشک کیں جن سے ٹھنڈی ہوا کی وجہ سے راستے بھر پانی بہتا آیا تھا۔

حمید نے فریدی سے اس واقعے کا تذکرہ نہیں کیا۔ کرتا بھی کیا۔ فریدی سے اس ناعاقبت اندیشی کی جو داد ملتی اس کا اندازہ اسے اچھی طرح تھا۔ حمید کو دل ہی دل میں اپنی اس غلطی کا اعتراف تھا۔ اسے اس لڑکی کے سامنے ہرگز نہ آنا چاہئے تھا۔ ظاہر ہے کہ اس نے اسے کنگسن لین ہی میں ریکھا کا تعاقب کرتے دیکھا ہوگا۔

مگر وہ اسے کیا کرتا کہ اس کا نام حمید تھا اور وہ ایک لڑکی تھی۔ جہاں یہ دونوں اقسام موجود ہوں وہاں جو کچھ بھی ہو جائے کم ہے۔ رہ گیا سر پیٹنا تو وہ بعد کی بات ہے اور حمید کی تقدیر بھی۔

اس کے گھر پہنچنے سے پہلے ہی اس کا کوٹ پہنچ گیا تھا۔ ریکھا خود نہیں آئی تھی اپنے نوکر سے بھجوا دیا تھا اور نوکر کو بھی تاکید کر دی تھی کہ وہ کسی نوکر ہی کے ہاتھ میں دے لیکن یہ نہ بتائے

کہ وہ اسے کہاں سے لایا تھا۔

ریکھا حمید کے معاملے میں کچھ ایسی ہی محتاط ہوگئی تھی۔

حمید جب گھر پہنچا تو فریدی ڈرائینگ روم ہی میں بیٹھا ہوا کچھ پڑھ رہا تھا۔ لیکن یہ کوئی کتاب نہیں تھی بلکہ سفید کاغذ کے کچھ اوراق تھے جن پر پنسل کی تحریر تھی۔

اس نے حمید کو بتایا کہ وہ یلو پینتھر کی ہسٹری دیکھ رہا تھا۔

''اور دوسری دلچسپ بات حمید صاحب۔'' اس نے کہا ''یہ ہے کہ لنکس لین والا مقتول صمد ہی یلو پینتھر کا مالک تھا۔''

''یلو پینتھر کیا بلا ہے؟''

''اوہو.... وہی گھوڑا جس پر ڈیکارلس نے پچاس ہزار جیتے تھے۔''

''اچھا....!'' حمید نے حیرت سے کہا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ''مگر میں نہیں سمجھا.... آپ آخر یلو پینتھر کی ہسٹری کیوں لے بیٹھے۔ کیا وہ دونوں اس لئے مار ڈالے گئے کہ دونوں ہی نے یلو پینتھر کی وجہ سے مالی فائدہ اٹھایا تھا....؟''

''نہیں یہاں کئی باتیں ہیں۔ یلو پینتھر پر رقم جیتنے کے تین دن بعد ڈیکارلس نے یا جو کچھ بھی اس کا نام ہو، کیفے جبران کی تیرھویں میز ریزرو کرائی تھی اور گھوڑے کا نمبر بھی تیرہ تھا۔ شیش محل کے پانچویں فلیٹ میں جو میز ملی تھی اس پر بھی تیرہ ہی کا ہندسہ پڑا ہوا تھا۔''

''مگر اس کے لئے تو آپ کہہ چکے ہیں کہ جواری لوگ طاق اعداد.....!''

''ہاں ٹھیک ہے۔'' فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ''مگر یہ تو سوچو کہ کیفے جبران ہی کیوں؟ میز مستقل طور پر مخصوص کرائی گئی تھی، اور وہ اس کے لئے پانچ سو روپے ماہوار ادا کرتا تھا۔ کیفے جبران کوئی بہت اچھی جگہ نہیں ہے۔ پھر ایک میز کا ریزرویشن پانچ سو روپے ماہوار.... خدا کی پناہ۔ یہاں بہت بڑے بڑے ہوٹل ہیں لیکن اُن کے رہائشی کمرے بھی اتنے گراں نہ ہوں گے۔ کیفے کے منیجر کا کہنا ہے کہ مقتول نے پانچ سو کا آفر خود سے دیا تھا۔ ورنہ اس طرح دائمی طور پر میزیں کہیں بھی مخصوص نہیں کی جاتیں۔ میرا خیال ہے کہ کبھی راجوں مہاراجوں نے بھی اس قسم کی حماقت نہ کی ہوگی۔''

''چلئے اسے بھی تسلیم کئے لیتا ہوں، لیکن اس معاملے میں یلو پینتھر کو کیوں گھسیٹ رہے ہیں؟''

''اس لئے کہ اگلی ریس میں یلو پینتھر دوڑنے والا تھا لیکن اب نہ دوڑے گا۔ دیکھو! ابھی تو میں واقعات کی کڑیاں ملا رہا ہوں۔ کسی خاص نتیجے پر ابھی تک نہیں پہنچ سکا۔''

''یلو پینتھر کیوں نہ دوڑے گا؟''

''اس کا مالک ہی مر گیا۔''

''کوئی نہ کوئی وارث تو ہوگا ہی۔ یلو پینتھر تو سونے کی چڑیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ کبھی نہیں ہارا۔''

''صمد کا وارث اس کا لڑکا ہے۔ لیکن وہ سختی سے مذہب کا پابند ہے۔ لٰہذا اب یلو پینتھر ریس میں نہیں دوڑ سکے گا۔''

''تو آپ کا خیال ہے کہ صمد یلو پینتھر ہی کی وجہ سے مارا گیا۔''

''ہاں.... میں یہی سوچ رہا ہوں۔ ابھی تک یہاں جتنے بھی ایسے قتل ہوئے ہیں جن میں سرخ دائرے کو بھی دخل رہا ہو، وہ سب ریس ہی سے کسی نہ کسی طرح تعلق رکھنے والے لوگ تھے، کیا تمہیں اُن دونوں جاکیوں کے قتل یاد نہیں، وہ دونوں ہی ماہر ترین شہسوار تھے۔''

''تو پھر یہ کسی گھوڑے ہی کا چکر ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''کسی کا کوئی نیا گھوڑا تیار ہو رہا ہوگا، یا ہو سکتا ہے، پرانا ہی ہو مگر پھسڈی.... میرا خیال ہے اسی ریس میں اول یا دوم آنے والا گھوڑا، ظاہر ہے کہ اب یلو پینتھر تو دوڑے گا نہیں، کیوں نہ ہم یہ دیکھیں کہ یلو پینتھر کے بعد کس کی کامیابی متوقع ہے۔''

''اگر تمہارا نظریہ صحیح بھی ہو تو کم از کم اس ریس میں اسکے دوڑنے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔''

''کیوں....؟''

''عقل استعمال کرو۔ اس گھوڑے کا مالک دیدہ و دانستہ اپنی گردن کبھی نہ پھنسائے گا۔ صاف ظاہر ہے کہ قتل اسی مقصد کے تحت ہوا ہے کہ یلو پینتھر نہ دوڑ سکے۔ لٰہذا یلو پینتھر کے بعد والے گھوڑے کے مالک پر قتل کا شبہ ضرور کیا جاسکتا ہے۔''

''نہیں آپ یقینی طور پر ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ قتل یلو پینتھر کی وجہ سے ہوا ہے۔''

''میں کہہ سکتا ہوں۔'' فریدی بڑی خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔ ''بلکہ بہت جلد ثابت کر
کردوں گا۔ ویسے اپنی معلومات کیلئے سن لو کہ وہ دونوں مقتول جاکی صمد کے تنخواہ دار تھے، ا
کے پاس یلو پینتھر ہی نہیں چھ گھوڑے اور بھی تھے، وہ انہی دونوں جاکیوں کے زیر تربیت تھے۔

''مگر اس دن تو آپ کہہ رہے تھے کہ اس کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔''

''میں نے یہ کبھی نہ کہا ہوگا۔ تمہارے سننے میں فرق آیا ہے، میں نے کہا تھا کہ اس کے دو گھوڑے ریس میں حصہ لیتے ہیں، غیر تربیت یافتہ یا زیر تربیت گھوڑوں کی بات ہی نہیں۔''

وہ ابھی کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ ایک نوکر نے آ کر کسی کی فون کال کی اطلاع دی۔

''دیکھو یار کون ہے۔'' فریدی جھنجھلائے ہوئے لہجے میں حمید سے بولا۔

''ہوسکتا ہے ڈی۔ آئی۔ جی صاحب ہوں۔''

''کیوں! وہ کیوں؟ کوئی خاص بات۔''

''نہیں وہی پرانی بات، کہ تم بھی غافل نہ رہو۔''

''واہ....!''

''چلو دیکھو....!'' فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔

حمید ڈرائینگ روم سے اٹھ کر فریدی کی خوابگاہ میں آیا۔ فون کا ریسیور میز پر پڑا ہوا تھا۔

''ہیلو....!'' اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

''کون صاحب ہیں؟'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ مگر یہ آواز کسی عورت کی تھی۔

''حمید! کیپٹن حمید۔''

''اوہ.... میں ریکھا بول رہی ہوں۔ دیکھئے جلد آیئے۔ وہ زرد اسکرٹ والی قتل کردی گئی اور وہی سرخ دائرہ اس کی لاش کے قریب موجود ہے۔''

''آپ کہاں ہیں؟''

''میں تنہا نہیں ہوں.... پوری پارٹی ہے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''وہیں کنگس لین میں۔ اس کی لاش رورد اسکوائر کے سامنے والی بلڈنگ کے ساتویں فلیٹ میں پائی گئی ہے؟ آس پاس والوں کا بیان ہے کہ وہ اسی فلیٹ میں رہتی تھی۔''

''لاش کیسے ملی؟''

''اسے گولی ماری گئی ہے۔ پڑوسیوں نے فائر کی آواز اور اس کی چیخ سنی تھی۔ آپ آسکتے ہوں تو آجایئے۔ یقیناً کوئی نہ کوئی کلیو ہاتھ آجائے گا۔''

''آصف موجود ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

''جی ہاں....اور وہ حضرت خواہ مخواہ دوسروں پر بور ہو رہے ہیں۔''

''اچھا.... میں آرہا ہوں۔'' حمید نے کہا اور ریسیور رکھ کر تقریباً دوڑتا ہوا ڈرائینگ روم میں آیا۔ پھر اسے فریدی کو وہ بات بتانی ہی پڑی، جس کا تذکرہ اس نے ابھی تک نہیں کیا تھا اور نہ کرنا ہی چاہتا تھا۔

''بڑے احمق ہو....!'' فریدی اسے خونخوار آنکھوں سے دیکھتا ہوا غرایا۔ ''اگر تم نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ وہ ریکھا کا تعاقب کررہی ہے تو تمہیں ان دونوں ہی سے کترانا چاہئے تھا۔''

''اب میں کیا بتاؤں کہ کیا ہوگیا۔ وہ بڑی خوبصورت لڑکی تھی، میں اس کی لاش کیسے دیکھ سکوں گا۔ آپ اگر جانا چاہتے ہوں تو جایئے۔''

''میں یوں بھی تمہیں ساتھ نہ لے جاتا۔'' فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''تو کیا آپ وہیں جائیں گے؟ میرا خیال ہے کہ آصف....!''

''اونہہ آصف....!'' فریدی بڑبڑاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

کنگس لین پہنچ کر وہ پہلے مقتولہ کے فلیٹ میں نہیں گیا، بلکہ آس پاس والوں سے اس کے متعلق پوچھ گچھ کرتا رہا۔ لڑکی کا نام سیسل پیکرافٹ تھا۔ وہ وہاں تنہا رہتی تھی۔ اس سے وہاں کبھی کوئی ملنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ پیشہ نامعلوم.... مدت قیام ایک سال تھی۔ پڑوسیوں میں نیک نام مگر پراسرار تھی۔ اسی قسم کی اور بھی بہتیری معلومات فراہم کرنے کے بعد فریدی نے اس کے فلیٹ کا رخ کیا۔

یہاں آصف کی پارٹی ریکھا سمیت موجود تھی اور فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ کے فوٹو گرافر مختلف مواقع کی تصویریں لے رہے تھے۔ لاش ایک طرف فرش پر پڑی تھی اور اس پر پولیس ہسپتال کا ایک ڈاکٹر جھکا ہوا تھا۔

لاش پر نظر پڑتے ہی فریدی جہاں تھا وہیں رک گیا۔ کیونکہ مقتولہ کی صورت کچھ جا(نی) پہچانی سی معلوم ہو رہی تھی۔ پھر اچانک اسے یاد آ گیا کہ اُس نے اسے ڈیکارٹس کے قتل وا(لی) رات کو کیفے جبران میں دیکھا تھا، وہ منیجر کے ساتھ تھی۔

آصف نے فریدی کو حیرت سے دیکھا وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فریدی وہاں ا(س) طرح پہنچ جائے گا۔ شاید اسے علم ہی نہ رہا ہو کہ قریب ہی ایک دوا خانے سے ریکھا حمید کو فو(ن) کر چکی ہے۔

"میں اس لڑکی کو پہلے سے جانتا تھا۔ تم کچھ اور نہ سمجھنا۔" فریدی نے کہا اور لاش (کی) طرف دیکھنے لگا۔ گولی سر کی پشت میں لگی تھی۔ لاش جس پوزیشن میں پڑی تھی اس سے تو (یہ) معلوم ہوتا تھا کہ وہ حملہ آور کو دیکھ ہی نہ سکی ہوگی۔ لاش اوندھی پڑی تھی۔ فریدی نے لیفٹیننٹ سنگھ کو اشارے سے اپنے قریب بلایا۔

"لاش اسی حالت میں ملی یا پوزیشن تبدیل کی گئی ہے؟" اس نے اُس سے پوچھا۔

"نہیں ابھی اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا گیا۔" لیفٹیننٹ سنگھ نے کہا۔ "آصف کا طریق کا(ر) جدید ترین ہے۔ لیکن خدارا یہ نہ پوچھئے گا کہ اس سلسلے میں اس کا کیا خیال ہے۔"

"نہیں.... میں نہیں پوچھوں گا۔" فریدی نے اس دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جس کے سامنے لاش پڑی ہوئی تھی۔ یہ دوسرے کمرے کا دروازہ تھا۔

فریدی اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ آصف نے ٹوک دیا۔

"کس کی اجازت سے۔"

"کام کے وقت ٹوکا نہ کرو۔" فریدی نے کہا اور کمرے میں داخل ہو گیا۔

دوسری طرف اور کوئی دروازہ نہیں تھا۔ اس فلیٹ میں یہی دو کمرے تھے۔

ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا سوچا جا سکتا تھا کہ قاتل اس کی آمد سے پہلے ہ(ی) کسی طرح فلیٹ میں داخل ہو گیا ہوگا۔ یا ہو سکتا ہے کہ اس کی دانست میں بھی پہلے سے موجو(د) رہا ہو۔ مگر گولی کا نشانہ سر کی پشت پر تھا۔ اس لئے زیادہ قرین قیاس یہی بات تھی کہ حملہ مقتولہ کی لاعلمی ہی میں کیا گیا ہوگا۔

فریدی الٹے پاؤں لوٹ آیا۔

"دوسروں کا احترام کرنا سیکھو۔" آصف غصیلی آواز میں بولا۔

اُس کا عاشق

فریدی نے بڑی خوش اخلاقی کے ساتھ جواب دیا۔ "میں جن کا احترام نہیں کرتا، ان میں چلنے پھرنے کی بھی سکت نہیں رہ جاتی۔"

اور پھر اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر مقتولہ کے فلیٹ سے نکل آیا۔ ایک بار پھر اسے مقتولہ کے پڑوسیوں سے پوچھ گچھ کرنی پڑی اور اس نے اس گفتگو سے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ کوئی اس کی عدم موجودگی ہی میں فلیٹ میں داخل ہوا ہوگا۔ ایک ایسا عینی شاہد بھی مل گیا تھا جس نے مقتولہ کو فلیٹ کا قفل کھولتے دیکھا تھا۔ وہ دونوں ساتھ ہی عمارت میں داخل ہوئے تھے۔ اس کا فلیٹ بھی اسی لائن میں تھا اور دونوں فلیٹوں کے درمیان صرف دو فلیٹ حائل تھے۔ وہ اسے قفل کھولتا چھوڑ کر اپنے فلیٹ میں چلا گیا تھا۔ پھر اسے اپنے فلیٹ میں داخل ہوئے بمشکل تمام دو یا تین منٹ ہی گذرے ہوں گے کہ اس نے فائر اور چیخ کی آواز سنی۔

اب فریدی کی لئے ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ کیفے جبران سے تعلق رکھنے والی دو ہستیاں عجیب وغریب حالات میں قتل کر دی گئی تھیں۔ ایک کی لاش کے قریب سرخ دائرہ ملا تھا اور دوسری گو کہ سرخ دائرہ سے تعلق نہیں رکھتی تھی لیکن اس کے سلسلے میں بھی سرخ دائرے کا اشتباہ موجود تھا کیونکہ شیش محل کے پانچویں فلیٹ میں رنگین چاک کے ٹکڑے ملے تھے۔

فریدی نے اپنی کار کیفے جبران کے راستے پر ڈال دی۔ کلاک ٹاور کا گھنٹہ ایک بجا کر خاموش ہو گیا تھا۔ سڑکیں آہستہ آہستہ ویران ہوتی جا رہی تھیں۔ ٹریفک کی بھیڑ بھاڑ نہ ہونے کی وجہ سے کیفے جبران تک کی مسافت طے کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔

کیفے جبران پوری طرح آباد تھا۔ فریدی نے کاؤنٹر کلرک سے منیجر کے متعلق پوچھا۔

منیجر اپنے کمرے ہی میں موجود تھا۔ ایک ویٹر نے اس کی رہنمائی کی۔

''اوہو! کرنل صاحب۔'' منیجر اٹھ کر قدرے جھکتا ہوا بولا۔ ''تشریف لائیے۔''

''میں سیسل پے کرافٹ کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتا ہوں؟''

''سیسل پے کرافٹ....!'' منیجر بڑبڑایا۔ ''میں نہیں سمجھا۔''

''سیسل پے کرافٹ۔'' فریدی نے کہا۔ ''اگر آپ اس نام کے ہجے پوچھیں تو میں نہ بتا سکوں گا۔''

''میں یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔'' منیجر نے اس طرح کہا جیسے اپنی یاد داشت پر زور دے رہا ہو۔

''مجھے حیرت ہے۔'' فریدی مسکرایا۔ ''حالانکہ آپ اس لڑکی سے بہت زیادہ بے تکلف معلوم ہوتے تھے۔''

''لڑکی! کیا یہ کسی لڑکی کا نام ہے؟''

''ہاں! مجھے جھلانے کا موقعہ نہ دیجئے تو بہتر ہے۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ''میں اُس لڑکی کا تذکرہ کر رہا ہوں جو ڈیکارلس کے قتل والی رات کو آپ کے ساتھ تھی۔''

''ہائیں....!'' منیجر نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ ''کیا نام لیا تھا آپ نے....!''

''سیسل پے کرافٹ۔''

''نہیں جناب۔'' منیجر بے ساختہ ہنس پڑا۔ ''اس کا نام میری جیرنگٹن ہے۔''

''آپ کو یقین ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''اب اس کا کیا جواب دوں۔'' منیجر نے شرمیلے انداز میں کہا۔ ''ہم بہت گہرے دوست ہیں اور شاید ہمیں ایک دوسرے کی پشت ہا پشت کے نام زبانی یاد ہوں۔''

''تب تو یقیناً آپ کو بہت صدمہ ہوگا۔''

''کیا مطلب....؟''

''اس کا نام سیسل پے کرافٹ تھا اور اس کی شہادت تقریباً ایک درجن آدمی دیں گے۔ خود اس کے پڑوسی۔''

''نہ جانے آپ کس کی بات کر رہے ہیں کرنل صاحب! یقیناً آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے مگر آپ یہ سب کس سلسلے میں پوچھ رہے ہیں۔''

''میں جس لڑکی کے متعلق پوچھ رہا ہوں، اُسے کسی نے قتل کر دیا ہے۔''

''کیا....؟''

''جی ہاں! قتل.... کنگس لین کی ایک عمارت میں۔''

''کنگس لین کی عمارت۔'' منیجر بڑبڑایا۔ ''سیسل ڈگراف۔''

''سیسل پے کرافٹ۔'' فریدی نے تصحیح کی۔ ''وہ اپنے رہائشی فلیٹ میں قتل کی گئی ہے۔''

''تب تو وہ میری جیرنگٹن نہیں ہوسکتی۔''

''کیوں؟ کوئی وجہ؟''

''وہ راجر اسٹریٹ میں رہتی ہے۔'' منیجر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ''آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔ کیا آپ کو ریس سے دلچسپی نہیں ہے؟''

فریدی منیجر کے اس سوال پر چونک پڑا۔

''آپ نے یہ کیوں پوچھا.... کیا اس بات کا موقع تھا۔''

''جی ہاں.... ریس سے دلچسپی رکھنے والا ہر آدمی میری جیرنگٹن سے ضرور واقف ہوگا۔ کیونکہ وہ ریس کورس میں پریوں کی طرح اٹکھیلیاں کرتی پھرتی ہے۔ اس کے پاس دو نہایت شاندار گھوڑے ٹمپسٹ اور شہباز ہیں۔ اس بار ٹمپسٹ اور یلو پینتھر کا مقابلہ تھا۔ مگر اب شاید یلو پینتھر نہ دوڑ سکے۔ میں نے یہی سنا ہے، صمد کا لڑکا اسد تو بڑے مذہبی خیالات کا آدمی ہے۔ وہ اب اسے ریس میں نہیں دوڑائے گا۔ پھر آپ یقین کیجئے کہ اس بار ٹمپسٹ نے بازی جیت لی۔''

فریدی اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی وہ خاموش ہوا، اُس نے کہا۔ ''میری یادداشت نے مجھے آج تک دھوکا نہیں دیا۔ مجھے یقین ہے کہ مقتولہ وہی لڑکی ہے جسے میں نے اس رات آپ کے ساتھ دیکھا تھا۔ اچھا کیا اس کے کوئی بہن بھی ہے جو اس سے مشابہت رکھتی ہو؟''

''نہیں! میری جیرنگٹن کی کوئی بہن نہیں ہے۔'' منیجر نے کہا۔

فریدی پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ آخر اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''کیا آپ تھوڑی سی

تکلیف برداشت کریں گے؟''

''فرمائیے! میرے لائق جو بھی خدمت ہو۔'' منیجر نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

''میں آپ کو کنکسن لین تک لے جانا چاہتا ہوں۔''

''میں ضرور چلوں گا مگر.....!'' منیجر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

فریدی نے مستفسرانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''میں یہ عرض کر رہا تھا'' منیجر بولا۔ ''وہ کسی عورت کی لاش ہوگی۔ میں کس طرح دیکھ

''مگر.....!'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ کے جبڑے کی بناوٹ تو کہتی ہے

بہت مضبوط دل کے آدمی ہیں۔ نہ صرف مضبوط دل کے بلکہ کسی حد تک سنگدل بھی۔''

''ہوسکتا ہے۔'' منیجر بھی جواباً مسکرایا۔ ''مگر عورت کے معاملے میں نہیں۔ ایک تراش چاقو سے ایک عورت کی انگلی کٹ گئی تھی۔ میں نے خون بہتے دیکھا اور مجھے چکر اگر میرے ساتھی نے سہارا نہ دیا ہوتا تو گر ہی پڑتا۔ ویسے آپ کہہ رہے ہیں تو میں ضرور گا۔ کیونکہ آپ میرے ہیرو ہیں اور میں آپ کی دوستی کا خواہش مند ہوں۔''

''شکریہ.....!''

وہ دونوں کیفے سے باہر نکلے۔ فریدی نے اسے اپنی ہی کار میں بیٹھنے کی پیش کش حالانکہ منیجر کی کار وہیں موجود تھی۔

''میں آپ کو پہنچا دوں گا۔'' فریدی نے کہا۔

''ارے نہیں..... آپ کہاں تکلیف کریں گے۔ کنکسن لین میں ٹیکسیوں کا اڈہ ہے۔'' منیجر نے فریدی کی کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر تک وہ خاموشی ہی سے سفر کرتے رہے۔ پھر فریدی بولا۔

''بڑی عجیب بات ہے۔ اس دوران میں جتنے بھی قتل ہوئے ہیں وہ سب کسی نہ کسی ریس ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ صمد کے دوجا کی اور صمد اور اب آپ کہہ رہے ہیں کہ اس لڑکی گھوڑے بھی ریس میں دوڑتے ہیں۔''

''خدارا آپ اس لڑکی کو قتل نہ کیجئے۔'' منیجر بُرا مان جانے والے لہجے میں بولا۔ ''وہ

بے موت مر جاؤں گا۔ آپ کسی سیسل پے کرافٹ کا تذکرہ کر رہے تھے۔ جو کنکسن لین میں رہتی تھی۔ میری راجرس اسٹریٹ میں رہتی ہے۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو کہ آپ کی میری محفوظ ہو۔'' فریدی بولا۔ ''خیر اس تذکرے کو جانے دیجئے۔ میں ڈیکارٹس کے متعلق کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔''

''ڈیکارٹس.....!'' منیجر نے ایک طویل سانس لی پھر بولا۔ ''وہ معاملہ تو میرے لئے سوہان روح بن گیا ہے۔ ایسا بدنام ہوا ہے کیفے کہ خدا کی پناہ۔ بھوت والا واقعہ تو آپ نے اخبارات میں پڑھا ہی ہوگا۔ عجیب چیز تھی وہ بھی۔''

منیجر بے تحاشہ ہنسنے لگا۔ جب اچھی طرح ہنس چکا تو بولا۔ ''میں اپنے آفس میں تھا کہ ہال سے ہڑبونگ کی آواز آئی۔ بوکھلا کر اٹھا تو میز کے پائے سے الجھ کر وہیں ڈھیر ہوگیا۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ کس طرح اٹھا، بہر حال..... جب ہال میں پہنچا تو عجیب کیفیت نظر آئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہاں مہا بھارت ہوئی ہو۔ میزیں الٹی پڑی تھیں اور وہاں اُلو بول رہا تھا۔ البتہ باہر سے اب بھی غل غپاڑے کی آواز آ رہی تھی۔ باہر نکلا تو لوگ بھوت بھوت چیخ رہے تھے۔ حالانکہ میں ہال ہی میں سے گذر کر آیا تھا، اور مجھ سے قسم لے لیجئے جو مجھے وہاں کسی کا سایہ بھی نظر آیا ہو۔''

''آپ کے یہاں بار بھی تو ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''جی ہاں.....!''

''پھر ہوسکتا ہے کہ کوئی شرابی بہک گیا ہو۔''

''مگر جناب! میرا بار ٹنڈر تو نشے میں نہیں تھا۔ وہ قسم کھا کر کہتا ہے۔''

''ضرور وہ کمزور دماغ کا آدمی ہوگا۔ اکثر ضعیف الاعتقاد لوگوں کا خیال ہے کہ قتل ہونے کے بعد آدمی بھوت بن جاتا ہے، اور اس کی روح انتقام کیلئے بھٹکتی رہتی ہے۔ خیر چھوڑیئے بھوتوں کے متعلق میری معلومات محدود ہیں۔ ڈیکارٹس کے ساتھیوں میں سے بھی کبھی کوئی نظر آیا تھا۔''

''نظر آتا تو میں آپ کو ضرور مطلع کرتا، وعدہ کر چکا ہوں!''

''بڑے عجیب لوگ تھے۔ ڈیکارٹس کی قیام گاہ کا سراغ ہمیں مل گیا تھا لیکن وہاں کوئی

ایسی چیز نہیں ملی جس سے اس کی یا اس کے ساتھیوں کی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی۔ اچھا کیا آپ جانتی ہیں کہ ڈیکارلس بھی ریس کا رسیا تھا؟''

''کیا واقعی! تب تو میرا شبہ درست تھا۔'' منیجر بولا۔

''کیسا شبہ؟'' فریدی نے پوچھا۔

''پچھلے سال اسپورٹ میں ایک آدمی کی تصویر شائع ہوئی تھی جس نے یلو پینتھر پر پچاس ہزار جیتے تھے۔ ڈیکارلس ہو بہو ویسا ہی تھا۔ مگر پچاس ہزار جیتنے والے کا نام کچھ اور تھا۔ مجھے یاد نہیں... مگر ڈیکارلس ہرگز نہیں تھا۔''

''وہ اس سے پہلے بھی آپ کا گاہک رہا ہوگا۔''

''جی نہیں.... اس کے بعد آیا تھا۔ آپ نے غالباً ایک بار مجھ سے فون پر بھی اس کے متعلق گفتگو کی تھی۔''

''جی ہاں! مجھے یاد ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''کیا حقیقتاً ڈیکارلس وہی آدمی تھا....؟'' منیجر نے پوچھا۔

''شاید! وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ میں نے بھی اسپورٹ میں اس کی تصویر دیکھی تھی۔ مگر اس سلسلے میں ایک بات بڑی دلچسپ ہے۔ آہا ٹھہریئے! پہلے میرے ایک سوال کا جواب دیجئے۔''

''فرمایئے۔''

''کیا اس نے خاص طور پر تیرہ نمبر کی میز کے ریزرویشن پر اصرار کیا تھا....؟''

''جی ہاں!'' منیجر نے کہا۔ ''اور اسی لئے مجھے یہ بات آج بھی یاد ہے کہ یہ ریزرویشن پچاس ہزار جیتنے کے بعد ہوا تھا اور یہ بھی یاد ہے کہ اس جیت میں یلو پینتھر کا نمبر تیرہ تھا اگر وہ تیرہ نمبر کی میز مخصوص کرانے پر زور نہ دیتا تو مجھے یلو پینتھر کا نمبر آج بھی یاد نہ ہوتا۔ آپ سمجھے ہیں نا میرا مطلب! ایسا اکثر ہوتا ہے۔''

''جی ہاں! قطعی نفسیاتی معاملہ ہے۔''

کنگسن لین میں پہنچ کر فریدی نے اسی عمارت کے سامنے کار روک دی جہاں قتل ہوا

تھا۔ مگر انہیں معلوم ہوا کہ لاش وہاں سے لے جائی جا چکی ہے۔

''یہ تو بُرا ہوا۔'' فریدی بڑبڑایا۔

''اب ہمیں کہاں جانا ہوگا؟'' منیجر نے پوچھا۔

''اب تو بس کوتوالی ہی چلنا ہوگا....!''

''چلئے! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

''آپ کا وقت برباد کر رہا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔

''نہیں.... آپ اس کی پرواہ نہ کیجئے۔ میں کوئی خاص کام نہیں کر رہا تھا۔ ویسے یہاں میری کے رہنے کا امکان ہی نہیں ہوسکتا۔ وہ اتنی مفلس نہیں ہے کہ اس قسم کی عمارتوں کے فلیٹوں میں رہتی پھرے۔''

کار پھر چل پڑی اور وہاں سے کوتوالی تک کے راستے میں وہ دونوں خاموش ہی رہے۔

کوتوالی پہنچ کر فریدی نے مردہ خانے کا رخ کیا۔ اس وقت وہاں سنتری کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا' جس نے فریدی کو دیکھتے ہی سیلوٹ کیا۔

''وہ اس اینگلو انڈین لڑکی کی لاش۔'' فریدی نے اس سے کہا۔

''نمبر دو میں جناب۔'' سنتری نے جواب دیا۔

وہ ایک کمرے میں آئے۔ یہاں لاش ایک چادر سے ڈھکی ہوئی پڑی تھی۔ فریدی نے جھک کر اس کا چہرہ کھول دیا۔ ساتھ ہی منیجر کے حلق سے ایک جگر خراش چیخ نکلی اور وہ چاروں شانے چت فرش پر گر گیا۔

''اوہو....!'' فریدی اُسے اٹھاتا ہوا بولا۔ ''یہ کیا کر رہے ہیں آپ.... اگر کسی کی نظر پڑ گئی تو زندگی تلخ ہوجائے گی آپ کی۔''

منیجر کی آنکھیں بند تھیں اور وہ کھڑے کھڑے لہرا رہا تھا۔ یہ عالم تھا کہ اب گرا اور تب گرا۔ فریدی اس کے شانے پکڑے ہوئے تھا۔

''دیکھئے! سنبھلئے! اتنی کمزوری.... نہیں آپ کو مرد ہونا چاہئے۔''

''مجھے یہاں سے لے چلئے۔'' منیجر آنکھیں بند کئے ہوئے پھنسی پھنسی سی آواز میں بولا۔

"یوں نہیں! پہلے آپ خود کو سنبھال لیجئے۔ ورنہ کوتوالی والے آپ کو تنگ کر ڈالیں گے۔"

منیجر لاش کی طرف منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ اب اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن ان
عجیب طرح کی ویرانی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اندھا ہو گیا ہو۔

"ہاں! میں نے کہا کہ مجھے لے چلئے۔" اس نے کہا۔

"فریدی نے اس کی آواز میں بھی ویرانی محسوس کی، اجنبیت محسوس کی۔ یہ اس آدی
آواز نہیں معلوم ہوتی تھی جو کچھ دیر قبل اس سے کار میں گفتگو کرتا رہا تھا۔"

"چلئے.... لیکن اس طرح نہیں.... ہم مصیبت میں پھنس جائیں گے۔"

"چلئے....!" وہ باہر نکلتا ہوا بولا۔

پتہ نہیں.... اس نے خود کو سنبھال لیا تھا یا ابھی تک اس پر وہی کیفیت طاری تھی۔

پھر کار میں بیٹھتے ہی اس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ فریدی نے اسے رو
دیا۔ وہ بالکل خاموش ہو گیا تھا۔

منیجر نے ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان کہا۔ "اب راجرس اسٹریٹ چلئے.... میں آپ
دکھاؤں میری وہیں رہتی تھی۔"

"میں آپ سے پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ میری یادداشت مجھے بہت کم دھوکا دیتی ہے۔"

منیجر کچھ نہ بولا۔ وہ اب بھی روئے جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سست پڑ گیا۔

"میں برباد ہو گیا۔ فریدی صاحب۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "دنیا میں ا
سے زیادہ مجھے اور کوئی عزیز نہیں تھا۔ اس کا ہر شوق پورا کرتا تھا۔ اب میں کیا کروں گا.... کی
جیوں گا۔ زندگی اندھیرے میں رینگتا ہوا ایک اژدھا معلوم ہو گی۔"

"گھوڑ دوڑ سے تعلق رکھنے والا چوتھا قتل.... اور سرخ دائرہ۔"

"سرخ دائرہ....!" دفعتاً منیجر اچھل پڑا۔ "کیا اس میں بھی سرخ دائرہ؟"

"جی ہاں! اس کی لاش کے قریب بھی فرش پر سرخ دائرہ دیکھا گیا ہے۔"

"میرے خدا یہ کیا ہو رہا ہے۔" منیجر بڑبڑایا۔ "سرخ دائرہ صمد اور اس کے جاکیوں
لاش کے قریب بھی ملا تھا۔"

فریدی کچھ نہیں بولا اور پھر بقیہ راستہ خاموشی ہی سے طے ہوا۔ راجرس اسٹریٹ کی جس
ارت کے سامنے منیجر نے کار روکنے کو کہا تھا وہ بڑی شاندار تھی۔ وہ دونوں کار سے اتر کر اندر
خل ہوئے۔

صدر دروازے پر ایک صاف ستھرے ملازم نے ان کا استقبال کیا۔ غالباً وہ چوکیدار تھا جو
ب تک جاگ رہا تھا۔ فریدی نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی۔ میری جیرنگٹن یقینی طور پر رات
ئے گھر آنے کی عادی تھی۔ ورنہ اس علاقے میں چوکیدار کی ضرورت نہیں تھی۔ ساتھ ہی فریدی
نے یہ بھی محسوس کیا کہ منیجر میری کی عدم موجودگی میں بھی بغیر روک ٹوک اس کے گھر میں جا سکتا
ہے کیونکہ چوکیدار اس طرح ان کے پیچھے چل رہا تھا جیسے خود منیجر ہی اس مکان کا مالک ہو۔

وہ ایک کمرے میں آئے۔ سامنے کی دیوار پر مقتولہ کی ایک بڑی تصویر آویزاں تھی اور
ریدی اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

خان افضل

منیجر نے یہاں پھر رونا شروع کر دیا۔ نوکروں کو بھی یہ بات معلوم ہو گئی اور وہ سب منیجر
کے گرد اکٹھا ہونے لگے۔ یہ تعداد میں پانچ تھے۔

"دیکھو! تم لوگ دیکھو!" منیجر روتا ہوا نوکروں سے بولا۔ "اب میں کیا کروں.... مجھے بتاؤ۔"

نوکروں نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سب بھی اپنے چہرے ڈھانپ کر سسکیاں لینے لگے تھے۔

ذرا ہی سی دیر میں فریدی کے چہرے پر بیزاری کے آثار نظر آنے لگے۔

"اچھا اب آپ انہیں رخصت کر دیجئے۔" فریدی نے نوکروں کی طرف دیکھ کر کہا۔

نوکر وہاں سے ہٹا دیئے گئے اور وہ اپنی آنکھیں خشک کرنے لگا۔ جو اب انگاروں کی
طرح سرخ تھیں۔

"آپ کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کسی دوسری جگہ سیسل پیکرافٹ کے نام سے بھی رہتی ہے؟"
فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں.... میرے لئے یہ چیز اس کی موت سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوئی ہے
نہیں جانتا کہ اس کا مقصد کیا تھا۔"

"اور یہی نہیں.... یہ کوئی دو چار دن کی بات نہیں۔ وہ پورے ایک سال سے وہاں
نام سے مقیم تھی۔"

"اب میں کیا بتاؤں جب کہ وہ مرچکی ہے۔ ایسی صورت میں یہی کہا جاسکتا ہے
مجھے دھوکا دیتی رہی تھی.... بظاہر مجھے چاہتی تھی لیکن حقیقتاً وہ کوئی اور تھا جس سے اسے محبت
وہ یقیناً کوئی غریب آدمی رہا ہوگا، تبھی تو اس گھٹیا سے فلیٹ میں....!"

منیجر کی آواز غصیلی ہوتی جارہی تھی اور اب اس میں غم کا شائبہ بھی نہیں تھا۔

"مجھے اس لئے چاہتی تھی کہ میری دولت اس کے لئے تن آسانیاں پیدا کرے اور
کی تسکین کے لئے کوئی اور ہی تھا.... اُف یہ عورتیں۔"

"تو یہ سارا ٹھاٹھ آپ ہی کی بدولت تھا۔" فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"جی ہاں.... قطعی.... نہ صرف یہ بلکہ دوسرے شوق بھی میں ہی پورے کرتا تھا۔ مثلاً
دوڑ کا شوق، ٹمپسٹ اور شہباز میں نے ہی اسے خرید کر دیئے تھے میں سچ کہتا ہوں کہ
انہیں گولی ماردوں گا.... لعنت ہے!"

"ابھی تو آپ رو رہے تھے جناب۔"

"بلاشبہ رو رہا تھا.... شاید زندگی بھر روتا رہوں۔ مگر یہ اب دیکھئے نا کہ مجھے دھوکا دیا!
آخر دوسری جگہ نام بدل کر رہنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اور آپ نے اس پر غور نہیں کیا کہ وہ ٹھیک زورد اسکوائر کے سامنے جا کر رہی تھی۔
عمارت کے سامنے جہاں صمد رہتا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ.... ہو....!" منیجر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور پھر وہ آہستہ سے بڑبڑایا
"آخر یہ قصہ کیا ہے.... کہیں وہ کسی سازش کا شکار تو نہیں ہوئی۔"

"خدا جانے۔"

"کرنل صاحب پتہ لگائیے...... میں اس کے لئے اپنی ساری پونجی صرف کردوں گا۔"

"کیوں، کیا پھر بھول گئے کہ اس نے آپ کو دھوکہ دیا تھا۔"

"اوہ....!" وہ اپنے سر کی بال نوچتا ہوا بولا۔ "میں پاگل ہوجاؤں گا۔ میری سمجھ میں نہیں
آتا کہ میں کیا کروں۔"

"فی الحال صبر کیجئے.... اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔"

"کیا مطلب....؟"

"یہی کہ تاوقتیکہ میں اس کے متعلق سب کچھ نہ معلوم کرلوں۔"

"ٹھیک ہے.... مگر اب....!"

"کچھ نہیں.... اب ایک دوسری بات بھی سنئے۔ وہ آج محکمہ سراغ رسانی کے ایک فرد کا
تعاقب کرتی ہوئی نیاگرہ ہوٹل تک گئی تھی۔"

"کیا....؟ نہیں....؟ بھلا وہ کس طرح؟"

"ایک پارٹی سرخ دائرہ والوں کے سلسلے میں تفتیش کر رہی ہے نا.... اسی کے ایک رکن کا
اس نے تعاقب کیا تھا اور وہ تعاقب کنگس لین ہی سے شروع ہوا تھا۔"

"میرے خدا.... کیا کر رہی تھی میری!"

"میں آپ سے متفق ہوں کہ وہ کسی سازش کا شکار ہوئی ہے۔ ورنہ خود بھی کیوں مار ڈالی
جاتی.... کیوں؟ آپ خود سوچئے۔"

"جی ہاں....!" منیجر حقیقتاً کچھ سوچ رہا تھا۔

"اور یہ سرخ دائرہ والے اتنے پھرتیلے اور چالاک ہیں کہ تعریف کرنے کو دل چاہتا
ہے۔ انہوں نے ایک جیتے جاگتے آفیسر کی پشت پر سرخ دائرہ بنا دیا۔"

"ارے....؟"

"جی ہاں....!" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "اور میں آپ کو کیا بتاؤں....
لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ لوگ صرف گھوڑ دوڑ ہی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے پیچھے
کیوں پڑ گئے ہیں۔ بڑی عجیب بات ہے۔ وہ یا تو تجوریاں توڑتے ہیں یا پھر گھوڑ دوڑ سے تعلق
رکھنے والوں کو قتل کر دیتے ہیں۔"

"تو پھر میں کیا کروں۔" منیجر خوفزدہ سی آواز میں بولا۔ "میں ان دونوں گھوڑوں کو گولی ہی مار دوں کیا...؟"

"کیوں؟ کیا اُن دونوں کے دوڑنے سے مجرم آپ کی گرفت میں آ جائیں گے؟"

"ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا....ویسے توقع یہی ہے۔"

"مگر اب میں ایک دوسری بات بھی سوچ رہا ہوں۔"

"وہ کیا...؟"

"وہ دونوں گھوڑے میں نے میری ہی کے نام سے خریدے تھے۔ لہٰذا اس کے مرنے کے بعد وہ میری ہی ملکیت ٹھہرے....نہیں کرنل صاحب یہ سازش براہِ راست میرے ہی خلاف کی گئی ہے۔"

"کیوں؟ آپ کے خلاف کیوں؟" فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

"ظاہر ہے کہ یلو پینتھر کے بعد دوڑ میں ٹمپسٹ ہی کامیاب ہوگا۔ کیا لوگوں کے ذہن میں یہ بات نہیں آسکتی کہ ہوسکتا ہے میں نے ہی یہ سارا جال بچھایا ہو۔"

"ہاں شبہ تو ہوسکتا ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"پھر بتائیے! بہتر یہی ہے کہ میں یا تو انہیں فروخت کردوں یا گولی مار دوں۔"

"نہیں میں ان میں سے کسی کے لئے بھی مشورہ نہیں دوں گا۔"

"پھر بتائیے! میں کیا کروں؟"

"کتنی بار کہوں کہ ٹمپسٹ کو دوڑنے دیجئے۔ بقیہ میں دیکھ لوں گا۔"

"جیسی آپکی مرضی۔ ویسے اب میرا دل ان کاموں سے بُری طرح اچاٹ ہوگیا ہے۔"

"اب میرے چند سوالات کے جواب دیجئے۔ اس کے بعد میں آپ کو کیفے میں چھوڑ آؤں گا۔"

"اب بھلا ایسی صورت میں کیفے کی طرف جانا کہاں ہوسکتا ہے۔ رات میں یہیں بسر کروں گا۔ ورنہ یہ سارے نوکر رات ہی کو غائب ہوجائیں گے اور صبح یہاں جھاڑو پھری ہوئی نظر آئے گی۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ مگر دیکھئے....میں یہ تو بھول ہی گیا تھا اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ آپ کسی سے بھی اس کا تذکرہ نہیں کریں گے کہ میری جیرنگٹن قتل کردی گئی ہے۔ اسے سیسل پیکرانٹ ہی بنی رہنے دیجئے۔ اس وقت تک جب تک مجرموں کو پکڑ نہ لوں۔ دوسری صورت میں پولیس آپ کو اس قدر پریشان کرے گی کہ آپ گھوڑوں کو گولی مارنے کے بجائے اپنا ہی خاتمہ کرلیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں کسی کو بھی نہ بتاؤں گا۔" منیجر نے کچھ سوچ کر سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "مگر نوکروں کو تو معلوم ہی ہو چکا ہے۔"

"آپ اس کی پرواہ نہ کیجئے۔ انہیں میں ٹھیک کرلوں گا۔ وہ اپنی زبان سے اس کے متعلق ایک لفظ بھی نہ نکال سکیں گے۔ اگر آپ سے کوئی میری جیرنگٹن کے متعلق پوچھے بھی تو کہہ دیجئے گا کہ وہ کہیں باہر گئی ہوئی ہے۔"

"میں یہی کروں گا کرنل صاحب۔ مگر کہیں میرا بھی نمبر نہ آجائے۔"

"کیا مطلب....!"

"مطلب! ارے دیکھئے ناصر مار ڈالا گیا۔ اس کے جاکی ختم کئے گئے.... محض یلو پینتھر کی وجہ سے؟ یلو پینتھر کے بعد ٹمپسٹ کا نمبر آتا ہے۔ میری ٹمپسٹ کی مالک تھی وہ اس طرح مار ڈالی گئی....اور اب ٹمپسٹ کا مالک میں ہوں....نہیں جناب کرنل صاحب! یا تو ٹمپسٹ دوڑے گا نہیں یا پھر میں ہی اسے گولی مار کر اپنی جان بچاؤں گا۔"

"آپ پھر بہک گئے، مرد بنئے!"

منیجر خاموش ہوگیا۔ اس کے چہرے پر ذہنی کش مکش کے آثار تھے۔ آخر اس نے تھوڑی دیر بعد مردہ سی آواز میں کہا۔ "اچھا آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہی کروں گا۔"

"گڈ! بس اب تھوڑا سا وقت اور لوں گا۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"اچھا یہ بتائیے کہ ٹمپسٹ کے بعد کسی کے جیتنے کی توقع ہوسکتی ہے؟"

"تھنڈر....ہاں تھنڈر ہی تو ہے!"

"اس کا مالک کون ہے؟"

''خان افضل....!'' منیجر نے کہا۔

''آہا.... خان افضل.... اوہ....!'' فریدی ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔ وہ خان افضل سے ا
طرح واقف تھا۔ خان افضل شہر کے ان بڑے بدمعاشوں میں سے تھا جن کے عیوب دو
چھپا لیتی ہے۔ اگر اس کے پاس دولت نہ ہوتی تو اسے غنڈہ قرار دے کر شہر بدر کر دیا گیا ہو
مگر خان افضل جو دو تین فیکٹریوں کا مالک تھا اور سرکاری تعمیرات کے ٹھیکے لیا کرتا تھا شہر
کیسے کیا جاتا؟ وہ بالکل پڑھا لکھا نہیں تھا، اس کے باوجود بھی اسے شہر کے بڑے بڑے تعل
اداروں کے جلسوں کی صدارت کرنی پڑتی تھی اور اس کے متعلق لوگ کہا کرتے تھے کہ خدا
مسبب الاسباب ہے۔ جو ڈنک مار دینے والی خطرناک مکھیوں سے شہد مہیا کرتا ہے۔ لہٰذا یہ ا
کی شان سے بعید نہیں ہے کہ کسی جاہل اور کندہ ناتراش کو جلسہ تقسیم اسناد کی صدارت کی تو
عطا کر دے۔

تو خان افضل ایسا آدمی تھا کہ فریدی تھوڑی دیر کے لئے سوچ میں پڑ گیا۔

بہر حال پھر اس نے بات آگے نہیں بڑھائی۔ پہلے کچھ دیر تک میری جیرنگٹن کے نوکرو
کے اسکریو کستا رہا۔ پھر منیجر کو وہیں چھوڑ کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

دوسرے دن سہ پہر تک وہ بہت مشغول رہا۔ اس نے پچھلی رات کے واقعات حمید کو ب
دیئے تھے اور حمید دن بھر انہیں کے متعلق سوچتا رہا تھا۔

سہ پہر کو فریدی واپس آیا۔ حمید اس کا منتظر ہی تھا۔ اسے توقع تھی کہ اب یہ کیس تیز
سے آگے بڑھے گا کیونکہ اب فریدی پوری طرح اس میں دلچسپی لے رہا تھا۔

حمید نے اس کے آتے ہی میری جیرنگٹن کی گفتگو چھیڑ دی۔

''میری جیرنگٹن....!'' فریدی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ''وہ ایک بڑی پراسرار لڑکی
تھی۔ تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اس نے سیسل پے کرافٹ کے نام سے وہ فلیٹ اُسی دن
حاصل کیا تھا جس دن کیفے جبران میں تیرہ نمبر کی میز ریزرو کرائی گئی تھی۔''

''تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ بھی ان پانچوں کی شریک تھی۔''

''کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ وہ پانچوں تو اس سرخ دائرہ سے بھی زیادہ پُراسرار ہیں۔''

''کیوں کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ سرخ دائرہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''میں ابھی کچھ نہیں سمجھتا۔ الجھی ہوئی ڈور کا ایک بہت بڑا گٹھر میرے سامنے پڑا ہوا ہے اور میں اس کے دونوں سرے تلاش کر رہا ہوں جس دن ایک سرا بھی ہاتھ آ گیا اسی دن میں کوئی قطعی فیصلہ کر سکوں گا اور ہاں دوسری بات یہ کہ جب پچھلی رات آصف کوتوالی سے اپنے گھر واپس جا رہا تھا ایک تاریک گلی میں کسی نے اسے اٹھا کر پٹخ دیا اور پھر اس کی پشت پر وہی سرخ نشان بنا کر فرار ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آج چھٹی پر ہے اور اس کی بیوی صدقہ خیرات کر رہی ہے۔''

حمید ہنسنے لگا۔ دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ ''یہ سرخ دائرہ والے بھی بڑے ذہین اور ماہر نفسیات قسم کے لوگ معلوم ہوتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ کون کس طرح مر سکتا ہے۔ اگر یہی عالم رہا تو آصف کچھ دن بعد گھر ہی سے نکلنا چھوڑ دے گا۔''

''مگر تم کہاں تھے.... رات میرے جانے کے بعد تم گھر پر تو نہیں تھے۔''

''ایک معمر عورت کی دلجوئی کر رہا تھا۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اس کی عمر پینتالیس سال ہے۔ اسے اس بات کا بڑا قلق ہے کہ اب اس کی کوئی بھی پرواہ نہیں کرتا۔''

''بہت بدنام ہو رہا ہوں تمہاری وجہ سے۔'' فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''نہیں اب آپ کی بڑی شہرت ہوگی۔'' حمید سر ہلا کر سنجیدگی سے بولا۔ ''میں یہ کام فی سبیل اللہ کر رہا ہوں۔ لوگ کہنے لگے کہ کرنل فریدی کے اسسٹنٹ کو دیکھو وہ بوڑھی عورتوں کو بھی اداس ہونے کا موقع نہیں دیتا۔''

''بکواس مت کرو۔ چلو تیار ہو جاؤ۔ ہمیں خان افضل کے یہاں چلنا ہے؟''

''خان افضل؟ کیا مطلب آپ جائیں گے اس کے یہاں؟''

''ہاں کام ہے۔''

''کس سلسلے میں....؟''

''اسی سلسلے میں، ٹمپسٹ کے بعد اُسی کے گھوڑے تھنڈر کا نمبر ہے۔''

''اتنا میں بتائے دیتا ہوں کہ وہ بہت بدتمیز آدمی ہے۔''

"مجھے علم ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "تم تیار ہو جاؤ۔"

"آپ جائیے۔ میں تو برداشت نہ کرسکوں گا۔" حمید نے کہا اور بڑبڑاتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔ فریدی اس کا انتظار کرتا رہا۔ آج وہ دن بھر دوڑتا رہا تھا۔ لیکن اس کے چہرے کی کیفیت کہہ رہی تھی جیسے ابھی ابھی سو کر اٹھا ہو۔

حمید چلنے کے لئے تیار ہو کر آ گیا لیکن وہ جنگی لباس میں تھا۔ خطرناک مہموں پر جانے سے پہلے وہ عموماً اسی قسم کی تیاریاں کیا کرتا تھا۔ اس کے جسم پر چمڑے کا جیکٹ ہوا کرتا تھا جس کے استر میں اندر کی طرف ریوالور کے کارتوس رکھنے کے لئے بے شمار خانے تھے۔ جیکٹ کے نیچے کمر پر ایک چوڑی سی پیٹی جس سے دائیں بائیں دو ہولسٹر لٹکتے رہتے تھے اور ہولسٹروں میں پڑے ہوئے ریوالور بھی خالی نہیں ہوا کرتے تھے۔ ایسے مواقع پر نہ تو وہ ٹائی باندھتا تھا اور نہ ایسی پتلون پہنتا تھا جن کے پائنچے ٹخنوں سے نیچے ہوں۔

"بہت خوب....!" فریدی اسے نیچے سے اوپر تک دیکھتا ہوا مسکرایا۔ "اے میکسیکن چرواہے ہم کوئی ڈرامہ اسٹیج کرنے نہیں جا رہے ہیں۔"

"آپ نہیں سمجھتے! وہ بڑا لفنگا ہے۔ ابھی پچھلے ہی مہینے کی بات ہے اس نے ایک انسپکٹر کو اپنے مکان میں بند کر کے بُری طرح پیٹا تھا۔ اس کے بعد اپنے کپڑے پھاڑے اور چہرے پر دو چار خراشیں ڈال کر سیدھا کمشنر صاحب کے بنگلے پر پہنچ گیا اور رپورٹ کر دی کہ فلاں انسپکٹر نے میرے ساتھ بدسلوکی کی ہے۔ بے چارا سب انسپکٹر اس وقت تک بند رہا جب تک کوتوالی میں سب انسپکٹر کے خلاف رپورٹ نہیں لکھ لی گئی۔ جب وہ رپورٹ وغیرہ درج کرا کر واپس ہوا تو اس کے آدمیوں نے سب انسپکٹر کو چھوڑا۔ وہ معاملہ ابھی تک چل رہا تھا۔"

"اچھی بات ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اگر میں پٹنے لگوں تو تم بھاگ آنا.... پوری اجازت ہے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ خان افضل سے ملنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ خان افضل ایک بھاری بھرکم آدمی تھا۔ اس کے بڑے سے چہرے پر چوٹ کے کئی نشان تھے۔ آواز پاٹ دار اور بھاری تھی۔ جنگ عظیم سے پہلے وہ ایک جنگ فیکٹری میں مشین صاف کرنے پر ملازم تھا۔

نہیں کیا ہوا کہ جنگ شروع ہوتے ہی وہ پھیلنے اور بڑھنے لگا۔ ابتدا فوجی کیمپوں میں مرغیاں سپلائی کرنے سے ہوئی تھی اور انتہا خدا جانے۔ کیونکہ اب بھی وہ پھیلتا اور بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ فطراً چڑچڑا اور بداخلاق تھا۔ گالیاں تو نوک زبان پر رہتی تھیں۔

مگر فریدی اور حمید کا استقبال اس نے خندہ پیشانی سے کیا۔ کچھ دیر رسمی گفتگو ہوتی رہی، پھر فریدی اصل موضوع پر آ گیا۔ اس نے جیب سے میری جیرنگٹن کی تصویر نکالی اور اُسے دکھاتا ہوا بولا۔ "کیا آپ اسے پہچانتے ہیں؟"

"ارے.... ہائیں.... یہ تو میری ہے.... میری جیرنگٹن.... کیوں کیا بات ہے؟"

"اُس نے ابھی حال ہی میں ایک رپورٹ درج کرائی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"اس کا خیال ہے کہ کوئی اس کے گھوڑے ٹمپسٹ کو آنے والی دوڑ میں شریک ہونے سے روکنا چاہتا ہے۔"

"اور وہ خان افضل کے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے.... کیوں؟" خان افضل نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "مگر تھنڈر ٹمپسٹ کا باپ ہے۔ اس لونڈیا کا بھی دماغ خراب ہوا ہے۔ شاید.... کیوں؟"

"مجھے اس کی اطلاع تو نہیں ہے مگر میں اس ریس میں شریک ہونے والے سارے گھوڑوں کے مالکوں سے مل رہا ہوں۔"

"ضرور ملئے.... میں منع نہیں کرتا۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ وہ آپ کا قیمتی وقت برباد کرا رہی ہے۔ اس کی ہسٹری مجھ سے سنئے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کوئی باعزت عورت ہے۔ ہرگز نہیں۔ آدھے درجن آدمیوں کو تو میں جانتا ہوں جن کی وہ داشتہ رہ چکی ہے۔ اب آج کل گریشن کی دولت سے کھیل رہی ہے۔"

"کون گریشن! کیفے جبران کا منیجر نا....!"

"ہاں وہی....!"

"کیا گریشن دولت مند بھی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایک منیجر....!"

"منیجر....!" خان افضل نے ایک گونجیلا سا قہقہہ لگایا۔ "وہ کیفے جبران کا مالک ہے.... یہی نہیں اس کے اور بھی درجنوں کاروبار ہیں۔ پکا فراڈیا ہے سالا....!"

ایک....دو....تین

فریدی اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ گفتگو کرتے وقت خان افضل کی آنکھوں کی حرکت بند ہو جاتی تھی۔ نہ پلکیں جھپکتی تھیں اور نہ دیدے ہی جنبش کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ پتھر کی آنکھیں ہوں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ فریدی ابھی تک اس کے چہرے پر خیالات یا جذباتی تغیرات کا عکس نہیں دیکھ سکا تھا۔

"وہ کچھ بھی ہو افضل صاحب۔" فریدی نے کہا۔ "مگر میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ اچھے گھوڑوں کے مالکوں اور جوکیوں کی شامت آ گئی ہے۔"

"کیوں....؟"

"صمد اور اس کے جاکیوں کے قتل۔"

"ہاں....آں! میں نے بھی اکثر اس کے متعلق سوچا ہے، لیکن میں خائف نہیں ہوں، آپ یقین کیجئے۔"

"سرخ دائرہ والوں نے اب تک یا تو تجوریاں توڑیں اور پھر ان لوگوں کو قتل کیا ہے جن کا کچھ نہ کچھ تعلق گھوڑ دوڑ سے بھی ہو۔ اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میں اگر اپنا خیال ظاہر بھی کر دوں تو آپ کو اس سے کیا فائدہ پہنچے گا؟"

"ہو سکتا ہے فائدہ پہنچ ہی جائے۔ مجھے یقین ہے کہ مجھے کسی ایسے ہی آدمی سے فائدہ پہنچے گا جس کا تعلق گھوڑ دوڑ سے ہو اور غالباً آپ بھی اسے سمجھتے ہوں گے کہ قانون کی مدد کرنا بڑی اچھی بات ہے۔"

"مگر مجھے پولیس کے محکمے سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔"

"ہونی بھی نہیں چاہئے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"کیوں....؟"

"کسی زمانے میں آپ پولیس کے ہاتھوں بہت تنگ ہوئے ہوں گے۔"

حمید فریدی کو روک نہ سکا۔ صرف دل ہی دل میں جھنجھلا کر رہ گیا۔

خان افضل اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی سانس پھول رہی تھی۔ وہ دونوں اس کے سامنے ایسے لگ رہے تھے جیسے دو بالشتیے بیٹھے ہوں۔

"بس اب تشریف لے جایئے۔" وہ ہاتھ پھیلا کر دھاڑا۔ "اگر یہ بات کسی اور نے کہی ہوتی یا آپ فریدی صاحب کے ساتھ نہ ہوتے۔"

"مجھے افسوس ہے افضل صاحب، آپ تشریف رکھئے۔"

"نہیں جناب۔" اس نے کہا اور یک لخت دوسرے کمرے کی طرف مڑ گیا۔

وہ تنہا بیٹھے رہے۔

"تم بڑے سؤر ہو۔" فریدی حمید کی طرف دانت پیستا ہوا بولا۔

"واقعی بڑی غلطی ہوئی۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ دو ہاتھ ہو جائیں گے۔ مجھے کوئی اس سے بھی زیادہ سخت بات کہنی چاہئے تھی۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے....چلو اٹھو۔"

وہ دونوں باہر آئے۔ فریدی کا موڈ بہت خراب ہو گیا تھا اور حمید کی کس بات کا جواب نہیں دے رہا تھا۔

"آپ آج کل اتنے بھولے کیوں ہو گئے ہیں؟" حمید نے کہا۔

"بکواس مت کرو۔ بلکہ مجھ سے فی الحال الگ ہی ہو جاؤ تو بہتر ہے۔"

"ارے آپ کیا بات کر رہے ہیں۔ وہ اس موضوع پر کوئی گفتگو کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔"

"میں کہتا ہوں خاموش رہو۔"

حمید پھر نہیں بولا۔ کار سڑک پر دوڑتی رہی۔

یہ واقعات ہی بڑے عجیب تھے۔ اب تک جتنے بھی کیس ہوئے تھے انہیں مجرم یا مجرموں نے ایک بھی ایسا نشان نہیں چھوڑا تھا جس سے ان کا سراغ ملنے میں مدد ملتی اور وہ سرخ دائرہ۔

فریدی کا خیال تھا کہ وہ سرخ دائرہ دراصل اسی لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ پولیس کو مجرم کا سراغ ہی نہ مل سکے۔ اس لئے فریدی کے پاس ایک نفسیاتی توجیہہ تھی اس کا کہنا تھا کہ لوگ سرخ نشان دیکھ کر بعض چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ کسی

مجرم سے کوئی غلطی ہی سرزد نہ ہو۔ اس کے ثبوت میں وہ ڈیکارٹس کے حالیہ قتل کا واقعہ تھا، اس میں مجرم نے دوسروں پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی کہ ڈیکارٹس نے خودکشی لیکن اس میں کامیاب نہ ہوسکا، اس نے سر یا سینے کی بجائے گردن کے ایک پہلو پر رائفل فائر کیا تھا۔ بہر حال اس کیس میں سرخ دائرہ کو دخل نہیں تھا۔ اسی لئے یہ معمولی سی بات کی سمجھ میں آگئی تھی۔ لیکن اگر وہاں وہ سرخ دائرہ موجود ہوتا تو شاید اس کی طرف دھیان کی بھی ضرورت نہ پیش آتی۔ بس یہ اطمینان ہوجاتا کہ یہ حرکت سرخ دائرہ والوں ہی کی رزنامچوں کی خانہ پری کردی جاتی۔

بہر حال تین دن گذر گئے اور وہ ادھر اُدھر سر مارتا رہا۔ دوسری طرف اعلیٰ حکام ناک دم کئے ہوئے تھے کہ اب اسے اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہئے۔ لیکن وہ باضابطہ پر اس کا انچارج بننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ڈی۔ آئی۔ جی نے اسے سمجھایا بھی کہ اس کا محض یہ تھا کہ آصف وغیرہ کی نالائقی کا خود انہیں یقین دلایا جائے، کیونکہ انہیں اعلیٰ حکام جانبداری کی شکایت تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ فریدی اور حمید کے علاوہ اور کسی کو موقع ہی کم جاتا ہے کہ انہیں اپنی صلاحیتوں کو ظاہر کرنے کا اتفاق ہو۔

آصف کا یہ عالم تھا کہ اب اس کی روح لرزنے لگی تھی۔ سرخ دائرہ کے نام ہی پر منہ اتر جاتا تھا۔ میری جیرنگٹن کے قتل والی رات کے واقعہ نے اسی طرح اس کے حواس کردیئے تھے مگر اس کی وجہ اسکی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ مجرم ہمیشہ محض ہلکی سی تنبیہہ کرکے چھوڑ کیوں دیتا ہے۔ بہر حال آصف کا بُرا حال تھا اور وہ خدا سے دعا کررہا تھا کہ اب شہر کوئی ایسی واردات نہ ہو جس کے سلسلے میں اسے وہ منحوس سرخ دائرہ دیکھنا پڑے۔ مگر یہ ضرو نہیں تھا کہ اس کی دعا قبول ہی ہوجاتی۔ میری کے قتل کی دوسری ہی رات کو ایک بینک کی تجوریاں ٹوٹ گئیں اور ان تجوریوں پر وہی سرخ دائرے موجود تھے۔

فریدی ایک ایک کرکے اگلی ریس میں حصہ لینے والے سارے گھوڑوں کے مالکوں سے چکا تھا۔ لیکن حمید کو یقین تھا کہ خود فریدی کی نظروں میں بھی ان ملاقاتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور اب وہ یہ بھی محسوس کرنے لگا تھا کہ فریدی غیر معمولی طور پر خاموش رہنے لگا ہے

اسی سے اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ اب یہ کیس کسی فیصلہ کن موڑ پر پہنچنے والا ہے۔

فریدی ایسے مواقع پر عموماً خاموش ہی ہوجایا کرتا تھا۔

پھر ایک دن حمید کو معلوم ہوا کہ وہ آئندہ ہونے والی ایک ریس کا منتظر تھا اور پھر شاید زندگی میں پہلی بار ان لوگوں نے ریس کورس میں قدم رکھا۔ اس سے قبل انہیں کسی کیس کے سلسلے میں بھی وہاں جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ فریدی تو خیر تھا ہی محتاط آدمی لیکن حمید کو بھی ریس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

مگر جب اس نے ریس کورس میں قدم رکھا تو اسے دل ہی دل میں عہد کرنا پڑا کہ وہ آئندہ بھی یہاں آتا رہے گا۔ کیونکہ وہاں مردوں سے زیادہ عورتیں تھیں۔

ریس شروع ہونے میں ابھی دیر تھی۔ فریدی اصطبلوں کی طرف بڑھا جو یہاں سے دو ڈھائی فرلانگ کے فاصلے پر واقع تھے۔

"کہاں....اُدھر کیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"عورتوں کے سوا اور سب کچھ ہے۔" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

گھوڑے اصطبلوں سے نکالے جارہے تھے۔ وہاں کیفے جبران کے مالک یا منیجر گریش سے ملاقات ہوگئی۔

"آہا....کرنل صاحب....آیئے آیئے! کیا بتاؤں....آج مجھے یہاں آنا پڑا...." گریش نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "اور جناب، میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ میں بھی خطرے میں ہوں۔"

"کیوں؟ کوئی خاص بات....؟" فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"دو دن سے کچھ نامعلوم آدمی کیفے جبران کی نگرانی کررہے ہیں۔ میں محسوس کررہا ہوں کہ وہ بڑے منظم طریقے پر یہ کام کرتے ہیں۔ ان کی ڈیوٹیاں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں، یا تو میں بھی چل بسا یا پھر اب آپ لوگ پریشان کریں گے۔"

"میں نہیں سمجھا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"ہوسکتا ہے کہ وہ آپ ہی کے محکمے کے آدمی ہوں۔"

"میرے محکمے کے! نہیں میرا خیال ہے کہ ایسی کوئی اسکیم نہیں تھی۔ خیر میں دیکھوں گا کہ

وہ کون لوگ ہیں۔"

"مگر کرنل صاحب!" گریش نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ایک بات سمجھ میں نہیں آتی.... اگر یہ صرف گھوڑوں کی ہار جیت کا معاملہ ہے تو آدمی کیوں قتل کیے جا رہے ہیں؟ بہتر خطرناک طریقہ یہ تھا کہ وہ گھوڑے ہی ختم کر دیئے جاتے۔ مثلاً یلو پینتھر، ٹمپسٹ یا اور کوئی کی طرف سے خدشہ ہوتا۔"

"میں خود بھی حیرت میں ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "اور میں ابھی تک اس کے متعلق صحیح رائے قائم نہیں کر سکا۔"

"مگر یہاں ریس کورس میں آپ کی موجودگی سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آج یہاں نہ کچھ ہو کر رہے گا۔" گریش نے کہا۔

"آپ کا خیال صحیح ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "آج یہاں....!"

"اوہ مسٹر گریش۔" فریدی نے حمید کو جملہ پورا کرنے کا موقعہ دیئے بغیر کہا۔ "آپ وقت بہت مصروف معلوم ہوتے ہیں، ہم پھر ملیں گے۔"

فریدی اس سے مصافحہ کر کے آگے بڑھ گیا۔ پھر وہ دونوں اس جگہ جا کر رکے جہ اصطبلوں کا سلسلہ ختم ہوا تھا۔

یہاں پہنچے ہوئے انہیں تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک اصطبل سے ایک بدہیئت آ نکل کر ان کی طرف بڑھا۔ قریب پہنچ کر اس نے فریدی کو بڑے ادب سے سلام کیا۔ ویسے جو بشرہ شناسی میں کچھ نہ کچھ دخل رکھتا تھا اس کے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں قائم کر سکا۔

"سب ٹھیک ہے جناب۔ میں نے بہت کڑی نظر رکھی ہے۔ آپ لوگوں کے علاوہ ا تک ادھر کوئی غیر جانا پہچانا آدمی نہیں آیا۔"

"اور کوئی خاص بات۔"

"نہیں جناب....اور سب ٹھیک ہے۔"

"اچھا جاؤ....!"

وہ چلا گیا۔ حمید نے اس کے متعلق پوچھا۔ مگر کوئی تسلی بخش جواب نہ ملا۔

ریس کا سگنل ہونے سے کچھ دیر قبل ہی وہ وہاں پہنچ گئے جہاں سے انہیں ریس دیکھنی تھی۔ سگنل ہوا، گھوڑے دوڑ پڑے....میری جیرنگٹن کا ٹمپسٹ دوسرے نمبر پر تھا۔ خان افضل کا تھنڈر اس کے آگے جا رہا تھا۔ اچانک ایک تیسرے گھوڑے نے تھنڈر کے آگے نکلنے کی کوشش کی۔ اس طرح وہ ٹمپسٹ کے برابر پہنچ گیا۔ ٹمپسٹ اور تھنڈر میں بہت کم فاصلہ تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ٹمپسٹ بھی تھنڈر کے برابر پہنچ گیا۔ تیسرا گھوڑا دونوں کے پیچھے رہ گیا۔ تھنڈر اب ٹمپسٹ کے پیچھے تھا۔ پھر یک بیک ٹمپسٹ سر کے بل نیچے چلا گیا۔ کچھ سمجھ ہی میں نہ آ سکا کہ وہ کیسے گرا۔ خان افضل کا تھنڈر طوفان کی طرح آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

اور پھر کچھ دیر بعد تھنڈر کی جیت کا اعلان کر دیا گیا۔

ٹمپسٹ کے گرد بھیڑ اکٹھا ہو گئی تھی اور زیادہ تر تماشائی ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں بھر رہے تھے کیونکہ سب سے زیادہ ٹکٹ ٹمپسٹ ہی کے نمبر کے بکے تھے۔

ادھر ٹمپسٹ کا جاکی تو گرتے ہی ختم ہو گیا تھا کیونکہ وہ بھی سر کے بل ہی گرا تھا اور اس کے سر کی ہڈیاں چور چور ہو گئی تھیں۔

ٹمپسٹ کو تھوڑی دیر بعد گولی مار دی گئی کیونکہ اس کے ایک پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔

گریش دیوانوں کی طرح چیختا پھر رہا تھا۔ "یہ دھوکا تھا....یہ سازش تھی۔"

پھر اس کی آواز لاؤڈ سپیکر پر سنی گئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "کرنل صاحب....خدارا ٹمپسٹ کی لاش کے پاس آیئے۔ میں ثابت کر دوں گا کہ یہ سازش تھی....جلد آیئے۔"

بڑی عجیب بات تھی۔ مردہ جاکی کی کسی کو بھی پرواہ نہیں تھی۔ نہ گریش کو نہ تماشائیوں کو۔ گریش گھوڑے کی لاش پر ماتم کر رہا تھا اور تماشائی اپنی لگائی ہوئی رقم کے ضائع ہونے پر آہیں بھر رہے تھے۔ ایک آدمی بھی مر گیا تھا۔ مگر وہ آدمی نہیں تھا۔ وہ تو صرف جاکی تھا۔ جاکی بہت ملتے ہیں مگر ٹمپسٹ جیسے گھوڑے نایاب ہیں۔

"مجھے کیوں بلایا ہے؟" فریدی نے گریش کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اوہ....کرنل صاحب۔" گریش گلوگیر آواز میں بولا۔ "سازش۔"

"ہاں....ہو سکتا ہے۔ لیکن مجھے اس کی موت سے زیادہ جاکی کی موت سے سروکار ہے۔"

یقیناً سازش کرنے والے کی سزا موت ہی ہونی چاہیے۔ اس کا کیا نام تھا....؟''

''سندر....!'' گریش نے کہا۔

''ہاں....اچھا....آپ نے مائیکروفون پر کہا تھا کہ آپ اسے سازش ثابت کریں گے'' فریدی نے کہا۔

''جی ہاں.... میں ثابت کردوں گا۔ میں سچ کہتا ہوں آپ سے.... اگر مجھے ہو جائے کہ یہ کس کی حرکت ہے تو میں اسے اسی طرح گولی مار دوں۔''

پھر اس نے ٹمپسٹ کا ٹوٹا ہوا پیر اٹھا کر کہا۔ ''یہ دیکھئے....اس کی نعل غائب ہے۔'' اس کے ٹوٹے ہوئے پیر کی نعل غائب تھی۔

فریدی کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ''ہاں .... ہے'' اور وہ متجسس نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

''اس ریس کورس کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ دوڑتے وقت کسی گھوڑے کی نعل گئی ہو۔'' گریش نے کہا۔

''سائیس کہاں ہے؟'' فریدی نے پوچھا۔

''سائیس....اوہ....سائیس....کمال ہے.... یہ سب کچھ ہو گیا اور سائیس ندارد۔'' گر بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

فریدی اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ حمید نے اسے کئی قسم کے معنی پہنانے کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

''کیا وہ اس وقت اصطبل میں موجود تھا، جب گھوڑا لایا جا رہا تھا؟'' فریدی نے پوچھا۔

''جی ہاں قطعی تھا....آہا....میں بھی کتنا گدھا ہوں.... یہ حرکت سائیس کو ملائے بغیر ہی نہیں سکتی۔''

''نعلیں کس نے جانچی تھیں؟''

''کمپنی کے ایگزامینر نے.... میں بھی موجود تھا۔ اس نے نعلوں کی طرف سے بے اطمی نہیں ظاہر کی تھی۔''

''ریس شروع ہونے سے کتنی دیر پہلے جانچ کی گئی تھی؟''

''شاید دو گھنٹے قبل....جی ہاں....اور کیا....!''

''میں ایگزامینر اور سائیس دونوں سے ملنا چاہتا ہوں۔''

ایگزامینر نے فریدی کے استفسار پر صاف کہہ دیا کہ جس وقت اس نے جانچ کی تھیں نعلیں میں کسی قسم کی کوئی خامی نہیں پائی گئی تھی۔ اس کے بعد اگر کچھ ہوا تو وہ اس کے لئے ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا۔

''نعل تو بہرحال رہی ہوگی۔'' گریش بولا۔ ''میرے جاکی! ریس شروع ہونے سے دس منٹ قبل بھی نعلیں کی جانچ کرتے ہیں۔''

''تب پھر یہ محض اتفاق بھی ہو سکتا ہے کہ دوڑتے دوڑتے ایک نعل نکل گیا۔ آپ یقین کے ساتھ اسے سازش نہیں قرار دے سکتے۔''

''آپ جانئے۔'' گریش بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''میں نے آپ کو آگاہ کر دیا۔''

''یہ میرا قطعی فیصلہ نہیں تھا۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''میں صرف امکانات پر غور کر رہا ہوں۔ خیر اب ہمیں سائیس کو بھی دیکھنا چاہیے، کیونکہ اس وقت تو نعل بدلی نہیں جا سکتی جب گھوڑا دوڑ رہا ہو۔''

وہ اصطبل میں آئے....سائیس غائب تھا۔ دوسروں سے پوچھ گچھ کرنے کے باوجود بھی اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

''دیکھ لیا آپ نے....!'' گریش نے کہا۔ ''حالانکہ اسے گھوڑے کی واپسی تک یہیں رہنا چاہئے تھا۔''

فریدی کچھ سوچنے لگا۔ لیکن اس کی متجسس نظریں اب بھی اصطبل میں چاروں طرف بھٹکتی پھر رہی تھیں۔

اچانک بھوسے کے ایک ڈھیر میں حرکت ہوئی اور ایک پیر اس میں سے نکل کر فرش پر پھیل گیا۔

''ارے....!'' گریش اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

پھر وہ بڑی تیزی سے بھوسے کے اس ڈھیر کو ادھر اُدھر پھیلانے لگا۔

''یہی.... یہی ہے۔'' گریش نے بے ساختہ کہا۔ ایک بیہوش آدمی فرش پر پڑا تھا۔ اس کے سر کا پچھلا حصہ بُری طرح زخمی تھا۔ کسی وزنی چیز سے اُس کے سر پر ضرب لگائی گئی تھی۔

''میرے اندازے بہت کم غلط ہوتے ہیں۔'' گریش بڑبڑا رہا تھا۔ ''سازشی یہ چاہتے تھے کہ میری کی موت کے بعد ٹمپسٹ بھی نہ دوڑ سکے گا۔''

''پہلے اسے ہوش میں لانا چاہئے۔'' فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

تقریباً آدھ گھنٹے کی جدو جہد کے بعد وہ ہوش میں آیا۔ لیکن اس کی حالت اچھی نہ تھی۔ اس نے جو کچھ بتایا وہ غیر تشفی بخش تھا۔

اس کے بیان کے مطابق کسی نے اس کی لاعلمی میں عقب سے حملہ کیا تھا۔ سرکی ضرب نے اسے مڑ کر دیکھنے کا بھی موقعہ نہ دیا۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتا سکا۔ حتیٰ کہ کسی پر شبہ کرنے سے بھی انکار کر دیا۔

''شاید اسکاٹ لینڈ یارڈ والے بھی سرخ دائرہ والوں کا سراغ نہ پا سکیں۔'' فریدی نے سامنہ بنا کر کہا۔ ''کم بخت غلطی کرنا تو جانتے ہی نہیں۔''

شکار کے لئے

تین دن تک وہ مکھیاں مارتے رہے۔ یہ حمید کا خیال تھا کہ آج کل وہ لوگ مکھیاں مار رہے ہیں۔ ریس کورس والے واقعات کے بعد سے پھر کوئی واردات نہیں ہوئی تھی اور وہ دونوں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے تھے۔ حمید فریدی کو بات بات پر چھیڑتا رہتا۔

''جناب....!'' وہ کہتا۔ ''یہاں پانچ زندگیاں ختم ہوگئیں اور تفتیش کا یہ عالم ہے کہ روزِ اول.... کیا میں یہ سمجھ لوں کہ آپ ذہنی طور پر تھک گئے ہیں۔''

''ناممکن نہیں ہے۔'' فریدی کا جواب ہوتا۔

آج تو دونوں میں صبح ہی سے بڑی گرما گرم بحث ہو رہی تھی۔ آخر فریدی نے تنگ آ کر کہا۔

''تم یہ نہ سمجھو کہ میں مجرم سے واقف نہیں ہوں۔ اس کے خلاف کوئی ثبوت اب تک میرے ہاتھ نہیں لگا۔ جس دن مجھے اس کی طرف سے اطمینان ہوا.... مجرم کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں دیکھ لینا۔''

''تھکے ہوئے ذہن کی بات ہے۔ مگر خیر اسی بات کی خوشی ہے کہ ابھی اس میں اپج کا مادہ باقی ہے جسے آپ پکڑیں گے کہہ دیں گے کہ میں نے اسی کے لئے کہا تھا۔''

''ابے کیوں غصہ دلاتا ہے مجھے۔'' فریدی بے ساختہ ہنس پڑا۔

''غصے میں بھی آپ ثبوت مہیا کئے بغیر اُسے گرفتار نہیں کریں گے۔ میں جانتا ہوں۔''

''پرواہ مت کرو.... ویسے اگر تم چاہو تو میں تمہیں مجرم کا نام اور پتہ لکھ کر دے دوں۔ مگر اسے اس وقت تک نہ دیکھنا جب تک مجرم گرفتار نہ ہو جائے۔''

''اچھا چلئے.... یہی سہی۔''

فریدی نے ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر اسے لفافے میں رکھتے ہوئے کہا۔

''میں اسے سیل کر کے تمہارے سپرد کر دوں گا۔''

اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے بولنے والا شاید کوئی بہت ہی اہم بات کہہ رہا تھا۔ فریدی کے چہرے پر کچھ اسی قسم کے آثار تھے۔

آخر فریدی نے یہ کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔ ''میں ابھی آ رہا ہوں۔''

''کیوں اب کیا ہوا؟''

''وہی پراسرار آدمی پھر دکھائی دیئے ہیں جو ریس والے حادثات سے پہلے کیفے جبران کی نگرانی کرتے رہے تھے۔''

''وہ....!''

''چلو اٹھو....!''

''کیا اٹھوں.... میں جب بھی وہاں جاتا ہوں میری جیرنگٹن بُری طرح یاد آنے لگتی ہے اور ساتھ ہی ریکھا کی بے مہری بھی۔ خیر میں بھی دیکھوں گا کہ یہ صاحبزادے کتنے پانی میں ہیں۔''

''افسوس یہ ہے کہ عورت آدمی کو جنم دیتی ہے اس کی قبر نہیں بن سکتی۔ ورنہ میں تمہارے

لئے اس کی کوشش کرتا۔'' فریدی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور حمید ہنسنے لگا۔

پھر وہ دونوں کیفے جبران کے لئے روانہ ہوگئے۔ فریدی کار کو کیفے جبران تک نہیں لے گیا، بلکہ اسے ایک فرلانگ کے فاصلے پر ایک گلی میں کھڑا کر کے پیدل ہی کیفے جبران کی طرف چل پڑا۔

''ٹھہرو...!'' فریدی چلتے چلتے رک کر بولا۔ ''ہاں ہے تو... گریش نے یہی حلیہ بتایا تھا وہ کیفے کی مخالف سمت میں فٹ پاتھ... ابے وہ سیاہ ڈاڑھی والا...!''

''آہا... ہے تو... پھر...؟''

''تم یہیں... اسی جگہ ٹھہرو... میں عقبی دروازے سے کیفے میں جاتا ہوں۔''

فریدی حمید کو وہیں چھوڑ کر کیفے میں چلا گیا۔ وہ عقبی دروازے سے داخل ہونے پر ہال سے گذرے بغیر منیجر کے کمرے تک پہنچ گیا۔

''اوہ آپ آ گئے۔'' گریش اٹھتا ہوا بولا۔ ''ایک باہر موجود ہے اور دوسرا ہال میں۔ بتایئے میں کیا کروں؟''

''فکر نہ کرو... ہال میں کون ہے!''

''وہ بھی ڈاڑھی ہی میں ہے اور اس کے جسم پر سفید کوٹ ہے۔''

''کیا بس یہ صرف نگرانی ہی کیا کرتے ہیں یا کوئی اور بھی حرکت...؟'' فریدی نے پوچھا۔

''میرے اختلاج کے لئے یہ نگرانی ہی کیا کم ہے جناب۔''

''میں دیکھوں گا کہ یہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔'' فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''ویسے میں ایک ضروری بات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''فرمایئے...!''

''میری جیرنگٹن کے سلسلے میں آپ کا کوئی رقیب تو نہیں تھا...؟''

''اس قحبہ کا تو اب نام ہی نہ لیجئے۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ صرف میری پابند ہوتی تو سیسل کے نام سے لنکسن لین میں بھی کیوں رہتی۔''

''کیا آپ کسی ایسے آدمی سے واقف نہیں ہیں جس کی نظر اس پر رہی ہو؟''

''وہ ایک خوبصورت عورت تھی۔ ہر ایک کی نظر اس پر رہی ہوگی۔''

''آپ کسی پر شبہ نہیں ظاہر کر سکتے؟''

''نہیں، میں خواہ مخواہ کسی کی گردن نہیں پھنسوانا چاہتا۔''

''مجھے اس کے عاشقوں کی لسٹ چاہئے۔''

''کیا اب آپ میرا مضحکہ اڑانا چاہتے ہیں کرنل صاحب۔''

''نہیں... میں ایک ضروری بات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''مجھے علم نہیں ہے۔'' منیجر نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

''خیر آپ نہ بتایئے... لیکن خان افضل کم از کم اس کے نصف درجن عاشقوں کے نام تو بتا ہی سکے گا۔''

''کیا مطلب...؟''

''سردار افضل نے اس کے کثیر العشاق ہونے کا تذکرہ کیا تھا۔''

''تو وہ کتا... اب اس طرح مجھے بھی ذلیل کرنا چاہتا ہے۔'' گریش نے غرا کر کہا۔ ''میری عورتیں صرف میری پابند رہی ہیں۔ یقیناً میری کسی سازش کا شکار ہوئی ہے۔ آپ نے بتایا تھا کہ وہ کسی سرکاری سراغ رساں کا تعاقب کرتی ہوئی نیا گرا تک گئی تھی۔''

''ہاں... میں نے کہا تھا۔''

''پھر آپ بتایئے میں کیسے سمجھ لوں کہ وہ بھی کسی سازش کا شکار نہیں تھی۔ اگر وہ صرف عشق کا معاملہ تھا تو نام تبدیل کر کے عشق کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آ سکتی۔''

''حالانکہ عشق میں نام و نشان تک مٹ جاتا ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''خیر اسے چھوڑیئے۔ میں ذرا اس ڈاڑھی والے سفید کوٹ کو بھی دیکھ لوں۔''

وہ عقبی دروازے سے نکل کر پھر گلی میں پہنچ گیا۔ وہ کیفے کے صدر دروازے سے ہال میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ سڑک پر پہنچ کر اس نے اس سمت نگاہ ڈالی جہاں حمید کو چھوڑا تھا۔ مگر حمید نظر نہیں آیا اور کیفے کے سامنے والے فٹ پاتھ پر وہ آدمی بھی موجود نہیں تھا جس کی نگرانی کے لئے اس نے حمید کو ہدایت کی تھی۔ البتہ اس کی بجائے... مگر فریدی فوری طور پر اس کا فیصلہ

نہ کر سکا کہ اس دوسرے نے پہلے کی جگہ سنبھالی ہے۔ وہ ایک ملبوسات کی دوکان کے شوکیس جھکا ہوا تھا۔ لیکن اس کا حلیہ اسی آدمی کا سا تھا جس کے متعلق گریش نے اطلاع دی تھی کہ کیفے کے ہال میں موجود ہے یعنی ڈاڑھی والا جس کے جسم پر سفید کوٹ تھا۔

میک اپ کے ماہر فریدی کو اس کی ڈاڑھی کچھ مصنوعی سی معلوم ہو رہی تھی۔ اس آدمی نے شوکیس کے پاس سے ہٹ کر ایک نظر کیفے کی طرف ڈالی اور ملبوسات کی دوکان میں چلا گیا۔ فریدی تیزی سے چلتا ہوا کیفے کے ہال میں آیا۔ مگر یہاں کوئی ایسا آدمی موجود نہیں تھا جس کے سیاہ ڈاڑھی ہوتی۔ وہ پھر اتنی ہی تیزی سے واپس آیا۔ سڑک پار کرتے وقت اس نے تیز قدمی کا مظاہرہ نہیں کیا، ملبوسات کی دوکان میں ڈاڑھی والا اب بھی موجود تھا۔ فریدی دوکان میں داخل ہو گیا اور اس نے دوکان دار سے جدید ترین تراش کے فراکوں کی فرمائش کی۔ دراصل اس آدمی کو قریب سے دیکھ کر اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ وہ میک اپ میں ہے یا نہیں؟

دوسرا آدمی اسے نیچے سے اوپر تک دیکھ کر اپنے سامنے پھیلے ہوئے ملبوسات کا جائزہ لینے لگا۔

دو چار فراک دیکھنے کے بعد فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ”مجھے تو سبھی اچھے معلوم ہو رہے ہیں۔ مگر پہننے والی....“ پھر وہ اس طرح بڑبڑانے لگا جیسے بلند آواز میں سوچ رہا ہو۔ ”وہی آکر لے جائیں گی۔“ پھر دوکاندار سے بولا۔ ”اچھا.... بہت بہت شکریہ.... شام کو پھر آئیں گے۔ ممکن ہے ناپسند کر دیا جائے۔“

دوکان سے نکل کر پبلک فون بوتھ سے اس نے سادہ لباس والوں کے لئے ایک قریبی اسٹیشن کو فون کیا اور شاید دو ہی منٹ بعد دو آدمی وہاں پہنچ گئے۔ فریدی انہیں سیاہ ڈاڑھی والے کی نگرانی کی ہدایت دے کر وہاں سے ہٹ آیا۔ لیکن کیفے جبران میں دوبارہ داخل نہیں ہوا۔

اب وہ حمید کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ حمید اسکے تعاقب میں ضرور رہا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے اس سلسلے میں کوئی پیغام بھی بھیجا ہو.... یہ سوچ کر وہ گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس کا خیال غلط نہیں تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں حمید نے اُس کے لئے دوبار فون کیا تھا۔ آخری کال یہ تھی کہ ارجن پورے کی شہامت بلڈنگ کے نیچے والے چائے خانے میں

اُسے پہنچ جانا چاہئے۔

فریدی کے لئے ایک سیکنڈ کی بھی دیر کرنا ناممکنات میں سے تھا۔ اب وہ ارجن پورے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک اس کیس سے بُری طرح اکتا گیا ہوتا۔ دوسرے اکتا ہی گئے تھے۔ آصف کی پارٹی کو تو ابھی تک سیسل پیکرافٹ ہی کی حقیقت نہیں معلوم ہو سکی تھی۔ کیونکہ اخبارات میں اس کے قتل کی خبر شائع ہوئی تھی۔ تصویر نہیں چھپی تھی۔ ریکھا کو صرف اتنا معلوم تھا کہ وہ لڑکی قتل کر دی گئی جس نے اُس کا نیاگرہ تک تعاقب کیا تھا۔ لیکن فریدی نے اسے اس چیز کا اظہار کرنے سے بھی روک دیا تھا۔ بہر حال ابھی تک یہ بات ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ سیسل پیکرافٹ کے نام سے قتل ہونے والی میری جیرنگٹن تھی۔

چائے خانے میں حمید سے ملاقات ہوئی۔ فریدی کو دیکھتے ہی حمید کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس نے آہستہ سے کہا۔ ”وہ چاروں اسی عمارت کی اوپری منزل پر رہتے ہیں اور ابھی حال ہی میں ایک پانچواں آدمی بھی ان کا شریک ہوا ہے۔“

”کس کی باتیں کر رہے ہو۔“ فریدی بڑبڑایا۔

”شروع سے سنئے۔ میں اس آدمی کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہوں وہ اوپری منزل پر چلا گیا اور میں نے یہاں اس کے متعلق پوچھ گچھ کی۔ وہ تعداد میں چار ہیں۔ یہاں کے لوگوں کو اس لئے عجیب معلوم ہوتے ہیں کہ چاروں ڈاڑھی والے ہیں اور پانچواں جو ان کے بعد آیا ہے میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔“

”کون ہے؟“

”کیشو....!“

”اوہ.... ہو! وہ نقب زن۔“

”جی ہاں.... وہی....!“

”اچھا.... پھر....!“

”اس وقت کیشو بھی اوپری منزل پر موجود ہے۔“

فریدی کچھ سوچنے لگا اور حمید نے کہا۔

"اگر یہ چاروں وہی ہوئے تو.... مطلب یہ کہ وہ چار آدمی جو ڈیکارٹس کی میز پر
کرتے تھے؟"

"ممکن ہے۔" فریدی نے بے خیالی کے انداز میں جواب دیا۔ پھر چونک کر بولا۔
ان کا انتظام کئے دیتا ہوں۔ یہ کام تمہاری شایانِ شان نہیں کہ نقب زنوں اور معمولی اچکوں
تعاقب کرتے پھرو۔"

"یعنی آپ کو یقین نہیں ہے کہ یہ وہی چاروں ہیں۔" حمید نے کہا۔

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر اٹھ گیا اور حمید کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑا۔ فریدی نے اپنی کار پر گھر واپس جانے کو کہا.... وہ اس وقت اس کے کسی سوال کا جواب دینے پر آمادہ نہیں آتا تھا۔

پھر اس کے بعد حمید کو علم نہیں تھا کہ وہ سارا دن کیا کرتا رہا۔ تقریباً نو بجے رات کو فون آیا۔ اس نے حمید کو بینک آف تہران کے قریب ایک ریستوران میں بلایا تھا۔ حمید وقت باہر جانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ کیونکہ آج نہ جانے کیوں ریکھا نے بھی نو بجے اس پاس پہنچنے کی اطلاع دی تھی اور حمید اس وقت اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ بہرحال حمید نے فریدی سے پوچھا کہ کیا وہ ریکھا کو بھی اپنے ساتھ لا سکتا ہے؟ اس پر فریدی کی آواز کچھ غصیلی تھی۔ لیکن اس نے اسے اس سے روکا نہیں۔

ٹھیک نو بجے ریکھا آ گئی۔ لیکن وہ کہیں جانے پر تیار نہیں تھی۔ غالباً وہ سرخ دائرہ بارے میں کوئی گفتگو کرنے آئی تھی۔

"میں آپ کو اس وقت فریدی صاحب کے پاس لے جانا چاہتا ہوں۔ مطمئن رہئے
کسی ہوٹل میں لے جا کر رقص کی درخواست نہیں کروں گا۔"

وہ بینک آف تہران کی طرف روانہ ہو گئے۔ فریدی ایکس وائی زیڈ ریستوران میں تھا لیکن وہ تنہا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ گریش بھی تھا۔

"سنو حمید! اور تم بھی سنو ریکھا۔" اس نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "آج میں سرخ والوں کو گرفتار کرنے جا رہا ہوں۔ وہ بینک آف تہران میں چوری کریں گے۔ میرا خیال

یہ وہی چاروں ہیں جو کیفے جبران کی تیرھویں میز پر بیٹھا کرتے تھے۔ اسی لئے گریش صاحب بھی میرے ساتھ ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ ریکھا کے چہرے سے بھی صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کچھ سمجھ ہی نہیں سکی۔

"مگر آپ کام خراب کر دینے پر تلے ہوئے ہیں کرنل صاحب۔ میں آپ سے پھر کہہ رہا ہوں کہ فورس بلوا لیجئے۔"

"نہیں گریش صاحب، یہ میرے اصول کے خلاف ہے، وہ چار ہوں یا چار سو، کام اکیلے ہی ہوگا۔ فورس کا مطلب ہے ہنگامہ.... اور ہنگامے کا مطلب تو آپ سمجھتے ہی ہیں۔ اب دیکھئے گا کہ یہ کام کتنے شاعرانہ انداز میں انجام پاتا ہے۔ کیونکہ ہمارے ساتھ لیڈی انسپکٹر مس ریکھا بھی ہیں۔"

شکار اور شکاری

ریکھا کچھ جھینپی اور کچھ جھنجھلائی۔ کیونکہ گریش اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اسے فریدی سے توقع نہیں تھی کہ وہ کسی موقع پر اس طرح اس کی ٹانگ گھسیٹے گا۔

"میں کس طرح یقین کر لوں کہ آپ کامیاب ہی ہو جائیں گے۔" گریش نے کہا۔

"ہوسکتا ہے یہ اطلاع ہی غلط ہو کہ آج وہ یہاں چوری کریں گے، یا درست ہونے کی صورت میں یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ آپ کی طرف سے ہوشیار ہوں۔"

"اس کی فکر نہ کیجئے.... میرے مخبر بہت کم غلطیاں کرتے ہیں۔"

تقریباً گیارہ بجے تک وہ وہیں بیٹھے رہے۔ پھر وہاں سے اٹھ کر دوسرے ریستوران میں جا بیٹھے۔ لیکن اس علاقے میں ایک بھی ایسا ہوٹل یا ریستوران نہیں تھا جس میں رات بھر کی سروس چلتی رہی ہو۔ ایک بجے وہ تیسرے ریستوران سے اٹھے جو بند ہونے والا تھا۔

"حمید ریوالور ہے تمہارے پاس۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"میں آج کل ہر وقت ریوالور رکھتا ہوں۔"

"خیر.... ٹھیک ہے۔ دو ریوالور کافی ہیں۔"

پھر اچانک فریدی نے انہیں چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ بینک کی عمارت کی دائیں ہاتھ والی گلی میں داخل ہو رہے تھے۔ آس پاس کی دوکانیں بند ہو چکی تھیں اور یہ حصہ نہ صرف ویران بلکہ تاریک بھی تھا۔

"لیکن ہمیں معلوم کیسے ہوگا کہ وہ عمارت میں داخل ہو گئے۔" گریش نے سرگوشی کی۔

"ابھی حال ہی میں ایک نقب زن بھی ان میں شامل ہو گیا ہے۔ کیشو یہاں کا مشہور نقب زن اور کئی بار کا سزا یافتہ ہے۔ میں نے آج ہی اُسے توڑ لیا ہے۔ وہ ہمیں سگنل دے گا۔"

"تب تو پھر بازی ماری۔" گریش نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اب ہم مطمئن ہوں۔ میدان آپ ہی کے ہاتھ رہے گا۔"

"اب اگر ہم خاموشی اختیار کریں تو بہتر ہے۔" فریدی بولا۔

وہ تقریباً ایک گھنٹے تک اندھیرے میں دیوار سے لگے کھڑے رہے۔ پھر اوپر کی ایک کھڑکی میں ایک ننھا سا چمکدار نقطہ نظر آیا۔ یہ غالباً سلگتی ہوئی سگریٹ تھی۔ "آؤ....." فریدی سڑک کی طرف بڑھتا ہوا آہستہ سے بولا۔

وہ سڑک پر آئے.... بینک کی عمارت کے نیچے پہرہ دینے والے سنتری غائب تھے لیکن ان کی بندوقیں دیوار سے ٹکی کھڑی تھیں۔

فریدی دبے پاؤں چلتا ہوا دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ نزدیک یا دور ایک متنفس بھی نہیں نظر آ رہا تھا۔ حمید کو حیرت تھی کہ آخر سنتری کہاں گئے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں ان دونوں کی لاشوں سے سابقہ نہ پڑے۔

اندر ہر طرف تاریکی تھی۔ فریدی کی ننھی سی ٹارچ کی باریک سی شعاع ان کی رہنمائی کر رہی تھی۔

تھوڑی ہی دیر چلنے کے بعد انہوں نے قدموں کی چاپ سنی، وہ رک گئے۔ ساتھ ہی آواز آنی بند ہو گئی۔ فریدی تقریباً پانچ منٹ تک وہیں ٹھہرا رہا۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے یہ بتانا دشوار تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ وہ پھر آگے بڑھے۔ اب

فریدی اپنی ٹارچ بہت کم روشن کر رہا تھا اور وہ چاروں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے ایک قطار میں آگے بڑھ رہے تھے۔ فریدی سب سے آگے تھا۔ شاید ریکھا کے لئے اس قسم کی مہم نئی چیز تھی۔ کیونکہ حمید اس کی گہری گہری سانسوں کی آواز سن رہا تھا۔

اچانک وہ چلتے چلتے روشنی میں آ گئے۔ کمرہ پوری طرح روشن تھا اور شاید بینک کا اسٹرانگ روم ہی تھا۔ کیونکہ یہاں چاروں طرف تجوریاں ہی تجوریاں نظر آ رہی تھیں۔

ان میں تین تجوریاں انہیں کھلی نظر آئیں۔ ایک کے نیچے چند چھوٹے چھوٹے زیورات بھی پڑے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے بہت ہی جلدی میں تجوری کا سامان سمیٹا ہو اور گری پڑی چیزوں پر دھیان دیئے بغیر وہاں سے چلا گیا ہو۔

"چوٹ ہو گئی..... چلو۔" فریدی بڑی تیزی سے واپسی کے لئے مڑا۔ حمید اور ریکھا بھی دروازے کی طرف جھپٹے۔ وہ دروازے تک پہنچ بھی گئے لیکن فریدی! ان کے منہ حیرت سے کھلے رہ گئے۔ کیونکہ فریدی نے آگے بڑھنے کی بجائے پلٹ کر گریش کے جبڑے پر گھونسہ رسید کر دیا تھا۔

گریش اچھل کر دوسری طرف کی دیوار سے جا ٹکرایا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسٹرانگ روم فائر کی آواز سے گونج کر رہ گیا۔ گریش نے گرتے گرتے فریدی پر فائر کر دیا تھا۔

دوسرا فائر پھر ہوا۔ حمید اور ریکھا جو دروازے ہی پر تھے بدحواسی میں اسٹرانگ روم سے نکل گئے۔

لیکن فریدی..... اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید کو یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کمرے کے اندر ہی ہے یا باہر نکل گیا۔ اچانک حمید کو اپنی اس بزدلی کا احساس ہوا اور وہ ریوالور نکال ہی رہا تھا کہ اندر پھر ایک فائر ہوا۔

"گریش ریوالور پھینک دو۔" انہوں نے فریدی کی آواز سنی۔ "نہ تم مجھے گولی مار سکتے ہو اور نہ یہاں سے نکل سکتے ہو۔ بہتر یہی ہے کہ دائرہ پورا کر دو۔ وہ ابھی ادھورا ہے۔ فریدی کے سامنے ہاتھ کی صفائی ذرا مشکل ہی سے چلتی ہے۔"

اس بات کا جواب تیسرے فائر نے دیا۔ حمید نے فائر کے بعد ہی فریدی کا قہقہہ سنا جو

کہہ رہا تھا۔ ''اچھا گریش خالی کر ڈالو اپنا ریوالور اور آسانی رہے گی۔ میں نے تو قسم کھا
کہ تم جیسے چوہوں پر اپنے کارتوس کبھی برباد نہ کروں گا۔''

پھر اچانک ریکھا اور حمید نے اپنی پشت پر بھاری قدموں کی آوازیں سنیں۔ پانچ
انکی طرف بڑھ رہے تھے۔ یہ لمبے سیاہ لبادوں اور چہرے تک جھکی ہوئی فلٹ ہیٹوں میں

''خبردار آگے نہ بڑھنا۔'' حمید نے ریوالور کا رخ ان کی طرف کرتے ہوئے کہا

''ہمارے پاس پانچ ریوالور ہیں۔ سمجھے جناب کپتان صاحب۔'' آنے والوں میں
ایک نے کہا.... مگر اس کی آواز سن کر حمید کا ہاتھ خود بخود جھک گیا۔ یہ کوتوالی انچارج
جگدیش کی آواز تھی۔ جگدیش نے فلٹ ہیٹ کا گوشہ اوپر اٹھا دیا اور پھر کسی شبہے کی گنجائش
رہ گئی۔ دوسروں کے چہرے بھی اب روشنی میں آ گئے تھے۔ حمید نے ایک ایک کو پہچان لیا
چاروں سب انسپکٹر تھے۔

اچانک اندر سے دھینگا مشتی کی آواز آنے لگی۔ حمید دروازے کے سامنے آ گیا۔

فریدی گریش پر ٹوٹ پڑا تھا۔ شاید وہ ابھی تک تجوری کی اوٹ میں چھپا رہا تھا۔ گر
اتنے آدمیوں کی بھیڑ دیکھ کر شاید مایوس ہو گیا تھا۔ کیونکہ جیسے ہی لوگ اندر داخل ہوئے اس
ہاتھ پیر ڈال دیئے۔ اس کا ریوالور دور فرش پر پڑا ہوا تھا۔

فریدی اسے کالر سے پکڑ کر اٹھاتا ہوا بولا۔ ''دائرہ پورا کرو۔''

اس نے ایک تجوری کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا۔ حمید کی نظر تجوری پر پڑی.... ا
ایک نامکمل سرخ دائرہ موجود تھا اور اس کے نیچے فرش پر سرخ رنگ کی چاک کا ٹکڑا پڑا ہوا تھا

گریش بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ فریدی مسکرا کر بولا۔ ''ان پانچ چوروں سے بھی
لیکن ان میں سے ایک بھی نقب زنی کا سلیقہ نہیں رکھتا۔ وہ پانچوں تو بیچارے دو پہر سے
حوالات میں ہیں۔''

ان پانچوں نے اپنے لبادے ڈھیلے کر دیئے تھے اور ان کے نیچے سے ان کی وردیاں
صاف نظر آ رہی تھیں۔

''گریش.... قاتل ایک نہ ایک دن پکڑا ہی جاتا ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی پھرتیلا اور چالاک

کیوں نہ ہو۔'' فریدی بولا۔ ''تم نے اُن پانچوں کو محض اس لئے پھانسا تھا کہ ایک دن قتل کے
الزامات ان کے سر تھوپ کر خود الگ ہو جاؤ۔ تم نے چن چن کر پانچ شاطر چوروں کو اکٹھا کیا
تھا۔ طریقہ کار ایسا تھا کہ وہ تمہاری شخصیت سے واقف نہ ہو سکے۔ تم ان کے ساتھ سائے کی
طرح لگے رہتے تھے۔ وہ جہاں کہیں بھی چوریاں کرتے تم بھی ان کی لاعلمی میں ان کے قریب
ہی ہوتے تھے۔ وہ اپنا کام کر کے ہٹے اور تم نے اپنا کام شروع کر دیا۔ یعنی وہاں ایک سرخ
دائرہ بنا کر رفو چکر ہو گئے۔ قتل کی وارداتوں کی ان غریبوں کو خبر تک نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ قتل تم
کرتے تھے اور وہاں بھی سرخ دائرہ بناتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ ہم لوگوں نے ان سب وارداتوں
کو کسی ایک پارٹی سے منسوب کرنا شروع کر دیا۔ تمہارا مقصد بھی یہی تھا تم ان چاروں کو میک
اپ میں بھی پہچانتے تھے۔ اس لئے تم نے مجھے ان کے پیچھے لگایا۔ تم نے یہ سوچا ہوگا کہ میں
کچھ دنوں تک ان کی نگرانی کراؤں گا۔ محض اس لئے کہ ان کے خلاف زیادہ سے زیادہ ثبوت
فراہم کر سکوں اور تم اس دوران میں ان کی معیت میں پھر کہیں نہ کہیں اس سرخ دائرہ سے
ملاقات کرا دو۔ لیکن میں نے آج خود ہی تمہارے لئے سارے مواقع فراہم کر دیئے۔ تمہیں
اس کا علم نہیں تھا کہ وہ چاروں پکڑے جا چکے ہیں ورنہ تم سے اس وقت یہاں دائرہ بنانے کی
حماقت سرزد نہ ہوتی۔ اس وقت تمہاری اسکیم یہ تھی کہ تم کسی جگہ سرخ دائرہ بنا دو گے۔ اگر وہ
چاروں پکڑ لئے گئے تو وہ دائرہ انہیں سے منسوب کیا جائے گا اور تم صاف اپنی گردن بچا لے
جاؤ گے اور ظاہر ہے کہ ان چاروں کی کہانیوں پر کسے یقین آتا.... لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ
مجھے تم پر پہلے ہی سے شبہ ہو چکا تھا۔ اسی رات کو جب تمہارے کیفے میں ڈیکارلس کا بھوت نمودار
ہوا تھا، تم نے اسے دیکھا تھا اور اس کی طرف سے لاپروائی برتی تھی۔ تم سمجھے تھے کہ شاید وہ
ڈیکارلس کے ساتھیوں ہی میں سے کسی کا بہروپ ہے۔ پھر تم نے باہر نکل کر لوگوں سے کہنا
شروع کر دیا تھا کہ ہال میں تمہیں کچھ بھی نہیں دکھائی دیا تھا.... اگر تمہیں یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ
بھوت فریدی تھا تو تم چیخ مار کر بے ہوش ہو جانے کی ایکٹنگ ضرور کرتے کیوں.... کیا کہتے
ہو۔'' فریدی نے اس کے گریبان کو جھٹکا دیا۔

گریش اس طرح لڑکھڑایا کہ فریدی بھی اس کے ساتھ گرتے گرتے بچا۔

گریش بے حس و حرکت فرش پر پڑا تھا۔

''ارے....!'' دفعتاً فریدی اس پر جھکتا ہوا بولا۔ ''یہ تو مر گیا۔''

پھر شاید دو ہی منٹ بعد اس کے منہ اور ناک سے سبز رنگ کا پانی بہنے لگا۔ یہ ز علامت تھی۔ اس دوران میں کسی وقت اس نے ان کی لاعلمی میں زہر کھا لیا تھا۔ سوال یہ اسے زہر کہاں سے ملا؟ اس سلسلے میں صرف ایک ہی بات کہی جا سکتی تھی وہ یہ کہ اسے خو اب یقین نہ رہا ہوگا کہ وہ اپنی اسکیموں میں کامیاب ہی ہوتا رہے گا۔ اس لئے اس نے ا پاس زہر رکھنا شروع کر دیا تھا، تاکہ ضرورت پڑنے پر پھانسی کے پھندے سے تو محفوظ رہ

دوسرے دن کے اخبارات نے لیڈی انسپکٹر ریکھا، کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش چاروں سب انسپکٹروں کا یہ کارنامہ جلی حرفوں میں شائع کیا۔ فریدی اور حمید کا کہیں نام بھی تھا۔ لیکن ابھی تک یہ بات صاف نہیں ہوئی تھی کہ قتل کی ان وارداتوں کا مقصد کیا تھا۔ دریافت کرنے کے سلسلے میں فریدی کو بڑی محنت کرنی پڑی۔ جب اس نے اپنی تحقیقات ماحصل سامنے رکھا تو ایک کی بجائے دو مقاصد نظر آئے۔ ایک تو اس کا دوسرا گھوڑا شہباز ابھی تک ریس میں دوڑا نہیں تھا اس کے لئے اس نے اپنا بھی ایک گھوڑا ٹمپسٹ ختم کر دیا کے بعد شہباز کو بے خطر دوڑا سکتا تھا کیونکہ ٹمپسٹ کی موت کا الزام کسی دوسرے نامعلوم کے سر جا پڑتا۔ حقیقتاً وہ خان افضل کو پھانسنا چاہتا تھا کیونکہ ان چاروں میں خان افضل کا بھائی اکمل بھی شامل تھا۔

اس طرح تو قتل کی وارداتوں کا مقصد اپنے ایک گھوڑے کو ریس کے میدان میں تنہا تھا۔ دوسرے مقصد کے سلسلے میں حالات کا تجزیہ کرنے پر میری جیرنگٹن کی شخصیت ابھر آئی۔ کی تفتیش کے مطابق وہ نہ صرف فاحشہ بلکہ جنسی بوالہوسی کے مرض میں مبتلا تھی۔ صد اس دونوں جاکی اور وہ جاکی جو ٹمپسٹ سے گر کر مرا تھا سب کے سب اس کے اسیروں میں تھے۔ ہو سکتا ہے کہ گریش نے ان سب کے قتل کی اسکیم انتقامی جذبہ کے تحت بنائی ہو اور سا ہی ساتھ اس فتنے یعنی میری جیرنگٹن کا بھی خاتمہ کر دیا ہو۔ جس کی بدولت اسے دوسروں کو کرنا پڑا تھا۔

خان افضل کو تو وہ یقینی طور پر پھانسنا چاہتا تھا۔ جیسا کہ بعد کی تحقیقات سے ثابت ہوا۔ خان افضل اس کا بہت پرانا حریف اور رقیب تھا۔ وہ اسے نہ صرف کاروباری میدان میں اکثر شکست دیتا رہتا تھا، بلکہ اس کی بہتیری محبوباؤں پر بھی ڈورے ڈال چکا تھا۔

یہ بات راز ہی رہی کہ میری جیرنگٹن نے ریکھا کا تعاقب کیوں کیا تھا اور وہ گنگسن لین میں اپنا نام تبدیل کر کے گریش ہی کے ایماء پر رہی تھی یا اسے علم نہیں تھا کہ گریش اس کی دوسری حیثیت سے بھی واقف ہے۔

وہ فقیر بھی گریش ہی ہو سکتا تھا، جس نے چار عدد قربانی کے بکرے تیار کئے تھے۔ کیونکہ گریش کی قیام گاہ سے فریدی نے میک اپ کا بہت سا جدید ترین سامان بھی برآمد کیا تھا۔

بہر حال فریدی کو اسے اپنے ناکام کیسوں میں جگہ دینی پڑی۔ اس کا خیال تھا کہ گریش اگر زہر نہ کھاتا تو یہ بھی ممکن تھا کہ ان وارداتوں کا کوئی تیسرا مقصد بھی نکل آتا۔

البتہ آصف کی پشت پر بنائے جانے والے نشانات کے متعلق وہ اب بھی شبہے میں تھا۔ اس کی دانست میں دلیر سے دلیر مجرم بھی اس قسم کا خطرہ نہیں مول لے سکتا۔

آخر ایک دن اس نے بہت غور و خوض کے بعد حمید کے کان پکڑ ہی لئے۔

اور حمید کو اعتراف کرنا پڑا کہ یہ حرکت اس کی تھی۔

''میں نے جناب۔'' اس نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ''کم از کم ایک ماہ کے لئے آصف کی زندگی تلخ کر دی تھی اور میری جیرنگٹن کی قتل والی رات کو تو مزہ ہی آ گیا تھا۔ میں نے ایک تاریک گلی میں اس کی ٹانگوں میں ٹانگ پھنسا کر گرا دیا۔ ایک منٹ تک سواری گانٹھے رہا اور پھر پشت پر سرخ دائرہ بنا کر دوسری گلی میں چھلانگ لگا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آصف کو لمبے بخار پہ چلا جانا پڑا۔''

وہ سمجھا تھا کہ فریدی بھی اس پر قہقہے لگائے گا.... لیکن خلاف توقع فریدی اس پر برس پڑا، اور مجبوراً حمید دوسری باتیں سوچنے لگا تاکہ اس کے لیکچر کی آواز اس کے کانوں تک پہنچ ہی نہ سکے۔ ایسے مواقع پر حمید خوبصورت لڑکیوں کے متعلق سوچنے لگتا تھا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 54

خونخوار لڑکیاں

(مکمل ناول)

قاسم اور وہ لڑکیاں

گرانڈیل احمق قاسم راجرس اسٹریٹ کے موڑ پر بڑی دیر سے ان دونوں لڑکیوں کا انتظار کررہا تھا۔ وہ اب تک درجنوں بار ان کا تعاقب کر چکا تھا۔ وہ لڑکیاں راجرس اسٹریٹ ہی میں کہیں رہتی تھیں لیکن قاسم ان کے گھروں سے ناواقف تھا۔ اس کی ہمت ہی نہیں پڑتی تھی کہ وہ راجرس اسٹریٹ کے اندر قدم بھی رکھتا۔ وجہ یہ تھی کہ وہاں اس کے باپ کے کئی شناسا رہتے تھے اور قاسم اپنے باپ سے بھی زیادہ اس کے ہنٹر سے ڈرتا تھا اور ہنٹر بھی ایسا نامعقول تھا کہ صرف لڑکیوں ہی کے معاملے میں بہت زیادہ چاق و چوبند ہوجایا کرتا تھا۔ قاسم کی بیوی دراصل اس کے باپ کی بھتیجی تھی اور قاسم کا کہنا تھا کہ وہ اس کی سب کچھ ہوسکتی تھی لیکن بیوی کبھی نہیں ہوسکتی..... ہاں تو وہ ہنٹر صرف قاسم کی بیوی کے تحفظ کے لئے تھا۔

لیکن جسے کیپٹن حمید دھکا دے جائے اُسے ڈوبنے سے کون بچا سکتا ہے۔ قاسم آج کل دراصل اسی کی نصیحت پر عمل کررہا تھا۔ یہ مشورہ اسی کا تھا کہ قاسم لڑکیوں کا تعاقب کیا کرے، کبھی تو کسی کا دل پسیجے گا۔ قاسم نے بھی سوچا ہرج ہی کیا ہے اس میں۔ کسی قسم کے دھوکے کا بھی امکان نہیں۔ دھوکے کا امکان اُس صورت میں ہوتا جب حمید یہ کہتا کہ ہم دونوں مل کر

لڑکیوں کا تعاقب کریں گے۔ اس پر تو وہ قیامت تک راضی نہ ہوتا کیونکہ کئی بار حمید کے چ
پڑ کر اپنی حجامت بنوا چکا تھا۔

بہر حال قاسم نے ایک چھوڑ دو لڑکیوں کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ خیال یہ تھا کہ
نہیں تو دوسری ضرور پسیجے گی۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ پندرہ دن گذر جانے کے بعد بھی
نتیجہ برآمد نہ ہوا ہو۔

یہ دونوں لڑکیاں اُسے بہت اچھی لگتی تھیں۔ اچھے لگنے کی وجہ ان کی خوبصورتی نہیں
خوبصورت تو وہ تھیں ہی نہیں، بس یونہی معمولی سا ناک نقشہ تھا۔ قاسم کو وہ اس لئے پسند
تھیں کہ اس کے الفاظ میں ''خاصی تگڑی تھیں''۔

وہ صبح نو بجے ہی راجرس اسریٹ کے موڑ پر آجایا کرتا تھا۔ حالانکہ لڑکیاں دس بجے
پہلے نہیں آتی تھیں۔

آج بھی وہ ٹھیک نو بجے ہی وہاں پہنچا تھا۔ مگر آدھے گھنٹے تک انتظار کرتے رہنے
بعد اچانک اُسے یاد آیا کہ آج تو اتوار ہے۔ وہ کالج نہیں جائیں گی۔ یہ سوچ کر قاسم کے
میں اداسی کے بادل چھا گئے۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور دل ہی دل میں اپنے باپ
بُرا بھلا کہنے لگا۔ جس کی بدولت اُسے لڑکیوں کے پیچھے کتوں کی طرح مارا مارا پھرنا پڑتا تھا۔ اگر
اس نے اُس کی شادی کسی چھ فٹ اونچی اور کم از کم ڈھائی فٹ چوڑی عورت سے کی ہو
تو آج اُس کی زندگی بھی کسی گھریلو قسم کے شریف آدمی کی طرح بسر ہو رہی ہوتی۔

دبلی پتلی لڑکیوں سے اُسے اتنی نفرت ہوگئی تھی کہ وہ ان کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کر
تھا خواہ وہ اندر کے اکھاڑے کی پریاں ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر کبھی کسی دبلی پتلی لڑکی پر نظر
پڑجاتی تو وہ نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر اس انداز میں بڑبڑانے لگتا جیسے اس کی ہڈیاں سلگ رہی
ہوں۔ ایسے مواقع پر اگر کوئی اس کے قریب ہوتا تو اُسے یہ الفاظ ضرور سنائی دیتے۔

''ایسی ہو تو مر ہی کیوں نہیں جاتیں۔ زمین کا بوجھ ہلکا کرو۔ خدا کرے ٹی بی ہو جائے
چولہے میں جاؤ۔'' وہ اسی طرح ناک سکوڑ سکوڑ کر بڑبڑاتا ہوا اس کے قریب سے گذر جاتا۔

اس وقت بھی وہ بڑبڑا رہا تھا۔ یعنی اپنے باپ کے متعلق زبان سے کچھ سوچ رہا تھا۔ اگر

وہ زبان سے بھی سوچنے لگتا تھا لیکن جس دن اُسے اس کی ذہنی حالت زبان سے سوچنے پر مجبور کرتی تھی اُس دن کسی نہ کسی سے اس کا جھگڑا ضرور ہو جاتا تھا۔ وہ راجرس اسٹریٹ کے موڑ سے ہٹ کر سڑک کی دوسری طرف کے فٹ پاتھ پر چلا گیا۔ سامنے ہی ایک کتاب فروش کی دوکان تھی جس کے شوکیس میں چمچماتے ہوئے مغربی رسائل رکھے ہوئے تھے۔ وہ جھک کر اُن کے سر اوراق کی نیم عریاں تصویریں دیکھنے لگا۔ ان میں کچھ رسائل کھیل کود سے متعلق بھی تھے ایک پر اسے ایک گھونسہ باز کی تصویر نظر آئی جو اپنے ہاتھوں میں گھونسے بازی کے دستانے پہنے ہوئے ایسے انداز میں کھڑا تھا جیسے اپنے حریف پر حملہ کرنے یا اس کا حملہ روکنے جا رہا ہو۔ تصویر کو دیکھتے دیکھتے قاسم کی ذہنی رو بہک گئی اور وہ یہ بھول کر کہ ایک دوکان کے سامنے کھڑا ہے تصویر ہی کا سا پوز بنانے لگا۔

دوکاندار نے حیرت سے اُسے دیکھا۔ دو ایک راہگیر بھی رک گئے اور پھر اچانک قاسم کو بھی اپنی حماقت کا احساس ہوگیا۔ اس نے عجیب طرح کا منہ بنایا اور پھر بوکھلائے ہوئے انداز میں دوکاندار سے پوچھا۔

''قتنے..... کتنے قا..... ہے بھائی۔''

''کیا چیز جناب۔'' دوکاندار نے مسکرا کر پوچھا۔

اس کی مسکراہٹ قاسم کو زہر ہی لگی اور اُسے غصہ آگیا۔

''ابے یہاں کتابوں اور کسالوں..... رسالوں کے علاوہ اور کیا ہے۔'' قاسم دہاڑا۔

''آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔'' دوکاندار نے بھی اپنے نتھنے پھلائے۔

قاسم کو اس کا لہجہ اتنا بُرا لگا کہ اُس نے اس کے سر پر دوہتھڑ رسید کر دیا۔

دوہتھڑ اور قاسم جیسے دیوزاد کا۔ خدا کی پناہ..... دوکاندار کے حلق سے ایک بیساختہ قسم کی کراہ نکلی اور وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کے جان پہچان والے ہاں ہاں کر کے دوڑے..... اور قاسم پینترا بدل کر کھڑا ہو گیا۔

کچھ تو وہ تھا ہی کریک اور کچھ اس بات کا خیال آگیا تھا کہ نگاراں خوبرو کی گلی کے سامنے آن نہ جانے پائے۔ ایک مجہول سے آدمی نے اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش

کی لیکن دوسرے ہی لمحے میں قاسم کا بھرپور تھپڑ اُسے سڑک پر لے گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ خاصا ہنگامہ برپا ہوگیا۔ لوگوں نے چاروں طرف سے قاسم پر یورش کردی۔ قاسم جم کر لڑ تو تھا لیکن اپنے ہاتھی جیسے ڈیل ڈول کی بناء پر بھاگ نہیں سکتا تھا۔ حالانکہ جنگ مغلوبہ کی صورت میں بھاگ نکلنا ہی زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے۔

دو ہی چار ہاتھ چلانے کے بعد قاسم کو خیال آیا کہ ایسے میں وہ دونوں لڑکیاں نہ آ جائیں اگر انہوں نے اسے اس طرح ہاتھا پائی کرتے دیکھ لیا تو یہی سمجھیں گی کہ وہ کوئی لوفر ہے۔ روکا بہکنا تھا کہ اس کے قالب میں سعادت مندی حلول کرنے لگی۔ ہاتھ سست پڑنے لگے ہے ایسی صورت میں پٹ جانے کے علاوہ اور کیا ہوسکتا تھا۔ اب اُس پر چاروں طرف سے اور گھونسے پڑنے لگے مگر وہ سب اس کے سامنے بالشتیوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نیک نفس اور شریر ہاتھی کو چند شریر بچے چھیڑ رہے ہیں۔ ان کے وار اپنے بازوؤں پر روک روک کر انہیں اس انداز میں پیچھے دھکیل رہا تھا جیسے وہ کچھ مذاق ہی رہا ہو۔

پھر اچانک قریب ہی ایک دوسرا ہنگامہ شروع ہوگیا۔ شاید وہ اس سے بھی زیادہ اہم کیونکہ قاسم کی بھیڑ دوسری طرف بھاگنے لگی۔

دیکھتے ہی دیکھتے قاسم وہاں تنہا رہ گیا۔ لوگ اپنی دوکانیں چھوڑ چھوڑ کر مجمع کی طرف جا رہے تھے اور قاسم کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

وہ یوں بھی کافی لمبا تھا اور اس وقت فٹ پاتھ پر کھڑا تھا، جو سڑک سے تقریباً ایک اونچی ضرور رہی ہوگی۔ بہرحال وہ مجمع کے اندر کا حال بخوبی دیکھ سکتا تھا۔

مجمع میں اُسے وہی دونوں لڑکیاں نظر آئیں...... مگر عجیب حال میں...... وہ پاگلوں کی طرح اچھل اچھل کر ہاتھ میں آئی ہوئی چیزیں کلاک ٹاور کی طرف پھینک رہی تھیں۔ سینڈل، فاؤنٹین پن، سڑک پر پڑے ہوئے کیلے کے چھلکے، جو کچھ بھی ہاتھ لگا کلاک ٹاور گھڑی پر کھینچ مارا۔ ان کی زبان سے گالیوں کے طوفان امنڈ رہے تھے۔

قاسم بُری طرح بدحواس نظر آنے لگا لیکن اچانک اس کی کھوپڑی کی تاریکیوں میں ایک خیال طلوع ہوا۔ وہ سوچنے لگا کہیں انہوں نے اس کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لئے تو یہ سب کچھ نہیں کیا۔ عورت کے معاملے میں بڑے بڑے افلاطونوں کا منطقی شعور مردہ ہوجاتا ہے، پھر وہ بیچارہ تو پیدائشی ہونق تھا۔ یہ خیال اُسکے ذہن میں ابھرا اور پتھر کی لکیر کی طرح اٹل ہوگیا۔

خوابوں کے جزیرے کی پریاں اس کا سر سہلانے لگیں اور اس کے ریشے ریشے میں محبت انگڑائیاں لینے لگی۔ ان دونوں لڑکیوں کی محبت جنہوں نے مہذب اور تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود بھی اسے بچانے کے لئے اس طرح رسوا ہونا گوارا کرلیا تھا۔ دریائے محبت جوش میں آیا اور قاسم بھیڑ کو چیرتا ہوا ان دونوں کے قریب پہنچ گیا۔

"بس بس جانے دیجئے۔ میں کیا ان سالوں سے ڈرتا ہوں۔" قاسم خلاف عادت بہت روانی کے ساتھ بولا۔ ورنہ وہ لڑکیوں سے گفتگو کرتے وقت عموماً ہکلانے لگتا تھا۔

"ہٹ...... سامنے سے۔" ایک لڑکی نے اچھل کر اپنا ہاتھ گھما دیا اور وہ ہاتھ براہِ راست قاسم کے داہنے گال پر پڑا۔ دوسری طرف سی دوسری لڑکی نے حملہ کیا۔

"ہائیں...... ہائیں...... ارے......!" قاسم بوکھلا کر پیچھے ہٹنے لگا۔ اچانک ایک نے اچھل کر قاسم کے بال پکڑے اور پوری قوت سے نیچے کی طرف جھکانے لگی۔ اسے اس میں کچھ دشواری بھی نہیں ہوئی کیونکہ وہ ایک لڑکی تھی، ایسی لڑکی جس کا تعاقب وہ عرصے تک کرتا رہا تھا۔ وہ کوئی مرد نہیں تھا جسے قاسم کی ایک ہی ضرب موت کے گھاٹ اتار دیتی۔

قاسم ہکلاتا ہوا جھکتا چلا گیا۔ دوسری لڑکی اس کی پشت پر گھونسے برسانے لگی۔

لوگوں نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھالیا...... قہقہے اور تالیاں......!

قاسم کا یہ عالم تھا کہ اب اس کی ہکلاہٹ بھی بند ہوگئی تھی۔ پھر اچانک پولیس آ گئی جس کے ساتھ زنانہ فورس کی تین لڑکیاں بھی تھیں۔ حلقے کا تھانہ یہاں سے قریب ہی تھا اور آج کل ہر تھانے پر زنانہ فورس کی دو تین لڑکیاں ضرور رہتی تھیں۔ شہر کے حالات ہی کچھ ایسے تھے۔

ان لڑکیوں نے قاسم کا پیچھا چھڑایا اور انہیں ان وحشی لڑکیوں کو قابو میں لانے کے لئے بھی زیادہ جدوجہد نہیں کرنی پڑی کیونکہ پولیس کو دیکھتے ہی ان کی حالت میں حیرت انگیز تبدیلی ہوگئی تھی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سوتے سوتے جاگ پڑی ہوں اور اب ان کے

چہرے پر خوف کے آثار بھی نظر آنے لگے تھے۔

''آپ کون ہیں؟'' سب انسپکٹر نے قاسم سے پوچھا جسے اپنے کپڑے جھاڑنے تک ہوش نہیں تھا۔

''مم......میں......!'' قاسم تھوک نگل کر رہ گیا۔

''میں بتاتا ہوں۔'' ایک آدمی بھیڑ کو چیرتا ہوا آگے آیا۔ یہ وہی دوکاندار تھا جس کے پر قاسم نے کچھ دیر قبل دوہتھڑ رسید کیا تھا۔

''جناب......!'' اس نے سب انسپکٹر سے کہا۔ ''یہ حضرت بھی پاگلوں کی سی حرکتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ دو تین آدمیوں کو مارا تھا۔ آپ دوسروں سے دریافت کر سکتے ہیں۔''

''ابے بھاگ......تو نے بھی تو......بدتمیزی کی تھی۔'' قاسم ہانپتا ہوا دہاڑا۔

''دیکھا آپ نے......کیا یہ شریفوں کی طرح گفتگو کر رہے ہیں۔'' دوکاندار نے سب انسپکٹر کی طرف دیکھ کر کہا۔

''بس چلے جاؤ......ورنہ اچھا نہ ہوگا۔''

''آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔'' دفعتاً سب انسپکٹر نے قاسم کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

''آپ بھی ذرا ہوش ہی میں رہیئے گا، جی ہاں۔ میں کسی بنئے کا لونڈا نہیں ہوں۔''

''چلو......!'' سب انسپکٹر نے اپنے ساتھیوں کیطرف مڑ کر بولا۔ ''انہیں گاڑی میں بٹھاؤ۔''

''میں نہیں جاؤں گا۔'' قاسم دہاڑا۔ ''تم مجھے اس طرح نہیں لے جا سکتے۔ میں اپنی کار میں جاؤں گا۔''

''تمہاری کار......شاید ابھی دماغ قابو میں نہیں آیا۔'' سب انسپکٹر تلخ سی ہنسی کیساتھ بولا۔

''کیا تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو۔'' قاسم غرایا۔ ''تم مجھے اس طرح نہیں لے جا سکتے۔ اگر میری کار غائب ہوگئی تو تم زندگی بھر کمانے کے بعد بھی اس کی قیمت ادا نہ کر سکو گے......ہاں۔''

''یہ حقیقت تھی کہ قاسم یہاں تک اپنی شاندار بیوک میں آیا کرتا تھا اور اُسے راجرس اسٹریٹ سے ایک فرلانگ پیچھے چھوڑ کر خود پیدل یہاں تک آتا اور لڑکیوں کی آمد کا منتظر رہتا

جیسے ہی وہ لڑکیاں راجرس اسٹریٹ سے نکل کر سڑک پر آتیں انکا تعاقب بھی پیدل ہی ہوتا تھا۔

''دھکا دے کر گاڑی میں بٹھاؤ۔'' سب انسپکٹر اپنے آدمیوں کی طرف دیکھ کر گرجا۔

''پچھتانا پڑے گا۔ میں بتائے دیتا ہوں۔'' قاسم ہوا میں مکا ہلاتا ہوا بولا۔ ''میں کہتا ہوں کہ میں اپنی گاڑی ہی میں بیٹھ کر کہیں جا سکتا ہوں۔''

سب انسپکٹر چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ ''کہاں ہے گاڑی۔''

''اُدھر......!'' قاسم نے مجمعے کے اوپر سے مخالف سمت میں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

سب انسپکٹر نے ایک کانسٹیبل کو ساتھ جانے کا اشارہ کیا۔ قاسم آگے بڑھ کر لوگوں کو ہٹاتا ہوا نکلا چلا گیا۔ لیکن اب اس کے حواس گم تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ اُسے تھانے لے جائیں گے، بات بڑھے گی، پھیلے گی پھر اگر اُس کے باپ کے کانوں تک یہ خبر گئی تو بارات ہی چڑھ جائے گی۔

چمڑے کا ہنٹر قاسم کی آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگا۔ معاملہ لڑکیوں کا تھا وہ اپنی کار کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ کانسٹیبل بھی قریب پہنچ گیا تھا، وہ اسے اس شاندار بیوک کے قریب رکا ہوا دیکھ کر جلدی جلدی پلکیں جھپکانے لگا۔

''تم کس کے ڈرائیور ہو......!'' اس نے قاسم سے پوچھا۔

''ہائیں......ڈرائیور......!'' قاسم آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ''میں اپنا ڈرائیور ہوں۔ اب تم سے کیا بات کروں، اپنے سب سے بڑے آفیسر کے پاس لے چلو۔''

''آئی جی صاحب آج کل دورے پر ہیں۔'' کانسٹیبل نے احمقانہ انداز میں کہا۔

''کون بائی جی۔''

''آئی۔جی......آئی جی۔''

''کوئی بھی ہوں، مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے۔'' قاسم غرایا۔ لیکن ذہنی طور پر وہ اس وقت ایک خرگوش سے بھی بدتر ہو رہا تھا۔ اچانک ایک خیال بڑی تیزی سے اُس کے ذہن میں ابھرا اور اس نے کانسٹیبل سے کہا۔

''میں فون کرنا چاہتا ہوں۔''

"دیر ہو رہی ہے، داروغہ جی مجھے کھا جائیں گے۔"

"میں تمہیں مالا مال کردوں گا پیارے...... بس دو منٹ...... میرے ساتھ سامنے ریستوران تک چلو۔"

"دیر نہ کیجئے گا۔"

"نہیں پیارے الاقسم......!"

قاسم تیزی سے سڑک پار کرنے لگا۔ اس وقت بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی کوٹنے والے انجن میں تیز رفتاری پیدا ہوگئی ہو۔ کانسٹیبل سائے کی طرح اس کے پیچھے لگا تھا۔ قاسم اتنا بدحواس تھا کہ اس نے ریستوران میں پہنچ کر کاؤنٹر کلرک کی اجازت کے بغیر نمبر ڈائیل کرنے شروع کر دیئے۔

"ہیلو......!" وہ ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔ "اس کی آواز حلق کے بجائے بلغم بھرے ہوئے پھیپھڑوں سے نکلتی معلوم ہو رہی تھی۔

"ہیلو! کون صاحب بول رہے ہیں۔ کون حمید بھائی...... آہا...... میں بول رہا ہوں قاسم قاسم!...... خدا کے لئے مجھے بچاؤ...... میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ یہ لوگ مجھے پرنسٹن تھانے میں لے جا رہے ہیں۔"

"تم کہاں سے بول رہے ہو" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"یہاں سے۔"

"ابے کہاں سے...... جگہ کا نام...... ڈیوٹ......!"

"میں ڈیوٹ...... میرا باپ ڈیوٹ...... حمید بھائی...... بس آجاؤ۔ میں راجرس اسٹریٹ کے قریب والے ریستوران کیا نام ہے...... کیا نم...... کیفے جلٹھنڈے سے بول رہا ہوں یار کچھ گھپلا ہو گیا ہے۔ دو لڑکیاں بھی ہیں۔"

"ارے! تو کیا وہ تم ہو" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "وہی لڑکیاں تو نہیں جن نے کلاک ٹاور پر پتھر برسائے ہیں۔"

"وہی...... وہی...... الاقسم حمید بھائی۔ میرا دل چاہتا ہے کہ خودکشی کرلوں۔"

"میری موجودگی میں آپ ایسا نہیں کر سکتے۔" پیچھے کھڑے ہوئے کانسٹیبل نے کہا۔

"اماں نہیں بھائی میں مذاق کر رہا تھا۔" قاسم نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھے بغیر کہا۔

"کیا......؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"مجھے بچاؤ...... حمید بھائی۔"

"تم گدھے ہو، میرا وقت برباد نہ کرو۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"خدا تمہیں غارت کرے۔" قاسم ریسیور رکھ کر کانسٹیبل کی طرف پلٹا۔ چند لمحے اسے قہر آلود نظروں سے گھورتا رہا پھر بولا۔ "تم نے بیچ میں بول کر کباڑا کر دیا۔"

"میں نے کیا کیا۔" کانسٹیبل کی تیوریاں بھی چڑھ گئیں۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ میں مذاق کر رہا ہوں...... وہ سمجھا شاید میں نے اس سے کہا ہے۔ اب وہ نہیں آئے گا۔"

"کون نہیں آئے گا۔"

"محکمہ سراغ رسانی کا کیپٹن حمید۔"

"آپ انہیں کیا جانیں۔"

"کیوں نہ جانوں...... تم کون ہوتے ہو اعتراض کرنے والے۔"

"اچھا چلئے...... دیر ہو رہی ہے۔"

قاسم نے جھنجھلا کر اُسے ایک موٹی سی گالی دینی چاہی لیکن یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ موٹی سی عقل اس موٹی سی گالی پر غالب آ گئی۔ چونکہ کانسٹیبل کی بالائی منزل کی چھت سرخ رنگ کی تھی اور قاسم اسے عینک کے بغیر بھی صاف دیکھ سکتا تھا، اس لئے اُس کے منہ سے گالی نہ نکل سکی، ہوسکتا ہے بچپن میں وہ سرخ پگڑیوں سے خوف ہی کھاتا رہا ہو۔ سب انسپکٹر کی خاکی پگڑی سی وہ ذرہ برابر بھی مرعوب نہیں ہوا تھا۔

بہرحال تھوڑی دیر بعد وہ اپنی کار سمیت پرنسٹن کے تھانے میں پہنچ گیا۔

انچارج نے نیچے سے اوپر تک دیکھ کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا، پھر وہ اُن دونوں لڑکیوں کی طرف متوجہ ہوا جو بہت زیادہ خائف اور ساتھ ہی ساتھ شرمندہ بھی نظر آ رہی تھیں۔ لیکن اُس

نے اُن سے کسی قسم کے سوالات نہیں کئے۔ قاسم سے بھی کچھ نہیں پوچھا۔ ایسا معلوم ہو
جیسے وہ کسی کا منتظر ہو۔

قاسم بار بار ان دونوں کو گھورنے لگتا تھا۔ وہ الجھن میں تھا۔ الجھن کی بات ہی تھی۔ سمجھا تھا کہ انہوں نے یہ حرکت محض اس لئے کی ہے کہ لوگ اس کا پیچھا چھوڑ کر اُن کی طر متوجہ ہوجائیں، مگر پھر اُسے انہیں کے ہاتھوں پٹنا پڑا تھا۔ اس کا ذہن ان کے اس رویہ ک معنی نہ پہنا سکا۔

"ہمیں کچھ کہنا ہے۔" اچانک ایک لڑکی نے بھرائی ہوئی آواز میں انچارج سے کہا۔

"مجھے سننا آتا ہی نہیں۔" انچارج بے رخی سے بولا اور قاسم کو غصہ آ گیا۔ وہ ان لڑ کی توہین کیسے برداشت کر لیتا جن کا تعاقب اتنے دنوں سے کرتا رہا تھا۔ غصے میں اس کی زبا ذرا کم لڑکھڑاتی تھی۔ اس لئے وہ اپنے مخصوص انداز میں دہاڑا۔

"آپ کو سننا پڑے گا۔"

"بس آپ تو خاموش ہی بیٹھے رہئے۔" انچارج نے خشک لہجے میں کہا۔ "اگر کرنل فرید صاحب نے آپ کو بھی روک رکھنے کے لئے نہ کہا ہوتا تو آپ کہیں اور ہوتے۔"

"کہاں ہوتا...... پھانسی کے تختے پر۔" قاسم نے لڑکیوں کی طرف کنکھیوں سے دیک ہوئے کہا۔ "میں ہر وقت سینے پر گولی کھانے کے لئے تیار رہتا ہوں۔"

جنس مقابل کی موجودگی میں اچھے اچھے شیخیاں بگھارنے کے سلسلے میں اکثر انتہائی بچ پنے کی باتیں کرنے لگتے ہیں، قاسم تو بیچارا تھا ہی ڈیوٹ۔

قاسم کی اس حماقت پر دو چار کو ہنسی آ گئی اور کچھ اُسے خونخوار نظروں سے گھورنے ل جن میں انچارج بھی شامل تھا۔ لیکن اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا کیونکہ اس نے کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا۔

پھر سب ہی کھڑے ہو گئے۔ فریدی نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور دونوں لڑکیوں طرف دیکھنے لگا۔ حمید قاسم کو گھور رہا تھا۔ لیکن قاسم کا یہ عالم تھا کہ مسکرانے کے لئے اس ہونٹ ناکافی تھے۔ اس کی خواہش تھی کہ سارے جسم پر ہونٹ ہی ہونٹ بن جائیں، او

ہونٹوں پر مسکراہٹ ہی مسکراہٹ ہو۔ اس مسکراہٹ میں ایک خاموش چیلنج بھی تھا۔ "اَبے دیکھ ایک چھوڑ دو لڑکیاں۔"

دھونس جمانے والی

حمید کو بھی دراصل اسی بات پر حیرت تھی۔ ایک چھوڑ دو لڑکیاں اور وہ بھی ایسی، جو قاسم کے معیار پر سو فیصد پوری اترنے والی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ قاسم کو کب سے اس کا سلیقہ ہوا۔ ان معاملات میں وہ اسے بالکل گاؤدی تصور کرتا تھا۔

فریدی اُس سب انسپکٹر سے واقعات سن رہا تھا، جس نے انہیں موقعہ واردات پر پکڑا تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی اس نے پھر اُن لڑکیوں کی طرف دیکھا لیکن پھر فوراً ہی قاسم کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"میرے ساتھ آؤ......" وہ اٹھتا ہوا بولا۔ قاسم بوکھلا کر ایک کرسی کے پائے سے الجھ کر وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس بار اُن خوفزدہ لڑکیوں کے ہونٹوں پر بھی خفیف سی مسکراہٹ دکھائی دی۔

قاسم خود ہی اٹھا کسی نے اُس کی مدد نہیں کی۔ فریدی ایک ایسے کمرے میں داخل ہوا جو خالی تھا، قاسم گرتا پڑتا وہاں پہنچا۔ اس کے بعد ہی حمید بھی پہنچ گیا۔

"یہ لڑکیاں تمہارے ساتھ تھیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"سس...... ساتھ...... نہیں تو...... الگ تھیں...... اللہ قسم بالکل الگ۔"

"میں پوچھ رہا ہوں اس واقعے سے پہلے تم تینوں کہاں تھے۔"

"مم...... میں...... ایک بک اسٹال پر تھا اور وہ نہ جانے کہاں تھیں۔ میں نہیں جانتا۔"

"مجھ سے بھی جھوٹ بولو گے، حالانکہ میں تمہارے حق میں تمہارے باپ سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہوں۔"

"میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔"

''پھر تم نے ایک بک اسٹال والے سے جھگڑا کیوں کیا تھا۔''

''اس نے بدتمیزی کی تھی۔''

''تم ان لڑکیوں کو نہیں جانتے۔''

''جی نہیں۔''

''پھر ان میں کیوں جا کودے تھے۔''

قاسم نے دانتوں میں انگلی دبائی اور شرمیلے انداز میں سر جھکا کر مسکرانے لگا۔

''بولو......!'' فریدی جھنجلا گیا۔ ''میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔''

''میں......میں......حمید بھائی کو بتادوں گا۔'' قاسم نے شرمیلے انداز میں کہا۔

''ہاں......حمید بھائی تمہاری سہیلی ہیں نا۔'' حمید بولا۔

''کیا......!'' قاسم آنکھیں پھاڑ کر حمید کی طرف پلٹا۔ ''کیا کہا تم نے سہیلی......گویا لونڈیا ہوں۔ میرے ٹھینگے پہ گیا سالا تھانہ وانہ......مت سفارش کرنا۔ پھانسی تھوڑا ہی ہو جاگی

''قاسم......!'' فریدی کی آواز کمرے میں گونجی۔

''جی ہاں......آپ اسے منع نہیں کرتے۔''

''میں کیا پوچھ رہا ہوں تم سے۔''

''پوچھئے۔'' قاسم کا موڈ بگڑ گیا۔ ''مجھے کسی کا ڈر نہیں پڑا ہے۔ میں نے ایک ناول پڑھا تھا کہ محوبت کرنا جرم نہیں ہے......جی ہاں!''

''قاسم......!'' دفعتاً فریدی نرم پڑ گیا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے سب کچھ بتا دو۔ تم بچے ہو۔ جیل کی سختیاں برداشت کرلو گے۔ مگر وہ بیچاریاں......تمہیں ان پر ضرور رحم آنا چاہئے''

''پھر بتایئے میں کیا کروں۔'' قاسم نے گلوگیر آواز میں کہا۔ ''کہاں وہ گرج رہا تھا کہاں اب اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ ذہنی رو بہکنے اور اُس کے جسمانی ردعمل میں دیر ہی نہیں لگتی تھی۔

''مجھے سب کچھ بتا دو۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ ''وہ تمہیں کب اور کہاں ملی تھیں۔ تم انہیں کب سے جانتے ہو۔ اس واقعے سے پہلے تم تینوں کہاں تھے۔''

''وہ مجھے آج سے پندرہ دن پہلے ملی تھیں۔ میں انہیں پندرہ دن سے جانتا ہوں۔ ان اتفاقات سے پہلے میں بکسٹال پر تھا اور وہ دونوں نہ جانے کہاں تھیں۔ الاقسم میں نہیں جانتا۔''

''اس سے پہلے تم تینوں کہاں ملتے رہے ہو۔''

''راجرس اسٹریٹ کے موڑ پر......پھر میں انہیں کالج پہنچا کر واپس ہو جایا کرتا تھا......وہ گاتا ہے نا......محوبت اثر کرتی ہے، دھیرے دھیرے۔''

دفعتاً حمید نے فریدی سے کہا۔ ''آپ جایئے......یہ معاملہ آپ کے بس کا نہیں ہے۔''

فریدی چند لمحے قاسم کو گھورتا رہا پھر کمرے سے چلا گیا۔

حمید نے قاسم کے بازو سہلانے شروع کر دیئے اور قاسم اس طرح منہ پھیلائے کھڑا رہا جیسے کوئی بدسلیقہ اور پھوہڑ بیوی اپنے فدوی قسم کے شوہر سے نخرے کرتی ہے۔

''یار تم بڑے خوش قسمت ہو۔'' حمید نے کہا۔ ''تمہیں ویسی ہی لڑکیاں مل گئیں جیسی تم چاہتے تھے۔ مگر تم دو کیا کرو گے، ایک میری رہی کیوں؟''

''نہیں......یہ نہیں ہو سکتا۔'' قاسم غرایا۔

''ان میں سے ایک کچھ دبلی ہے اور بیمار بھی معلوم ہوتی ہے۔''

''بکواس ہے، میں یقین نہیں کرسکتا۔ ہوگی بیمار......تمہاری بلا سے۔ ایک بھی نہیں مل سکتی۔''

''پھر بھی دو کیا کرو گے۔''

''اپنی قبر میں لے جاؤں گا۔ تم سے مطلب......!''

''اچھی بات ہے۔'' حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ''میں تمہاری بیوی اور باپ کو فون کر کے یہیں بلوائے لیتا ہوں۔''

حمید دروازے کی طرف مڑا لیکن دوسرے ہی لمحے میں قاسم نے جھپٹ کر اسکی کمر پکڑ لی۔

''نہیں......میں انہیں بلاؤں گا۔'' حمید نے کہا۔

''کیوں گھپلا کرتے ہو یار......حمید بھائی۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ اچھا دبلی والی تم لے لو......الاقسم لے لو۔''

''مگر اُس پر قبضہ کرنے سے پہلے میں یہ بھی معلوم کرنا چاہوں گا کہ ان دونوں نے تمہیں

کیوں پیٹنا شروع کر دیا تھا۔"

"حمید بھائی یہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔" قاسم تشویش کن لہجے میں بولا۔ "پہلے انہ
ہلڑ مچایا۔ اسی لئے ہلڑ مچایا کہ لوگ مجھے چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ پھر جب م
شکریہ ادا کرنے کے لئے قریب گیا تو وہ مجھ پر الٹ پڑیں۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔ پھر پوچھا۔ "کیا اس سے پہلے بھی کبھی تم نے ان سے گفتگو کی؟"

"میں چپکے چپکے محبت کر رہا تھا...... محبت ایسے ہی ہوتی ہے، حمید بھائی۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا...... مجھے پورا واقعہ بتاؤ کہ تم نے اُن سے کس طرح محبت شر
تھی۔" قاسم نے بڑی روانی کے ساتھ پندرہ روز کی رپورٹ دی۔

اور حمید بے ساختہ لاحول پڑھ کر اُسے بُرا بھلا کہنے لگا۔

"پھر کیا کرتا۔" قاسم جھنجھلا کر بولا۔ "کیا اُن کے گھر میں گھس جاتا۔"

"اُن کے گھر دیکھ لئے ہیں تم نے۔"

"نہیں...... کیا ضرورت تھی...... وہ کیا شعر ہے...... ترے نام پر مٹا ہوں، مجھے کیا
ہے جہاں سے۔"

"نشاں سے......!" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"نہیں جہاں سے...... کیا تم مجھے جاہل سمجھتے ہو۔" قاسم جھلا کر بولا۔

"ختم کرو...... میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"

"یعنی تم مجھے جیل جانے دو گے۔"

"نہیں میں تمہیں پھانسی دلوا کر تمہاری بیوی سے عقد کر لوں گا۔"

"کیا...... ذرا زبان سنبھال کر۔" قاسم چنگھاڑا۔ "گدی سے زبان کھینچ لوں گا۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی کمرے میں داخل ہوا۔ "تم دونوں باہر جاؤ اور ان
سے ایک لڑکی کو یہاں بھیج دو۔"

"یہ کچھ بھی نہیں جانتا۔" حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "صرف ان دو
تعاقب کیا کرتا تھا۔"

"اونہہ...... ختم کرو...... جاؤ۔"

حمید اور قاسم کمرے سے چلے گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک لڑکی آئی۔

"بیٹھ جاؤ......!" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

لڑکی بیٹھ گئی۔ وہ بہت زیادہ خائف نظر آ رہی تھی۔ اُس نے ایک بار بھی فریدی کی طرف دیکھنے کی جرأت نہیں کی۔ سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔

"تمہارا کیا نام ہے۔" فریدی نے پوچھا لیکن لڑکی جواب دینے کی بجائے رونے لگی۔

اور پھر اُس نے بدقت کہا۔ "ہمیں...... معاف...... کر دیجئے۔"

"ہاں...... ہو سکتا ہے کہ ہم تمہیں معاف کر دیں لیکن اُسی صورت میں جب ہمیں اس پاگل پن کی وجہ معلوم ہو جائے۔"

لڑکی سسکیاں لیتی رہی اور فریدی اس کے جواب کا منتظر رہا۔

اچانک ایک آدمی کمرے میں درآنہ گھستا چلا آیا۔ ادھیڑ عمر کا ایک صحت مند آدمی تھا۔

اُسے دیکھتے ہی لڑکی کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر پھر سسکیاں لینے لگی۔

"میں اس طرح چلے آنے کی معافی چاہتا ہوں کرنل فریدی۔" آنے والے نے کہا۔

"کوئی بات نہیں جناب...... فرمایئے میرے لائق کوئی خدمت۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ لیکن اُس کی عقابی آنکھیں بڑے معنی خیز انداز میں اُسکے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

آنے والا یہاں کا سٹی مجسٹریٹ تھا اور فریدی اُسے اچھی طرح جانتا تھا۔

"میری بھانجی ہے۔" آنے والے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا آپ کو واقعات کا علم ہو چکا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہو چکا ہے...... کیا میں توقع کروں کہ آپ میری عزت کا پاس کریں گے۔"

"آپ کی عزت میری عزت ہے جناب۔" فریدی نے خاکسارانہ لہجے میں کہا۔

"مگر آپ مجھے اس کی اجازت تو دے ہی دیں گے کہ میں اسکی وجہ دریافت کر سکوں۔"

"وجہ تو ڈاکٹر بھی نہیں دریافت کر سکے کرنل۔" سٹی مجسٹریٹ نے کہا۔ "ویسے اُن کا خیال

ہے کہ یہ کسی قسم کا دورہ ہے۔"

"لیکن ان دونوں پر بیک وقت ایک ہی قسم کا دورہ...... میں نہیں سمجھ سکتا۔"

"میں خود بھی الجھن میں ہوں۔" سٹی مجسٹریٹ بولا۔ "میں نے بھی یہی سنا تھا کہ یہ دونوں"

"جی ہاں......!" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "اچھا......وہ دوسری لڑکی کون ہے۔"

"اسی کی کلاس فیلو......وہ بھی پڑوسی ہی ہے...... میں درخواست کروں گا کہ اس کو آگے نہ بڑھایئے۔"

"میں نے اب تک اس معاملے کو آگے نہیں بڑھایا۔ لیکن آپ خود سوچئے اس قسم واقعات جب اکٹھا ہو جائیں تو مجھ جیسے آدمی کو ضرور تشویش ہوگی۔"

"میں سمجھتا ہوں کرنل...... مجھے علم ہے کہ شہر میں ایسے کئی واقعات ہو چکے ہیں۔"

"اچھا...... مجھے صرف یہی بتا دیں کہ انہوں نے کلاک ٹاور پر اپنا غصہ کیوں اتارا"

"سائرہ......!" دفعتاً سٹی مجسٹریٹ نے لڑکی کو مخاطب کیا لیکن اس کے ہاتھ چہرے ہی پر جمے رہے۔

"سائرہ......تم سے جو کچھ پوچھا جا رہا ہے...... بتاؤ۔" سٹی مجسٹریٹ نے سخت لہجے میں

"مجھے نہیں معلوم...... میں کچھ نہیں جانتی۔ مجھے یاد نہیں۔" وہ ہذیانی انداز میں بولی۔

"تو تم میری بے عزتی کراؤ گی...... کیوں!"

لڑکی نے اور زیادہ تیزی سے رونا شروع کر دیا۔

"بہتر ہے آپ انہیں اس وقت گھر ہی لے جایئے۔" فریدی بولا۔

"مگر اس دوسری لڑکی سے بھی تھوڑی سی گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"دونوں ساتھ ہی جائینگی۔" سٹی مجسٹریٹ نے کہا۔ "آپکو جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لیجئے"

"آپ کی موجودگی ضروری نہیں ہے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "انہیں بھی جایئے۔ پھر اس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔

سٹی مجسٹریٹ لڑکی کو کرسی سے اٹھا کر باہر لے جانے لگا۔ گھنٹی کی آواز پر ایک کانسٹیبل اندر آیا۔ فریدی نے اس سے دوسری لڑکی کو لانے کو کہا۔

دوسری لڑکی اندر آئی، لیکن اب اُس کے چہرے پر خوف و خجالت کی بجائے غصے کے آثار تھے۔ فریدی سمجھ گیا کہ سٹی مجسٹریٹ کا سہارا مل جانے کی وجہ سے اب کوئی نئی کروٹ لینے والی ہے۔ ویسے بھی صورت سے وہ کافی ذہین اور فتنہ پرداز معلوم ہوتی تھی۔

"بیٹھ جایئے۔" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ اُس لفنگے کو بچانا چاہتے ہیں، میں سمجھتی ہوں، مجھے ابھی معلوم ہوا ہے کہ وہ آپ کی جان پہچان والا ہے۔"

"دوسری بات آپ نے غلط نہیں کہی...... لیکن پہلی بات میں سننے کے لئے تیار نہیں۔"

"وہ بہت دنوں سے ہمارا تعاقب کیا کرتا تھا۔ آج ہم نے پیٹ دیا اور یہ بالکل بکواس ہے کہ ہم نے کلاک ٹاور پر پتھر چلائے تھے۔ آپ اُسے بچانے کیلئے ہمارے خلاف کیس بنا رہے ہیں۔"

"بہت خوب۔" فریدی اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"لیکن کچھ دیر قبل آپ لوگ معافی کس بات کی مانگ رہی تھیں۔ روئی کیوں تھیں؟"

"یہ بھی سراسر جھوٹ ہے...... بکواس ہے۔"

"میں ہار گیا بھئی۔" فریدی ہنسنے لگا۔ "تم جا سکتی ہو۔"

"یوں نہیں...... اس موٹے کے خلاف ہماری رپورٹ درج کی جائے۔"

"اچھا......!" فریدی جیب سے فاؤنٹین پن نکالتا ہوا بولا۔ "بولو...... کیا لکھوں۔" اس نے اپنی نوٹ بک کھول لی تھی۔

"میں تھانے کے روزنامچے پر رپورٹ چاہتی ہوں مسٹر۔"

"اچھا...... اچھا...... لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم دونوں ننگے پیر کیوں ہو...... وہ تمہارے سینڈل بھی ہضم کر گیا۔"

لڑکی ٹپٹا گئی۔ لیکن پھر فوراً ہی بولی۔ "ہم نے سینڈلوں سے اس کی مرمت کی تھی۔"

"ہاں! ہو سکتا ہے لیکن کسی کو پیٹنے کے لئے صرف ایک ہی جوتا اتارا جاتا ہے، دونوں نہیں۔ کیونکہ ایک ہاتھ اپنے بچاؤ کے لئے بھی خالی رکھا جاتا ہے۔ کیوں......؟"

اس نے فوراً ہی جواب دینے کی کوشش نہیں کی اور فریدی اُسے بولنے کا موقع دیئے بغیر

بولا۔ ''دفع ہو جاؤ...... لیکن یہ نہ سمجھنا کہ قانون کی آنکھیں بند ہیں۔ تم شوق سے خلاف رپورٹ درج کرادو، لیکن خود مجسٹریٹ صاحب کا کہنا ہے کہ تم دونوں کسی ذہنی مبتلا ہو۔''

''غلط......!''

''قطعی غلط ہے...... حقیقت کیا ہے، اسے دریافت کرنا میرا کام ہے...... جاؤ۔''

وہ فریدی کی نظروں کی تاب نہ لاکر وہاں سے اٹھ گئی اور فریدی بھی اُس کے سا اٹھا۔ وہ اس کمرے میں آئے جہاں سائرہ اور سٹی مجسٹریٹ، قاسم اور حمید سمیت موجود تھے سائرہ کی ساتھی نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے مگر خاموش ہی رہ گئی۔

''آپ اگر کچھ دیر ٹھہریں تو میں مشکور ہوں گا۔'' فریدی نے مجسٹریٹ سے کہا۔

''ضرور...... ضرور......!''

''انہیں آپ گھر جانے دیں۔'' وہ لڑکیوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

''نہیں...... میں انہیں ساتھ ہی لے جاؤں گا۔''

''اچھا تو پھر...... ہمیں کہیں...... معاف کیجئے گا...... میں آپ کو تکلیف دے رہا اگر آپ پھر اسی کمرے تک چل سکیں تو......!''

''اوہ...... ہاں...... ہاں......!'' مجسٹریٹ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں پھر اسی کمرے میں آئے جہاں کچھ دیر قبل دونوں میں گفتگو ہو چکی تھی مجسٹریٹ کے چہرے پر الجھن اور شرمندگی کے آثار تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جلد جلد وہاں سے بھاگ جانا چاہتا ہو۔

فریدی چند لمحے اُسی کے بولنے کا منتظر رہا لیکن مجسٹریٹ کی آنکھیں اوپر نہیں اٹھ تھیں۔ آخر فریدی نے پوچھا۔ ''کیا گھر پر بھی کبھی اس قسم کا دورہ پڑنے کا اتفاق ہو چکا ہے؟''

''جی ہاں...... صرف ایک بار۔ شاید پچھلے ہی ہفتہ کی بات ہے۔''

''کیا آپ مجھے اُس کے متعلق کچھ بتانا پسند کریں گے۔''

''ہاں کیوں نہیں۔'' مجسٹریٹ نے مضمحل آواز میں کہا۔ ''اُس نے اپنے ایک بزرگ

جسکا وہ بہت زیادہ احترام کرتی ہے کتابیں کھینچ ماری تھیں۔ پھر چھری لے کر دوڑی تھی۔ اُن سے صرف اتنی غلطی سرزد ہوئی تھی کہ وہ اُسکی اجازت حاصل کئے بغیر اسکے کمرے میں چلے گئے تھے۔''

''اوہو...... او......!'' فریدی نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا۔

''وہ چھری لے کر دوڑی۔ لیکن ان کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے وہ یک بیک ہوش میں آ گئی ہو۔''

''یعنی اُس نے چھری پھینک دی ہوگی۔'' فریدی بولا۔

''جی ہاں...... چند لمحے کھڑی حیران حیران چاروں طرف دیکھتی رہی پھر اُن کے قدموں پر گر کر رونا شروع کر دیا۔''

''ہوں......!'' فریدی صرف سر ہلا کر رہ گیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

''اچھا...... اُس دوسری لڑکی کے متعلق بھی کچھ معلوم ہو سکے گا۔''

''نہیں...... اسکے متعلق میں کچھ نہیں جانتا۔'' مجسٹریٹ نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

فریدی سمجھ گیا کہ وہ اس کے استفسارات کو لغو اور غیر ضروری سمجھ رہا ہے لہٰذا اُس نے کہا۔ ''میں اُسے کسی قسم کا مرض سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ شہر میں اب تک اس قسم کی تیس یا چالیس وارداتیں ہو چکی ہیں۔ پچھلے ہفتے ایک لڑکی نے ایک دوکاندار کو چاقو مار دیا تھا آپ خود سوچئے۔ کیا پہلے بھی کبھی اس قسم کی وارداتیں ہوئی ہیں اور دوسری سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ مرض ابھی تک نچلے طبقے کی عورتوں یا لڑکیوں میں نہیں پایا گیا۔ میں اس سلسلے میں شہر کے بہترین ڈاکٹروں سے بھی گفتگو کر چکا ہوں۔ وہ اس قسم کے مرض کے وجود سے انکار کرتے ہیں جس کا حملہ چشم زدن میں ہو کر سائے کی طرح گزر جاتا ہو۔ اب تک کی رپورٹ یہ ہے کہ ایسی کیفیت کسی بھی لڑکی پر دو منٹ سے زیادہ طاری نہیں رہی۔ بعض حالات میں یہ وقفہ آدھے منٹ سے بھی کم کا پایا گیا ہے۔ کئی لڑکیوں کا طبی معائنہ بھی کیا گیا لیکن کسی ذہنی مرض کی علامات اُن میں نہیں پائی گئیں۔''

مجسٹریٹ خاموشی سے سنتا رہا تھا۔ فریدی کے خاموش ہوتے ہی اس نے کہا۔

''پھر آخر یہ سب کیا ہے۔ اب تک کئی ڈاکٹر سائرہ کو دیکھ چکے ہیں۔ ان کا بھی یہی خیال

ہے کہ وہ کسی ذہنی مرض میں مبتلا نہیں ہے۔"

"پھر آپ بتائیے! یہ چیز میرے لئے الجھن کا باعث ہو سکتی ہے یا نہیں۔" فریدی نے کہا۔"میں اس سے پہلے بھی ایک بار ایک مرض ہی کے سلسلے میں الجھنوں کا شکار ہو چکا ہوں شاید آپ کو یاد ہو...... وہ ناخن اکھاڑ دیتا۔ مرنے والوں کے ناخن گوشت چھوڑ کر اُبھر جاتے تھے۔ آپ کو اس سلسلے میں یہ بھی یاد ہوگا کہ......!"٭

"جی ہاں مجھے یاد ہے۔ وہ ڈاکٹر ڈاخ والا کیس...... اچھی طرح یاد ہے۔"

"پھر آپ بتائیے...... میں اپنی تشویش کے معاملے میں حق بجانب ہوں یا نہیں۔ اچھا دوسری لڑکی کا کیا نام ہے۔ کیا آپ مجھے اس کا پتہ بتا سکیں گے۔"

"اس کا نام روحی ہے اور وہ راجرس اسٹریٹ کی اٹھارویں کوٹھی میں رہتی ہے۔"

"شکریہ۔" فریدی نوٹ بک میں اس کا نام اور پتہ لکھتا ہوا بولا۔"ظاہر ہے کہ وہ اچھے ہی خاندان سے تعلق رکھتی ہوگی۔"

"جی ہاں...... خان بہادر سجاد کی لڑکی ہے۔"

فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اٹھتا ہوا بولا۔"تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں آپ مطمئن رہیں۔ اس واقعے کی پبلسٹی نہ ہونے پائے گی۔"

"شکریہ......!"

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں لڑکیوں سمیت چلا گیا۔ قاسم بہت اداس نظر آ رہا تھا۔ فریدی اس سے کچھ نہیں بولا البتہ اس نے حمید کو الگ بلا کر کہا۔"دوسری لڑکی کا نام روحی ہے اٹھارہ راجرس اسٹریٹ میں رہتی ہے۔"

"اور پہلی......!"

"وہ ہمارے کام نہ آ سکے گی' کیونکہ کچھ بیوقوف سی ہے۔ تم جانتے ہو کہ بیوقوف آدمی سے کچھ معلوم کرنا آسان نہیں ہے۔ روحی ذہین بھی ہے اور چالاک بھی۔ اس لئے وہ مل جائے گی۔ کیا سمجھے۔"

٭ اس داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول "تاریک سائے" ملاحظہ فرمائیے۔

ایاز اور چینی

حمید کو آج کل لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی ورنہ وہ اس موقع پر خوشی سے ناچنے لگتا کیونکہ آج خود فریدی ہی اُسے ایک لڑکی کے پیچھے لگا رہا تھا۔

پھر فریدی اُسے وہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ قاسم کے خلاف کسی نے کوئی باقاعدہ رپورٹ نہیں لکھوائی تھی۔ اس لئے اُسے بھی گلوخلاصی حاصل ہوگئی۔ ویسے اُسے اطمینان تھا کہ حمید کی موجودگی میں کوئی اس کا بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔

تھانے سے نکلتے ہی اس نے چہکنا شروع کر دیا۔ حمید نے اس کی کار سنبھال لی تھی۔

"بیٹے قاسم اُن میں سے ایک سٹی مجسٹریٹ کی بھانجی ہے۔" حمید نے کہا۔

"وہ تمہاری والی نا! جو کچھ دُبلی سی ہے۔"

"میری والی......!" حمید نے حیرت سے کہا پھر آہستہ سے بولا۔"مجھے آج کل لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی۔"

"تمہاری مرضی......!" قاسم نے بڑے خلوص سے کہا۔"میں نے تو اجازت دے دی تھی۔"

"ہائیں! ابے قاسم کیا دماغ خراب ہوا ہے۔ تم اور مجھے اجازت دو گے۔ کیا تم ٹھیکیدار ہو ان لڑکیوں کے۔"

"تم گھپلا نہیں کر سکتے حمید بھائی۔" قاسم نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔"سب سے پہلے میں نے ان لڑکیوں کا پتہ لگایا تھا۔"

"ابے او...... کولمبس کے پٹھے۔ وہ لڑکیاں ہیں امریکہ نہیں۔ آپ نے پتہ لگایا تھا۔"

"کچھ بھی ہو جائے تم گھپلا نہیں کر سکتے۔ تم خود کولمبس کے پٹھے۔ زبان سنبھال کر ہاں۔"

"تمہیں ان لڑکیوں کے نام معلوم ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں......!"

"میں جانتا ہوں۔" حمید نے چڑھانے کے سے انداز میں کہا۔"لہٰذا تم اُن سے دستبردار ہو جاؤ۔"

''الاقسم......اچھا نہیں ہوگا۔''

''تم شاید جیل ہی جانا چاہتے ہو۔''

''میں جہنم میں جانا چاہتا ہوں۔تمہاری بلا سے۔''

''تم نے اُن کے ہاتھوں سے سینڈل کھائے تھے۔تمہیں ڈوب کر مرنا چاہئے۔''

قاسم چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

''زور سے ایک بھی نہیں پڑی تھی......الاقسم......!''

''اچھا تو پھر ایک کام کرو......!''

''کیا......!''

''اب زور سے ایک مجھ سے کھالو۔میں اُن لڑکیوں سے دستبردار ہو جاؤں گا۔''

''میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' قاسم نے منہ پھلا لیا۔

''دُبلی والی کا نام سائرہ ہے۔'' حمید نے کہا۔

''نہیں شاعرہ ہوگا'' قاسم نے قابلیت کا اظہار کیا۔

''کیوں......؟''

''تلفظ یہی ہے۔'' قاسم نے عالمانہ شان سے کہا۔''جاہل اور بے پڑھے لوگ سائرہ کہتے ہیں۔''

حمید ہنسنے لگا پھر بولا۔''تلفظ کے بچے......تگڑی والی کا نام روحی ہے۔شاید میں اُسے ہی شام کو سیر کے لئے باہر لے جاؤں۔''

''جہاں دیکھ لیا......دونوں کو قتل کردوں گا۔'' قاسم غرایا۔

اچانک ایک جگہ حمید نے کار روک دی اور قاسم کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔

''جاؤ......انہیں راجرس اسٹریٹ میں تلاش کرو......میں تو یونہی مذاق کررہا تھا۔''

''میں پہلے ہی جانتا تھا۔'' قاسم ہنسنے لگا۔لیکن اس کی نظر غیر ارادی طور پر ادھر ہی جدھر حمید دیکھ رہا تھا۔

اُسے جوتوں کی دوکان میں وہی آدمی نظر آیا، جو لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

قاسم نے اُن دونوں لڑکیوں کو بھی ڈھونڈھ ہی نکالا۔وہ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک کار میں

ہوئی تھیں۔

قاسم دوسرے ہی لمحے میں حمید کا شانہ دبوچ کر بولا۔''کیوں......؟''

''ہاں......اب تم جاؤ ورنہ تمہارے ابا خفا ہوں گے۔'' حمید ہمدردانہ لہجے میں بولا۔

''حمید بھائی......میں بالکل مروت نہیں کروں گا۔''

''تم جاتے ہو یا میں کسی ڈیوٹی کانسٹیبل کو بلا کر تمہیں پھر تھانے بھجوادوں۔''

''اماں جاؤ......مرگئے بھجوانے والے......ہاں......گویا میں بالکل گدھا ہوں۔دیکھوں تو کیسے بھجواتے ہو۔میں تو اس وقت اُن بیچاریوں کو بچانا چاہتا تھا۔''

''تم بچا چکے نا......!''

''ہاں......ہاں......اب اُن کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔''

''اچھا تو بس اب جاؤ۔''

''نہیں جاتا......تمہارے باپ کی سڑک ہے۔'' قاسم بچوں کی طرح الجھ پڑا۔

''قاسم کیوں شامت آئی ہے۔''

''کیا کرلوگے تم میرا......کوئی میں تمہاری سفارش پر چھوٹا ہوں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔وہ پھر لڑکیوں کی کار کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔مجسٹریٹ شاید چپلوں کے دو جوڑے لے کر واپس آیا تھا۔وہ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔لڑکیاں پچھلی سیٹ پر تھیں۔حمید نے روحی کو کار سے اترتے دیکھا۔پھر وہ فٹ پاتھ پر چڑھ گئی۔مجسٹریٹ کی کار آگے جاچکی تھی۔حمید نے بڑی تیزی سے سڑک پار کی اور قاسم کار ہی میں بیٹھا منہ پھاڑے ہوئے اُسے گھورتا رہا۔

''ذرا ٹھہریئے......!'' حمید روحی کے قریب پہنچ کر بولا۔وہ رک کر اُس کی طرف مڑی۔

''اوہ......ہاں......کیا بات ہے۔''

''اب مجھے یقین آگیا ہے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا اور روحی اُسے گھورتی رہی اور حمید پھر بولا۔''وہ درحقیقت لفنگا ہے۔اُس نے یقیناً آپ سے بدتمیزی کی ہوگی۔میں چاہتا ہوں کہ آپ پھر اُس کی تھوڑی سی مرمت کردیں۔''

''کیوں......!'' روحی پلکیں جھپکاتی ہوئی بولی۔

"بس یونہی...... ورنہ آپ کو بدنام کرتا پھرے گا۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"ابھی مجھ سے کہہ رہا تھا کہ...... آپ......!"

"ہاں...... ہاں...... کہئے۔"

"مجھے شرم آتی ہے۔" حمید نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"کہئے بھی تو...... پھر میں دیکھوں گی کہ آپ کی شرم ضروری تھی یا غیر ضروری۔"

"وہ کہہ رہا تھا کہ آپ اس پر عاشق ہوگئی ہیں اور دیکھئے نا اب بھی اُس نے آپ کا پ نہیں چھوڑا۔ وہ اُدھر دیکھئے...... کار میں بیٹھا ہوا ہے۔"

"اوہ...... اچھا......!" روحی بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "ٹھہریئے! میں اسے اپنی محبت یقین دلائے دیتی ہوں۔ چپلیں نئی ہیں اور کافی مضبوط بھی۔"

وہ فٹ پاتھ سے اتر کر قاسم کی طرف بڑھنے لگی۔ قاسم نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا تیور کچھ اچھے نظر نہیں آئے اور اس نے حمید کو اس سے باتیں کرتے بھی دیکھا تھا۔ اس لئے ا کی اوندھی کھوپڑی میں بھی یہ بات آ گئی کہ معاملہ کچھ گڑبڑ سا ہے۔

دوسرے ہی لمحے میں اس نے کار اسٹارٹ کی اور مڑ کر دیکھے بغیر اڑتا چلا گیا۔ روحی آدھے ہی راستے سے واپس ہونا پڑا۔ حمید اب بھی وہیں کھڑا تھا۔

وہ اس کے قریب پہنچ کر بولی۔ "مائی ڈیئر مسٹر سراغ رساں۔ اب گھر واپس جاؤ۔ شا ہو رہی ہے ورنہ اماں ماریں گی سمجھے! جاؤ میرے ننھے بچے۔"

حمید سناٹے میں آ گیا۔ وہ اُسے اتنی فارورڈ نہیں سمجھتا تھا۔

"نا ئیں......! اماں بی نے کہا تھا اکیلے گھر مت آنا۔" حمید نے بچوں کے سے لہجے کہا۔ "تم پانچ بھائی بھی نہیں، جو مجھے کہنا پڑے کہ پانچوں آپس میں بانٹ لو۔"

"میں تمہارے لئے مہابھارت ہی ثابت ہوں گی۔ اسے یاد رکھنا...... اب جاؤ۔ پہلے بھی کیپٹن حمید کی بہتیری تعریفیں سن چکی ہوں۔ لیکن میں دوسری لڑکیوں سے بہت ہوں۔ اگر تم مجھے زیادہ پسند آئے تو میں تمہیں منگنی بھی کر سکتی ہوں۔ میں عورت نہیں مرد ہوں

"اسی لئے تھانہ میں رو پڑی تھیں۔"

"کیا تم اپنی بے بسی پر کبھی نہیں روئے۔"

"ہاں رویا ہوں...... مگر انہیں مواقع پر جب بہت دنوں سے کوئی لڑکی نہیں ملی۔"

"تم کیا چاہتے ہو۔"

"کچھ بھی نہیں...... تم جیسی واہیات لڑکیوں سے بھلا میں کیا چاہوں گا۔"

"میں واہیات ہوں......!" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"واہیات سے بھی بدتر......!"

"تو پھر تم بھی کچھ دیکھنا چاہتے ہو۔"

"ہاں! مگر وہ تمہاری صورت کے علاوہ ہو تو بہتر ہے۔"

"اچھا اگر بڑے بہادر ہو تو آؤ میرے ساتھ۔" روحی نے اُسے چیلنج کیا اور حمید سوچ میں پڑ گیا کہ اُسے عورتوں کے کس ریوڑ میں جگہ دی جا سکتی ہے۔ ابھی تو وہ اپنی نوعیت کی ایک ہی ثابت ہوئی تھی۔

"چلو...... میں تیار ہوں۔" حمید بولا۔

"تم مجھے نہیں جانتے۔ مجھے اس کا اعتراف ہے کہ میں کلاک ٹاور کی گھڑی توڑنا چاہتی تھی۔ تم سوال کرو گے کیوں؟ وہ بھی سن لو۔ میں چاہتی تھی کہ دس بجے سے پہلے ہی وہاں پہنچ جاؤں جہاں جانا تھا لیکن کلاک ٹاور نے دس بجا دیئے اور مجھے گھڑی پر غصہ آ گیا۔ میں کچھ اسی قسم کی کریک ہوں سمجھے۔"

"آہا...... خوب...... مانتا ہوں۔" حمید نے سر ہلا کر سنجیدگی سے کہا۔ "اس پر مجھے اپنے غصے کا ایک واقعہ یاد آ رہا ہے۔ مگر چلو کہیں اطمینان سے بیٹھ کر۔"

"یہ بھی ممکن ہے...... میں تم سے خائف نہیں ہوں۔"

"روحی صاحبہ......!" حمید نے آگے بڑھتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔ "اگر لڑکیاں مجھ سے خائف ہوتیں تو آپ تک میری شہرت کا افسانہ کیسے پہنچتا۔"

حمید ایک قریبی ریستوران میں داخل ہوگیا۔ مگر وہ محسوس کر رہا تھا کہ کوئی اس کا تعاقب

کر رہا ہے۔ روحی اس کے پیچھے تھی۔ وہ ایک خالی کیبن میں جا بیٹھے اور حمید کہنے لگا۔

"کسی گھڑی پر دو چار منٹ تک غصہ اتار دینا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ میں نے ایک ساری رات ایک گدھے پر غصہ اتارا تھا۔ گدھے سے مراد آدمی نہیں ہے، جیسے کسی مخصوص کے آدمی کو لوگ گدھا کہہ دیتے ہیں۔ بلکہ سچ مچ کا گدھا...... ہاں تو اتفاقاً ایک بار مجھے ای ایسے مکان میں قیام کرنا پڑا جس سے ملا ہوا کسی دھوبی کا گھر تھا۔ رات میں اُس کے گد نے ہینکنا شروع کیا۔ میری نیند اچٹی اور مجھے غصہ آ گیا۔ بھلا گدھے سے آدمیوں کی سی باتیں کرتا۔ اُسی کی زبان میں اُسے سلواتیں سنانی شروع کر دیں۔ دو چار بار اُسے چیلنج بھی کیا کہ آئے میدان میں...... نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے پڑوسی نے میرے میزبان کے دروازے پر دستک دے کر کہا۔ "اگر تم مجھے ضد دلاؤ گے تو میں بھی ایک پال لوں گا۔"

روحی ہنسنے لگی اور حمید نے اپنی سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ "بہر حال میں غصے میں رات بھر ہینکتا رہا تھا۔ کسی گھڑی پر غصہ اتار دینا میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا...... کیا سمجھیں۔"

"میں کچھ نہیں سمجھی...... تم میرے پیچھے کیوں لگے ہو۔"

"مقدرات...... جنہیں کوئی بھی نہیں ٹال سکتا۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "م نے سوچا تھا کہ اس سال شادی کر ڈالوں گا مگر اب دس سال تک کوئی امید نہیں۔"

"کیوں......؟"

"ہلو...... روحی......!" اچانک کسی نے کیبن کے باہر سے روحی کو مخاطب کیا...... حمید اس میں تھا۔

"آؤ...... آؤ...... چلے آؤ......!" روحی کھل اٹھی۔

حمید نے میز پر جھکتے ہوئے باہر دیکھا۔ اُسے وہی نوجوان نظر آیا جو کافی دیر سے دونوں کے پیچھے لگا رہا تھا۔ یہ کافی قبول صورت اور پرکشش تھا۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ لڑکی اسے ضرور پسند کرتی ہو گی۔

وہ کیبن میں آ گیا...... لیکن حمید کو دیکھ کر اس طرح ٹھٹکا جیسے اب تک وہ روحی کو وہاں تصور کرتا رہا ہو۔

"کیا میں مخل ہوا ہوں۔" اُس نے خفیف ہونے کی شاندار ایکٹنگ کی۔

"نہیں جناب...... قطعی نہیں! تشریف رکھیے۔" حمید نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

"آپ سے ملیے......!" روحی بولی۔ "آپ محکمہ سراغ رسانی کے آفیسر کیپٹن حمید ہیں۔"

"اوہ...... اچھا بڑی......!"

"ظاہر ہے کہ آپ کو خوشی ہو گی۔" حمید جلدی سے بولا۔ "کیا رکھا ہے ان رسمی باتوں میں۔ میں تو آپ سے ہرگز آپ کا نام نہیں پوچھوں گا۔"

آنے والا کچھ جھینپا جھینپا سا نظر آنے لگا کیونکہ اُس نے بڑی گرمجوشی کا اظہار کیا تھا لیکن روحی پر اس کا ذرہ برابر بھی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ بدستور شرارت آمیز انداز میں مسکراتی رہی۔

"میرے بہتیرے ایسے احباب ہیں جن کے ناموں سے میں واقف نہیں ہوں۔" حمید بولا۔ "میرے لئے یہی بہتر بھی ہوتا ہے کہ مجھے لوگوں کے نام نہ معلوم ہوں، ورنہ میری راتوں کی نیند حرام ہو جاتی ہے۔ میں سوچنے لگتا ہوں کہ اگر اس کا نام تفضل حسین ہے تو اس کے باپ کا کیا نام ہوگا۔ کیا تحمل ہوگا کیونکہ تفضل کا قافیہ تحمل ہی ہو سکتا ہے یا پھر زیادہ سے زیادہ تجمل ہوگا۔ خیر چلیے۔ دل کو تھوڑی سی تسکین ملی اور نیند آ گئی۔ دوسرے دن میاں تفضل حسین سے پوچھا بھئی تمہارے باپ کا کیا نام ہے۔ بڑی سعادتمندی سے بولے محمد حیدر بخش...... سنکر میرا سر چکرا گیا۔ پھر بوکھلا کر دادا کا نام پوچھا جواب ملا محمد علی اور میں اپنا سر پیٹ کر خاموش ہو گیا۔ پھر پردادا کا نام پوچھنے کی ہمت نہیں پڑی کہ ممکن ہے کہ اسے سن کر اس سے زیادہ مایوسی ہو۔"

"مایوسی...... بھلا مایوسی کیوں......!" روحی ہنسنے لگی۔

"کیوں...... آپ مایوسی کہتی ہیں۔ اس سلسلے میں بعض لمحات ایسے بھی گذرے ہیں کہ میں خودکشی کے امکانات پر غور کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ آپ خود سوچئے اس تجربے کے بعد میری راتیں کیسی گذری ہوں گی۔ مثلاً کسی تہور علی سے ملاقات ہوئی۔ جلدی میں ان کے باپ کا نام پوچھنا بھول گیا اور رات قیامت بن کر آئی۔ اب سوچ رہا ہوں کہ ان کے باپ کا نام تصور علی ہو سکتا ہے کیونکہ قافیہ یہی ہے لیکن پھر خیال آیا کہ جب تفضل حسین کے باپ کا نام محمد حیدر بخش ہو سکتا ہے تو تہور علی کے باپ کا نام شیخ سلاور کیوں نہ ہوگا۔ بس اختلاج شروع

ہو گیا۔ تصور علی اور شیخ سلاور میں ٹھن گئی۔ خدا محفوظ رکھے، ساری رات جاگ کر گزار دی۔

"اب آپ خواہ مخواہ میرا وقت برباد کر رہے ہیں۔ آپ باتیں بڑی اچھی کر لیتے ہیں مگر...... مجھے جلدی ہے۔ اچھا پھر کبھی ملاقات ہوگی۔" روحی نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ حمید نے اُس سے ہاتھ ملاتے وقت ایک طویل سانس لی اور نشیلی آنکھیں بنا کر اُس کے ساتھ والے کی طرف دیکھنے لگا۔

وہ بھی روحی کے ساتھ ہی اٹھتا ہوا مسکرا کر بولا۔ "مجھے ایاز کہتے ہیں۔"

حمید نے پہلے تو اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں پھر بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔

"اب کیا ہو سکتا ہے۔ اب تو سن ہی لیا۔ خدا کے لئے اب اپنے والد کا نام بھی نہ بتایئے ورنہ زندگی مجھ پر حرام ہو جائے گی۔"

"باپ کا نام تو ہرگز نہ بتاؤں گا......!"

"چلو......!" روحی اُسے دھکیلتی ہوئی بولی اور وہ دونوں کیبن سے باہر چلے گئے۔

حمید نے اس لڑکی کے متعلق یہی رائے قائم کی تھی کہ وہ صرف موڈی ہے۔ فطرتاً ایسی نہیں ہے کہ ہر ایک سے بے تکلف ہو جائے بلکہ زبردستی ایسا کرتی ہے۔

لیکن یہ سب کچھ تھا کیا؟ وہ کافی عرصے سے فریدی کو ایسی لڑکیوں کے چکر میں دیکھ رہا تھا...... حمید کا خیال تھا کہ لڑکیوں میں وقتی طور پر پیدا ہو جانے والا وحشیانہ پن کسی ذہنی مرض کا نتیجہ ہو سکتا ہے لیکن وہ فریدی سے اس بات پر نہیں الجھا تھا۔ الجھتا بھی کیوں جبکہ اسی طرح بھانت بھانت کی لڑکیوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا رہتا تھا۔ ویسے فریدی نے آج پہلے خصوصیت سے اُسے کسی لڑکی پر نظر رکھنے کو کہا تھا۔

فریدی اس سلسلے میں کیا کر رہا ہے۔ اس کا علم اُسے نہیں تھا اور نہ اُس نے معلوم کرنے کی کوشش ہی کی تھی۔ وہ کافی دیر تک ریستوران میں بیٹھا رہا۔ پھر جیسے ہی کلاک نے چار بجائے وہ اٹھ گیا۔

آج کل وہ مستقل طور پر اکتاہٹ کا شکار ہو رہا تھا۔ پتہ نہیں کیوں۔ وجہ خود اُسے بھی نہ معلوم تھی۔ وہ کچھ بجھا بجھا سا رہتا تھا۔ کبھی کبھی سوچتا کہ اُسے اپنے ذہن پر بوریت کی گرد

بیٹھنے دینا چاہئے۔ کوشش کرتا کہ اضمحلال کو پاس بھی نہ بھٹکنے دے اسلئے زبردستی اپنے ساتھیوں کو چھیڑ چھیڑ کر قہقہے لگاتا۔ خوب چہکتا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اُسے محسوس ہونے لگتا کہ وہ تو بڑی بور قسم کی باتیں ہیں۔ مثلاً ابھی کچھ ہی دیر پہلے اُس نے روحی کی موجودگی میں چہکنے کی کوشش کی تھی اور اب محسوس کر رہا تھا جیسے اس نے بہت ہی گھٹیا قسم کی باتیں کی ہوں۔ کسی تھرڈ کلاس مسخرے کی طرح دوسروں کو زبردستی ہنسانے کی کوشش کرتا رہا ہو۔

"پھر اس بے نام سی اداسی کو کہاں دفن کروں۔" وہ آہستہ سے بڑبڑاتا ہوا اٹھ گیا۔

لڑکیاں بھی اب اُسے کھلنے لگی تھیں۔ ویسے عادتاً وہ انہیں دیکھ کر بے چین ضرور ہو جاتا تھا لیکن جب کسی سے گفتگو شروع ہو جاتی تو تھوڑی ہی دیر بعد اُسے وحشت سی ہونے لگتی۔

وہ ریستوران سے باہر نکل کر بڑی دیر تک ادھر اُدھر پھرتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کہاں جائے۔ پتھر اور سیمنٹ کی دیواریں اُسے کھانے کو دوڑ رہی تھیں۔ وہ کھلی ہوا چاہتا تھا۔

وہ ذرا ہی دیر میں روحی اور اس کے ساتھی کے متعلق سب کچھ بھول گیا حالانکہ اُسے ہر حال میں اُن دونوں پر نظر رکھنی چاہئے تھی۔ ایاز اس نے اپنا نام بتایا تھا۔ پتہ نہیں وہ بھی حقیقت تھی یا جھوٹ۔ آدمی مکار قسم کا معلوم ہوا تھا اور پھر اُس کا رویہ بھی مشتبہ تھا۔ حمید نے اُسے اپنا اور روحی کا تعاقب کرتے دیکھا تھا اور پھر اس طرح اُن سے ملا تھا جیسے اُسے کیبن میں حمید کی موجودگی کا علم ہی نہ رہا ہو۔

مگر حمید کی اداسی تجسس کی جبلت پر غالب آ گئی تھی۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو وہ اس آدمی کی اصلیت کا پتہ لگائے بغیر نچلا نہ بیٹھتا۔

وہ ایک فٹ پاتھ پر کھڑا ہو کر سوچنے لگا کہ کہاں جائے۔ اچانک اُسے نیا گرہ ہوٹل کا خیال آیا جو شہر سے باہر ایک پُر فضا مقام پر واقع تھا اور آج کل گرمیوں کے موسم میں وہاں کی راتیں بڑی خوشگوار ہوا کرتی تھیں۔

وہاں آج کل کھلے آسمان کے نیچے رقص ہوتا تھا اور رقص گاہ کے گرد پھولدار جھاڑیوں میں رنگ برنگ کے قمقمے جگمگایا کرتے تھے۔ موسیقی کی لہریں دور تک سناٹے میں منتشر ہو کر بڑی

خوشگوار بازگشت پیدا کرتیں۔

اس نے سوچا کہ اگر وہ کوشش کرے تو یہ رات بڑی خوشگوار ثابت ہو سکتی ہے مگر نیا
میں رات گذارنے کے لئے ایوننگ سوٹ ضروری تھا اور ایوننگ سوٹ کے لئے اُسے گھر
ضرور جانا پڑتا لیکن گھر پہنچنے پر یہ بھی ممکن تھا کہ وہ نیا گرہ تک جا ہی نہ سکتا۔

اس کا دل چاہا کہ کسی دیوار سے ٹکرا کر ہمیشہ کے لئے قصہ ہی ختم کر دے۔ اُسے بر
بیک فریدی پر غصہ آ گیا جو اُسے اپنے رنگ میں ڈھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''آج میں ضرور پیئوں گا'' وہ جھلائے ہوئے لہجے میں بڑبڑایا۔ ''مجھے شرافت ا
انسانیت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

اس نے بڑی تیزی سے سڑک پار کی اور اب وہ ٹیکسیوں کے اڈے کی طرف بڑھ رہا
لیکن اس کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا کہ ایک دُبلا پتلا چینی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔ جو
کبھی بے خبر ہو کر راہ نہیں چلتا تھا لیکن اس وقت اُس کی ذہنی حالت اعتدال پر نہیں تھی۔

اُس نے ایک ٹیکسی لی اور ڈرائیور سے کاسینو بار چلنے کو کہتا ہوا پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔

تعاقب کرنے والا چینی دوسری ٹیکسی میں بیٹھ چکا تھا۔

بار میں ہنگامہ

قاسم غصے میں پاگل ہو رہا تھا اُسے یقین تھا کہ حمید نے روحی کو اُس کے خلاف ورغلایا
اور وہ کسی بُرے ہی ارادے کے تحت اس کی طرف بڑھی تھی۔ اس نے کنکسن کے چوراہے کے
قریب اپنی بیوک روک دی اور وہیں حمید کا منتظر رہا۔ وہاں اس لئے رکا تھا کہ حمید خواہ راجرز
اسٹریٹ جائے یا اپنے گھر کی طرف اُسے کنکسن کے چوراہے سے ضرور گزرنا پڑے گا۔

قاسم تقریباً تین گھنٹے تک رکا رہا۔ اس نے اپنی گاڑی سڑک کے نیچے اُتار کر کھڑی کر دی
اور سڑک سے گذرنے والی ہر کار کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھورنے لگتا تھا۔

تقریباً پانچ بجے حمید اُسے ایک ٹیکسی میں بیٹھا ہوا نظر آیا۔

''ٹھہر تو جانا دغا باز......!'' اُس نے دھاڑ کر اپنی کار اسٹارٹ کر دی اور پھر اتنی جلدی
اُسے سڑک پر لایا کہ وہ ایک کار سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ دونوں نے بریک لگائے اور کاروں
کے اگلے حصوں میں صرف ایک فٹ یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔

''اندھا......!'' دوسری کار کا ڈرائیور کھڑکی سے سر نکال کر چیخا۔

''پیچھے ہٹاؤ......!'' قاسم دہاڑا۔

اور جیسے ہی دوسری کار کے ڈرائیور نے اسے غور سے دیکھا اس کی روح فنا ہو گئی۔ شہر میں
قاسم کے باپ کی تقریباً چار درجن ٹیکسیاں چلتی تھیں اور یہ ٹیکسی بھی اتفاق سے انہیں میں سے
ایک تھی۔

دوسرے ہی لمحے میں ڈرائیور اُسے آندھی اور طوفان کی سی سرعت سے آگے نکال لے
گیا۔ ویسے یہ ضروری نہیں تھا کہ قاسم اپنے یہاں کام کرنے والے سینکڑوں آدمیوں میں سے
ہر ایک کو پہچانتا رہا ہو۔

اس نے بھی اپنی کار بڑھائی اور دل ہی دل میں حمید کو گالیاں دیتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ
ممکن ہے روحی بھی اس کے ساتھ رہی ہو۔

وہ کار کی رفتار تیز کرتا رہا اور اُس کار کو پیچھے چھوڑتا ہوا آگے بڑھ گیا جس سے ٹکر ہوتے
ہوتے بچی تھی۔

اس کے بعد جو کار دکھائی دی اس کے متعلق قاسم نے یہی اندازہ کیا کہ وہ ہو سکتی ہے
کیونکہ یہی راجرس اسٹریٹ کے سامنے سے گزری تھی۔

قاسم نے رفتار کچھ اور تیز کی اور ٹیکسی کے برابر پہنچ گیا حمید پچھلی سیٹ پر موجود تھا۔ ''قبر
تک پیچھا نہیں چھوڑوں گا......سمجھے۔'' قاسم نے چیخ کر کہا۔

''تم کہاں چلے گئے تھے پیارے......!'' حمید چہک کر بولا۔ ''دیکھو آخر وہ خفا ہو گئی
نا......تم بھاگے کیوں تھے۔ وہ کہہ رہی تھی ایسے بیوقوفوں سے دور ہی رہنا چاہئے۔''

''ابے تم خود بیوقوف! اپنی گاڑی کو رکواؤ ورنہ لڑا دوں گا۔''

حمید نے ڈرائیور سے رکنے کو کہا۔ اُس کے ذہن میں ایک نئی شرارت جنم لے رہی تھی۔
ٹیکسی رک گئی۔ دوسری طرف قاسم نے بھی کار روک دی تھی۔ اس طرح دونوں کاروں
نے سڑک کی پوری چوڑائی گھیر لی تھی۔ اس سلسلے میں انہیں پیچھے آنے والی کاروں سے
گندی گندی گالیاں سنائی دیں۔ ٹیکسی ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا کر سڑک کے
اتار دی۔ دوسری کاروں کو آگے بڑھنے کے لئے راستہ مل گیا۔ ان میں وہ کار بھی تھی جس پر
کا تعاقب کرنے والا چینی بیٹھا ہوا تھا۔

حمید ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے قاسم کی کار کے قریب آیا۔

"کیا بات ہے۔" اُس نے قاسم کی ٹھوڑی میں ہاتھ لگا کر کہا۔ قاسم نے کسی روٹھی ہوئی
عورت کی طرح اُس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے اُلو نہیں بنا سکتے...... ہاں......!"

"میں نے تمہارے ساتھ کوئی بُرائی نہیں کی بلکہ تقریباً دو گھنٹے تک اُسے تمہاری خصوصیات
بتاتا رہا ہوں، مگر اُسے یقین نہیں آتا۔"

"کیا بتایا تھا تم نے۔" قاسم نے اشتیاق ظاہر کیا۔

"یہی کہ شاید تم دنیا کے سب سے زیادہ طاقتور آدمی ہو۔"

"ہاں......ارے......ہی ہی ہی......میں کیا۔"

"واہ......کیا میں نے غلط کہا تھا۔" حمید نے اگلی نشست کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے
ہوئے کہا۔ "میں نے اُسے تمہارے درجنوں کارنامے سنائے۔"

"پھر اُس نے کیا کہا۔" قاسم نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"کہنے لگی اب میں قاسم صاحب کو بہت قریب سے دیکھوں گی۔"

"قاسم صاحب!......کیا کہا تھا۔" قاسم نے پُر اشتیاق لہجے میں کہا۔

"دو ایک بار بے خودی میں قاسم پیارے بھی کہہ گئی تھی۔"

"ارے......نہیں......جھوٹ......ہی ہی ہی۔"

"خیر آئندہ ملاقات ہونے پر تم خود ہی حقیقت معلوم کر لو گے۔" حمید نے کہا اور

بڑی دیر تک ہونٹ بھینچے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر ہنستا رہا۔

حمید نے اب کاسینو بار جانے اور شراب پینے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

"قاسم......!" اُس نے تھوڑی دیر بعد اُسے مخاطب کیا۔

"آں......ہاں......!" قاسم چونک پڑا۔ وہ اپنے ہوائی قلعوں میں کھو گیا تھا۔

"اگر تم تھوڑی سی ہمت کر جاؤ تو کام بن سکتا ہے۔"

"کس طرح......!"

"جس مرد کو بھی اس کے ساتھ دیکھو پیٹ دو۔"

"ارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ حمید بھائی۔ جب کہو تب۔ ابھی اگر کسی کو دکھا دو تو میں
اسی وقت تمہیں اپنا کمال دکھا سکتا ہوں۔"

"نہیں ابھی صبر کرو۔"

"مگر یار حمید بھائی وہ کلاک ٹاور پر پتھراؤ کیوں کر رہی تھیں۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ انہوں نے کلاک ٹاور ہی پر پتھراؤ کیا تھا۔"

"ارے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔" قاسم ہنس کر بولا۔

"بڑی شریر لڑکیاں معلوم ہوتی ہیں۔"

"ہاں ہیں تو......!" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔ "ہم کیوں نہ راجرس اسٹریٹ ہی چلیں۔ مجھے
اس کا مکان معلوم ہے۔ وہ تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوگی۔"

"کبھی نہیں......حمید بھائی......میں بہت بدقسمت آدمی ہوں۔" قاسم نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"دل نہ تھوڑا کرو۔" حمید نے اُسے تسلی دی۔ "اسے فضل کرتے دیر نہیں لگتی یار!"

"میں تو سوچتا ہوں کہ اب مر ہی جاؤں۔"

"ہرگز نہیں۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "ایسا نہ کرنا نہیں تو تمہاری بیوی کو بڑی خوشی ہوگی۔"

"ہائیں......تم نے پھر اس کا تذکرہ چھیڑا۔" قاسم نے غصیلی آواز میں کہا۔

حمید آہستہ آہستہ پھر بوریت محسوس کرنے لگا تھا لہٰذا اُس نے تیسری بار اپنا ارادہ بدل

دیا۔اب وہ راجرس اسٹریٹ بھی نہیں جانا چاہتا تھا۔ اُس نے سوچا تھا کہ قاسم کو ایک بار پھر کے ہاتھوں پٹوادے گا۔لیکن ان دنوں کسی ایک بات پر طبیعت جمتی ہی نہیں تھی۔ حمید کوشش کہ اپنے ذہن کو کرید کرید کر اس بیزاری کی وجہ دریافت کرلے، مگر کامیابی نہ ہوتی۔

وہ سوچنے لگا کہ اب اُسے اُن لغویات کو چھوڑ کر کوئی ٹھوس کام کرنا چاہئے۔ ممکن ہے طرح بیزاری رفع ہوسکے۔ اُسے یاد آیا کہ فریدی ان دنوں اکثر سنگ سنگ بار کے چکر کاٹ ہے اور فریدی سے تضیع اوقات کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ لہٰذا وہ کسی خاص اہم قسم کا چکر ہوگا۔

دفعتاً اس نے قاسم سے کہا۔ ''مجھے بندرگاہ کے علاقے میں لے چلو۔''

''راجرس اسٹریٹ نہیں۔'' قاسم بولا۔

''نہیں اس وقت مناسب نہیں ہے۔ اگر اس کے باپ سے مڈبھیڑ ہوگئی تو سارا کھیل جائے گا۔''

''باپ ہے اُس کا؟'' قاسم نے پوچھا۔اس کے لہجے میں بڑی مایوسی تھی۔

''نہ صرف باپ بلکہ دادا بھی۔ کبھی خان بہادر سجاد کا نام سنا ہے۔''

''ہاں...... ہاں کیوں نہیں۔''

''روحی اُس کی لڑکی ہے۔''

''ہات تیری تقدیر کی......!'' قاسم بسور کر بولا۔ پھر تھوڑی دیر بعد کہنے لگا۔''نہیں بھ بھائی۔ یہ گاڑی نہیں چلے گی۔ وہ والد صاحب کے دوستوں میں سے ہیں۔''

''تم جانو......!'' حمید نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ دراصل اب اس موضوع کو خ ہی کردینا چاہتا تھا۔

قاسم نے گرینگ روڈ پر کار موڑی اور اب وہ بندرگاہ کے علاقے کی طرف جار تھے۔ حمید سنگ سنگ بار تک جانا چاہتا تھا۔ یہ بندرگاہ ہی کے علاقے میں تھا اور وہاں کا اینگلو انڈین بار ٹنڈر فریدی اور حمید سے اسی طرح واقف تھا جیسے دنیا کے سارے آدمی ملک الموت سے واقف ہیں۔

حمید نے سنگ سنگ بار سے کافی فاصلے پر کار رکوائی اور نیچے اُتر گیا۔

''میں بھی آؤں۔'' قاسم نے پوچھا۔

''نہیں......اب تم جاؤ۔ میں یہاں ایک سرکاری کام سے آیا ہوں۔''

''اچھا اُس دوسری لڑکی کے متعلق کیا خیال ہے۔'' قاسم نے آہستہ سے پوچھا۔

''اس سے کہوں گا کہ وہ تم سے محبت کرنے لگے۔ اب دفع ہوجاؤ۔''

حمید آگے بڑھ گیا۔ لیکن قاسم کی کار جہاں تھی وہیں کھڑی رہی۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ حمید کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔''

حمید پیدل ہی سنگ سنگ بار کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس بار کا مالک پی سنگ نامی ایک چینی تھا۔ کئی بار کا سزایافتہ اور کافی بدنام بھی تھا۔

جیسے ہی حمید نے بار کے اندر قدم رکھا، مریل سے اینگلو انڈین بار ٹنڈر نے اُسے خوفزدہ نظروں سے دیکھ کر کاؤنٹر پر پھیلی ہوئی چیزوں کو رکھنا اٹھانا شروع کردیا۔

لیکن حمید کاؤنٹر کی طرف نہیں گیا۔ چونکہ یہ مہینے کی آخری تاریخیں تھیں اس لئے یہاں زیادہ بھیڑ بھی نہیں تھی۔ کئی میزیں خالی نظر آرہی تھیں۔ ورنہ ویسے یہاں شام کو تل رکھنے کی بھی جگہ نہیں ہوا کرتی تھی۔ حمید دروازے کے قریب کی ایک میز پر بیٹھ گیا۔ آج کل یہاں کاروبار ترقی پر معلوم ہوتا تھا کیونکہ ایک چھوڑ تین تین ویٹر نظر آرہے تھے۔ ورنہ پہلے تو ایک ہی ویٹر ہوا کرتا تھا اور اکثر بار ٹنڈر بھی ویٹر کا کام کرتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ یہ دونوں نئے ویٹر چینی تھے۔ حمید چاروں طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔ ایک بار پھر اس کی نظریں بار ٹنڈر کی نظروں سے ملیں اور بار ٹنڈر نے سر جھکا لیا۔ حمید نے اُسے دونوں چینی ویٹروں کو کچھ اشارہ کرتے دیکھا۔ اُسے یقین تھا کہ اُس نے اشارہ ضرور کیا ہے۔ وہ اس کا واہمہ نہیں ہوسکتا۔ بہرحال دوسرے ہی لمحے میں اس کے خیال کی تصدیق ہوگئی۔ وہ دونوں چینی ویٹر صدر دروازے کے قریب آکر کھڑے ہوگئے۔ تیسرا پرانا ویٹر حمید کی طرف بڑھا۔

''آپ کے لئے کیا لاؤں۔'' اُس نے حمید سے پوچھا۔

''اورنج اسکوائش......!'' حمید نے کہا۔

''نہیں ہے۔''

"تو پھر سادہ پانی میں برف ڈال لاؤ۔"

"گستاخی معاف! یہ بار ہے۔" ویٹر بولا۔

دفعتاً حمید نے ایک چیخ سنی، جو کسی بند کمرے میں گونجی تھی۔ دوسرے لوگ بھی چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگے تھے۔

بارٹنڈر نے بلند اور کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "کوئی خاص بات نہیں ہے حضرات! ایک ملازم جن کی پوری بوتل چُرا کر صاف کر گیا ہے۔ اسی کی مرمت ہو رہی ہے۔"

لوگ پھر اپنے گلاسوں اور بوتلوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔

حمید ایک بند دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آواز دراصل اسی کے پیچھے سے آئی تھی! نہ جانے کیوں اُسے وہ آواز کچھ جانی پہچانی معلوم ہوئی تھی۔

"یہ سرکاری کام ہو رہا ہے۔" اچانک اُس نے قاسم کی آواز سنی اور چونک کر مڑا۔ وہ اس پر جھکا ہوا مسکرا رہا تھا۔

"میں کرنل صاحب کو اس کی اطلاع ضرور دوں گا۔" قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "بڑے پارسا بنتے ہیں۔"

"بیٹھو! بیٹھو!" حمید نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

قاسم اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس کی پشت کاؤنٹر کی طرف تھی اور وہ بند دروازہ جس سے آواز آئی تھی کاؤنٹر کے پیچھے تھا۔ حمید جانتا تھا کہ پی سنگ اس کمرے کو اپنے آفس کے طور پر استعمال کرتا ہے۔

"بچاؤ...... بچاؤ......!" چیخ پھر سنائی دی اور حمید اس بار بیساختہ اچھل پڑا۔ اب اس نے آواز پہچان لی تھی۔ یہ آواز فریدی کے دوسرے اسسٹنٹ سرجنٹ رمیش کی تھی۔ تیسری چیخ نے تو رہے سہے شبہات بھی زائل کر دیئے۔

"قاسم......!" حمید قاسم کی طرف جھک کر آہستہ سے بولا۔ "تم یہ چیخیں سن رہے ہو۔"

"ہاں...... سن رہا ہوں۔"

"یہاں جھگڑا بھی ہو سکتا ہے۔"

"کیوں! کون کرے گا جھگڑا۔"

"دیکھو! میں شروع کرتا ہوں۔" حمید نے چاروں طرف گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔ "تم کاؤنٹر کے پیچھے والے دروازے کو توڑ کر اندر گھسنے کی کوشش کرنا۔ یہ چیخیں سرجنٹ رمیش کی تھیں۔"

چیخ پھر سنائی دی اور یک بیک حمید نے کھڑے ہو کر بارٹنڈر سے کہا۔ "یہ کون ہے! میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"تم سے مطلب......!" ایک چینی غرا کر اُس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "چپ چاپ بیٹھو ورنہ باہر چلے جاؤ۔"

دوسرے ہی لمحے میں حمید کا گھونسہ اس کی ٹھوڑی پر پڑا اور وہ ایک میز سے ٹکرا کر میز سمیت دوسری طرف الٹ گیا۔ قاسم اٹھ کر کاؤنٹر کی طرف جھپٹا اور ساتھ ہی سامنے آتی ہوئی ہر میز کو الٹتا بھی گیا۔ اب دوسرے چینی نے حمید پر حملہ کیا لیکن اس کا گھونسہ خلا میں ناچ کر رہ گیا۔ حمید بڑی پھرتی سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ چینی نے اس حملے پر اپنی پوری قوت صرف کر دی تھی۔ لہٰذا وار خالی جانے پر وہ اپنے ہی زور میں منہ کے بل فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ تیسرے ویٹر نے حمید پر سوڈے کی بوتل کھینچ ماری لیکن حمید غافل نہیں تھا۔ اس نے اُسے بھی خالی دیا اور وہ ایک گاہک کے سر پر پڑی۔

دوسری طرف قاسم نے بارٹنڈر کو اٹھا کر کاؤنٹر کے باہر پھینک دیا تھا اور اب دروازے پر ٹکریں مار رہا تھا۔ اُسے تو یہی محسوس ہوا جیسے وہ دروازہ توڑ کر اندر جا پڑا ہو۔ لیکن وہ محض اس کا خیال تھا۔ دروازے کے دونوں پٹ محفوظ تھے اور وہ خود پیٹ کے بل فرش پر پڑا ہوا دوبارہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر وہ ہاتھی جیسا ڈیل ڈول...... اسے آسانی سے اٹھا کر سیدھا کھڑا کر دینا بہت مشکل تھا۔

یک وقت پانچ آدمی قاسم پر ٹوٹ پڑے، جو اس بند کمرے میں پہلے ہی سے موجود تھے۔ حمید نے وہاں تک پہنچنے میں دیر نہیں لگائی۔

"اُسے ہٹا لے جاؤ۔" دفعتاً حمید نے پی سنگ کی آواز سنی اور ایک طرف سرجنٹ رمیش کو

بیہوش پڑا دیکھا۔

اُس کمرے میں وہی پانچ آدمی تھے اور چھٹا خود پی سنگ تھا۔ حمید کوشش کرنے لگا کہ کسی طرح قاسم کو اٹھنے میں مدد دے۔ قاسم طاقتور ضرور تھا لیکن اُس میں پھرتی نہیں تھی۔ ہوتی بھی کیسے..... کیونکہ وہ حد سے زیادہ جسیم آدمی تھا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ ورنہ گولی ماردوں گا۔" حمید نے پی سنگ کی آواز سنی اور اُسے دیکھا بھی۔ وہ سامنے کھڑا تھا اور اُس کے داہنے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کا رخ حمید کیطرف تھا۔

حمید نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ پانچوں آدمی بھی قاسم کو چھوڑ کر الگ ہٹ گئے۔ قاسم ہانپتا ہوا اٹھا اور پی سنگ کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر اُس کے دیوتا کوچ کر گئے۔ وہ دھماکے والے اسلحہ سے بہت ڈرتا تھا۔ البتہ ہاتھ پیر کی لڑائی میں وہ شاید رستم سے بھی پیچھے نہ ہٹتا۔ اُس نے بھی ہانپتے ہوئے اپنے دنوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

"اسے لے جاؤ۔" پی سنگ نے بیہوش رمیش کی طرف اشارہ کر کے اپنے آدمیوں سے کہا۔ "گلی میں وین کھڑی ہے۔"

"پی سنگ کیوں شامت آئی ہے۔" حمید نے اُسے للکارا۔

"شامت کا حال ابھی معلوم ہوگا۔ میں پی سنگ ہوں سمجھے۔ یہ رمیش تو یہاں آیا ہی نہیں تھا اور تم دونوں میری سیکریٹری مس جوزف کو چھیڑ رہے تھے۔"

اُس نے مس جوزف کو آواز دی اور ساتھ ہی ایک آدمی کو اشارہ کیا کہ وہ کاؤنٹر کی طرف کا دروازہ بند کردے کیونکہ باہر سے بھی لوگ بار میں داخل ہونے لگے تھے۔

دروازہ بند کردیا گیا اور ساتھ ہی ایک خوبصورت سی نوعمر اینگلو انڈین لڑکی داہنی طرف کے دروازے سے اندر آئی۔

"یہ دونوں تمہیں چھیڑ رہے تھے مس جوزف۔"

لڑکی نے انہیں غور سے دیکھا اور بولی۔ "ہاں! انہوں نے مجھے زبردستی اٹھالے جانے کی کوشش کی تھی۔"

"دیکھا تم نے۔" پی سنگ نے حمید سے کہا۔

حمید اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے مس جوزف کو گھور رہا تھا۔ اتفاقاً مس جوزف کی نظریں پھر اس کی طرف اٹھ گئیں اور حمید نے بے تحاشہ اُسے آنکھ ماردی۔ لڑکی کے منہ سے گالیوں کا طوفان امنڈ پڑا۔ پی سنگ اس کی طرف دیکھنے لگا۔ حمید موقع کا منتظر ہی تھا۔ اُس نے اسی لئے اُسے آنکھ ماری تھی کہ موجودہ حالت میں کسی قسم کی تبدیلی واقع ہوجائے۔ جیسے ہی پی سنگ کی نظر اس پر سے ہٹی اس نے پی سنگ پر چھلانگ لگادی۔ پی سنگ دیوار سے جاٹکرایا لیکن ریوالور حمید کے ہاتھ میں نہیں آسکا۔ وہ اب پی سنگ کے ہاتھ میں بھی نہیں تھا۔ حمید نے اس کی ناک پر ایک بھرپور ہاتھ رسید کردیا۔ قاسم اُن لوگوں پر ٹوٹ پڑا تھا، جو رمیش کو اٹھا کر وہاں سے لے جارہے تھے۔

مس جوزف منمناتی ہوئی سارے کمرے میں ناچتی پھر رہی تھی۔ پی سنگ کمزور آدمی نہیں تھا...... ذرا ہی سی دیر میں بُری طرح ہانپنے لگا۔ وہ اُسے اپنے نیچے دبائے رکھنا چاہتا تھا...... دوسری طرف کاؤنٹر والا دروازہ بڑی شدت سے پیٹا جارہا تھا اور پھر ایسا معلوم ہونے لگا جیسے اُسے توڑ ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہو۔

"دروازہ کھولو...... پولیس ہے۔" کسی نے بھاری بھرکم آواز میں کہا۔

پی سنگ کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ خائف ہوگیا ہے کیونکہ دوسرے ہی لمحے میں اُس نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ "رمیش کو یہیں رہنے دو۔ مس جوزف ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ بس اب دروازہ کھول دو۔"

اس بدلتے ہوئے نقشے نے قاسم کے ہاتھ پیر روک دیئے اور پی سنگ پھر بولا۔ "دیکھو! ٹھہرو! تم پانچوں دوسری طرف سے گلی میں نکل جاؤ اور مس جوزف تم دروازہ کھول دینا۔ جلدی کرو۔ اپنا اسکریٹ دو چار جگہوں سے پھاڑ ڈالو۔"

"قاسم......!" حمید نے جلدی سے کہا۔ "یہ پانچوں یہاں سے نکلنے نہ پائیں۔"

"ان کے باپ بھی نہیں نکل سکتے۔" قاسم داہنی طرف کے دروازے پر جمتا ہوا بولا۔

ایک بار پھر جدوجہد شروع ہوگئی لیکن دروازہ ٹوٹنے ہی والا تھا، مس جوزف اپنا اسکرٹ پھاڑ رہی تھی۔ اچانک دروازہ ٹوٹا اور آدمی اندر آ گرے، ان میں دو کانسٹیبل بھی تھے۔

پھر آٹھ دس کانسٹیبل اندر گھس آئے ان میں ایک سب انسپکٹر بھی تھا۔

"ارے آپ......!" اُس نے حمید کو دیکھ کر کہا۔

"ہاں! یہ لوگ سارجنٹ رمیش کو پکڑ لائے تھے۔" حمید نے کہا۔

اچانک مس جوزف نے چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیا اور پی سنگ دہاڑنے لگا۔ "یہ سراسر زیادتی ہے۔ ان لوگوں نے میری سیکریٹری کو زبردستی لے جانا چاہا تھا۔ بہت پٹے ہوئے تھا۔ وہ ادھر پڑا ہوا ہے، اور یہ دونوں ہم پر زبردستیاں کر رہے تھے۔"

"پی سنگ تمہاری بکواس کام نہیں آئے گی۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ہاں ہاں...... آپ لوگ بادشاہ ٹھہرے، جو چاہیں کرتے پھریں۔" پی سنگ ہانپتا ہوا بولا۔

"تمہارے پاس اس ریوالور کا لائسنس ہے۔" حمید نے فرش پر پڑے ہوئے ریوالور کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "تم یہ نہیں کہہ سکو گے کہ اسے ہم نے استعمال کیا تھا کیونکہ اس کے دستے پر صرف تمہاری ہی انگلیوں کے نشانات ملیں گے۔"

پی سنگ کا چہرہ اُتر گیا۔

قاسم اور تیسری لڑکی

لڑکی چیخ چیخ کر رونے لگی۔ وہ حمید کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر مغلظات بھی سنا رہی تھی۔

"کیا قصہ ہے جناب۔" سب انسپکٹر نے حمید سے پوچھا۔

"سب فراڈ ہے۔ اب یہ لوگ کیس بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ وہ ریوالور احتیاط سے اٹھوا لیجئے۔ نشانات ضائع نہ ہونے پائیں۔"

پھر اس نے پی سنگ سے پوچھا۔ "تم رمیش کو یہاں کیوں لائے تھے۔"

"میں لایا تھا۔" پی سنگ غصیلی آواز میں بولا۔ "تم لوگ زیادتی بھی کرتے ہو اور پھنسا بھی دیتے ہو۔ مس جوزف ایک اچھے خاندان کی لڑکی ہے۔"

"تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ اس کی شایانِ شان سلوک کیا جائے گا۔"

قاسم کی نظریں اُس لڑکی پر تھیں اور وہ اپنے ہونٹ چاٹ رہا تھا۔

دفعتاً رمیش نے کراہ کر کروٹ بدلی اور حمید اس کی طرف جھپٹا۔ رمیش اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ حمید نے سہارا دے کر اُسے بٹھا دیا لیکن اس کی آنکھیں اب بھی بند تھیں اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں دبائے ہوئے تھا۔

"رمیش......!" حمید نے اُسے ہلایا۔

رمیش نے آنکھیں کھولیں اور پھر بند کر لیں۔ وہ اتنی سرخ تھیں جیسے خون سے ڈوبی ہوئی ہوں۔

"آپ انہیں سنبھالئے۔" حمید نے سب انسپکٹر سے کہا۔ "میں رمیش کو لے جارہا ہوں۔ اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔" پھر وہ قاسم کی طرف مڑ کر بولا۔

"کیا تمہاری کار کہیں قریب ہی ہے۔"

"آں......!" قاسم چونک پڑا۔ وہ لڑکی کو گھورنے میں محو تھا اور کسی ایسی چمگادڑ کی طرح پلکیں جھپکا رہا تھا جو اندھیرے سے اجالے میں پکڑ لائی گئی ہو۔

"اپنی گاڑی یہاں لاؤ۔"

"اچھا......!" قاسم نے بھاڑ سا منہ کھول کر کہا اور لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

"ان میں سے ایک کو بھی چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔" حمید رمیش کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اٹھاتا ہوا بولا۔

باہر قاسم کی کار موجود تھی۔ اس نے رمیش کو پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔ رمیش ابھی تک کچھ بولا نہیں تھا۔ لہٰذا یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ ہوش ہی میں ہے۔ اس کی آنکھیں بھی بند تھیں۔

وہ سول ہسپتال میں آئے اور وہیں سے حمید نے فریدی کو بھی فون کیا لیکن وہ گھر پر موجود نہیں تھا۔ دوسری جگہوں میں بھی جہاں اس کے ملنے کے امکانات تھے پوچھ گچھ کی گئی...... فریدی کہیں بھی نہ مل سکا۔

رمیش کی عجیب کیفیت تھی۔ وہ تھوڑی دیر بعد اپنی سرخ سرخ آنکھیں کھولتا اور اس طرح خلاء میں گھورنے لگتا جیسے اُسے کچھ دکھائی ہی نہ دے رہا ہو۔ نہ وہ کسی کی آواز سن کر اس کی طرف دیکھتا اور نہ اس کے ہونٹ ہی ہلتے۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سماعت اور بصارت سے محروم ہو گیا ہو۔ ڈاکٹر نے اس کی پیشانی پر ابھری ہوئی نیلے رنگ کی دھاریوں کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا۔ ''حمید صاحب! انہیں بہت سخت قسم کی اذیت دی گئی ہے۔ گردن میں رسی پھنسا کر اس کا حلقہ اتنا تنگ کیا گیا ہے کہ یہ بیہوش ہو گئے ہیں۔ میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ اندھے یا بہرے نہیں ہو جائیں گے۔'' اور حمید سوچ رہا تھا کہ آخر اُسے اذیت دی ہی کیوں گئی تھی۔ یہ طریقہ تو کچھ اگلوا لینے ہی کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ آخر وہ لوگ اس سے کیا معلوم کرنا چاہتے تھے اور وہاں گیا ہی کیوں تھا۔

وہ اسے ہسپتال ہی میں چھوڑ کر پھر بندرگاہ کے علاقے کی طرف روانہ ہو گیا۔ قاسم اب بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس نے ایک بار بھی حمید سے یہ نہیں کہا کہ اب اُسے واپس جانا چاہئے۔

''اب کہاں!'' قاسم نے اس سے پوچھا۔

''وہیں سنگ سنگ بار۔''

''یار حمید بھائی مجھے افسوس ہے کہ ان میں سے ایک بھی نہیں مرسکا۔ مگر یار وہ جوجو...... الاقسم...... کیا چیز تھی۔''

''مس جوزف......!'' حمید نے تصحیح کی۔

''کیسی زہریلی گالیاں دے رہی تھی۔'' قاسم ہنسنے لگا۔ ''چلو ہم دونوں قریب قریب برابر ہو گئے۔ میں نے لونڈیوں کے ہاتھ سے مار کھائی تھی۔ تم نے گالیاں سن لیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اب وہ مذاق کے موڈ میں نہیں تھا۔ مگر یہ کہنا قطعی غلط ہو گا کہ اس ہنگامے نے اس کی طبیعت کو پہلے سے بھی زیادہ مکدر کر دیا ہوگا۔ یہ بات نہیں تھی۔ دفعتاً حمید کو اب ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی روح پر سے اداسی کا بوجھ اتر گیا ہو۔ وہ بیزاری دھوئیں کی طرح اڑ گئی تھی، جو پچھلے چند ہفتوں سے اس کے ذہن پر مسلط رہی تھی اور اب وہ خود کو پہلے کی طرح کا سدابہار محسوس کر رہا تھا۔

جب سے اسے کیڈی ٹ والا حادثہ پیش آیا تھا وہ کچھ اسی قسم کا ہو گیا تھا۔ اس کے اندر زندگی کی لہر عموماً اسی وقت پیدا ہوتی تھی جب زندگی ہی خطرے میں ہو۔ سنگ سنگ بار میں اس وقت کے ہنگامے نے اس میں نئی روح پھونک دی تھی۔

اس نے قاسم کو اسٹیئرنگ پر سے ہٹا دیا تھا اور خود ہی کار ڈرائیو کر رہا تھا اور اتنے وحشیانہ انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا کہ قاسم کے ہوش اڑے جا رہے تھے۔ بار بار اُسے ایکسیڈنٹ کا خطرہ محسوس ہونے لگتا مگر چونکہ ہیکڑ قسم کا آدمی تھا اس لئے اپنی کمزوری کا اعتراف نہیں کر سکتا تھا۔

وہ جلد ہی سنگ سنگ بار کے سامنے پہنچ گئے جہاں اب پہلے سے بھی زیادہ بھیڑ نظر آ رہی تھی۔ حمید اور قاسم مجمع میں گھستے چلے گئے۔ اندر سناٹا تھا۔ صرف دو کانسٹیبل وہاں نظر آ رہے تھے۔ حمید کو دیکھتے ہی ایک بولا۔

''صاحب وہ چینی بھاگ گیا۔''

''کیا......!''

''جی ہاں اور دوسرے تھانے میں ہیں۔ ہم انہیں یونہی لے جا رہے تھے۔ کیونکہ ہمارے پاس ہتھکڑیاں نہیں تھیں۔ بس ہیرا بازار کے قریب پہنچ کر غائب ہو گیا۔''

''غائب ہو گیا۔'' حمید نے حیرت سے دہرایا۔

''جی ہاں! ہمیں تو بالکل یہی معلوم ہوا جیسے وہ یا تو ہوا میں گھل گیا یا پھر اُسے زمین نگل گئی ہو۔ ہم غافل نہیں تھے جناب۔''

حمید سوچ میں پڑ گیا۔ اُسے ابھی تک ان حالات کا علم نہیں تھا جن کے تحت رمیش کی درگت بنائی گئی تھی۔ بہرحال وہ کوئی خاص ہی معاملہ رہا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کا تعلق فریدی کی ذات سے ہو۔

حمید چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس کی نظر سنگ بار کی بالائی منزل کی طرف اٹھ گئی۔ اس نے ہارڈی کو دیکھا جو اوپر بارجے پر کھڑا سڑک کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ شہر کے شورہ پشت قسم کے بدمعاشوں میں سے تھا اور بندرگاہ کے علاقے میں خصوصیت سے اس کی دھاک بیٹھی ہوئی

٭ گولڈن جوبلی نمبر ملاحظہ فرمائیے

تھی۔ حمید نے سوچا ممکن ہے ہارڈی ہی اس سلسلے میں کوئی مدد کر سکے۔ اُسے یاد آیا کہ فریدی نے ہارڈی کو ایک بہت بڑے جنجال سے بچایا تھا۔ ویسے اُس نے خود اُس کی مرمت ضرور کردی تھی۔ فریدی تنہا تھا اور ہارڈی اپنے چار ساتھیوں سمیت اپنے ہی بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ اُس نے فریدی پر بھی بندرگاہ کے علاقے میں اپنی حکومت کا چاہا لیکن اُس دن شاید ہارڈی کا ستارہ گردش ہی میں تھا کہ نہ صرف اُسے بلکہ اُس کے ساتھیوں کو بھی فریدی کے ہاتھوں بُری طرح پٹنا پڑا تھا۔ اس کے بعد فریدی نے نہ صرف معاف کردیا تھا بلکہ اُسے بہت بڑی مصیبت سے نجات بھی دلائی تھی۔

حمید نے سوچا ممکن ہے ہارڈی پی سنگ کی گرفتاری میں اُسے کچھ مدد دے سکے نے ہاتھ کے اشارے سے ہارڈی کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ ہارڈی نے اُسے دیکھا اور اس کا کھل اٹھا جیسے اسے اس کا انتظار ہی رہا ہو۔

دو منٹ بعد ہارڈی نیچے آ گیا۔

''کام ادھورا رہا کپتان صاحب۔'' اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''مگر یہ سب کچھ ہوا! مجھے افسوس ہے کہ پی سنگ نکل گیا۔''

''اوہو! تو کیا آج کل پی سنگ سے تمہارے تعلقات اچھے نہیں تھے۔''

''کبھی اچھے نہیں تھے۔ میں چینیوں کو بالکل پسند نہیں کرتا اور پھر وہ تو انتہائی سُؤر ہے...... مگر بات کیا تھی کپتان صاحب۔''

''اُس نے سارجنٹ رمیش کو بند کر رکھا تھا، جو ہمیں بیہوشی کی حالت میں ملا۔ ابھی تک ہوش نہیں آیا۔''

''اور ایسے مجرم کو انسپکٹر صاحب نے نکل جانے دیا۔'' ہارڈی نے متحیرانہ لہجے میں آہستہ سے بولا۔ ''یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے دو چار ہزار کے نوٹ تھما دیئے ہوں۔''

''خدا جانے......!'' حمید بولا۔ ''کیا تم اس سلسلے میں میری کچھ مدد کر سکو گے۔''

''بھلا میں کیا مدد کر سکتا ہوں۔''

''پی سنگ نے شہر تو نہ چھوڑ دیا ہوگا۔''

ہارڈی کچھ سوچنے لگا۔ قاسم نے ہاتھ اٹھا کر ایک طویل انگڑائی لی اور اس طرح منہ چلانے لگا جیسے کچھ دیر قبل کھائی ہوئی مٹھائی کا مزہ اب ترشی میں تبدیل ہوگیا ہو۔ ساتھ ہی ایک ٹھنڈی سانس لے کر اُس نے اپنے پیٹ پر بھی ہاتھ پھیرا۔ جسمانی ورزش نے اُس کی بھوک چمکا دی تھی۔

''آپ کی تعریف......!'' دفعتاً ہارڈی نے قاسم کو نیچے سے اوپر تک دیکھتے ہوئے کہا۔

''کرنل ٹاور۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا اور قاسم گدھے کی طرح پھول گیا اور ہارڈی کی طرف بڑی حقارت سے دیکھنے لگا۔

''محکمے میں نئے ہیں۔'' ہارڈی نے پوچھا۔

''تم مجھ سے پی سنگ کی بات کرو ہارڈی۔''

''پی سنگ۔'' ہارڈی نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ''اس نے اپنی مٹی پلید کرلی۔ اب نہ وہ شہر چھوڑ سکے گا اور نہ یہی ممکن ہوگا کہ منظر عام پر آئے۔ اُس نے بھاگ کر سخت غلطی کی۔ ایک نہیں ہزار بہانے تھے۔''

''بہانہ تو اس نے بڑا شاندار پیدا کیا تھا۔'' حمید نے مسکرا کر کہا مگر پھر ایک غلطی کر بیٹھا۔ ''اگر وہ ریوالور نہ نکالتا تو ہم اپنی بے گناہی کسی طرح نہ ثابت کر سکتے۔ ریوالور بغیر لائسنس کا تھا اور اس کے دستے پر صرف اسی کی انگلیوں کے نشانات تھے۔ وہ محض اس ریوالور کی وجہ سے بھاگ نکلا ورنہ......ورنہ ہمیں تارے نظر آجاتے۔''

''میں کچھ نہیں سمجھا کپتان صاحب۔'' ہارڈی نے پُراشتیاق لہجے میں کہا۔

اس پر حمید نے بے کم و کاست پوری داستان دہرادی۔ قاسم کو بڑا غصہ آیا۔ اُسے بھوک لگی ہوئی تھی اور وہ اس انتظار میں تھا کہ ہارڈی کھسکے تو وہ حمید سے کسی ہوٹل میں چلنے کی فرمائش کرے۔ مگر بات تھی کہ بڑھتی ہی جارہی تھی۔

''اچھا بس! خواہ مخواہ بے تکی ہانک رہے ہو۔'' قاسم غرایا۔

''میں آپ لوگوں کا بداندیش نہیں ہوں جناب۔'' ہارڈی نے کہا۔ ''ہوسکتا ہے کام ہی آجاؤں۔''

"اسی وقت کام آؤ گے؟" قاسم نے نڈھال سی آواز میں پوچھا۔

ہارڈی اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ وہ تو اسے محکمہ سراغ رسانی کا کوئی آفیسر سمجھا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ اُس جملے کی وضاحت چاہتا حمید بول پڑا۔

"اگر کام ہی آنا ہے تو دیر نہ کرو۔"

"دیکھئے...... میرا خیال ہے کہ پی سنگ اس وقت کارپینٹر کے قمار خانے میں ہوگا۔ میں نے غلط نہیں کہا تھا کہ پی سنگ شہر نہیں چھوڑ سکتا۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ کارپینٹر کے قمار خانے کا مالک دراصل پی سنگ ہی ہے۔"

"میرے لئے نئی اطلاع ہے۔"

"ہے نا!" ہارڈی چہک کر بولا۔ "پی سنگ کروڑوں کا آدمی ہے اور اس نے مختلف ناموں سے درجنوں کاروبار کر رکھے ہیں۔"

"اچھا تو پھر ہم کارپینٹر کے قمار خانے ہی میں کیوں نہ چلیں۔"

"ابھی نہیں...... ایک بجے سے پہلے ہرگز نہیں۔"

"ایخ بجے۔" قاسم دہاڑا۔

"جی ہاں...... احتیاطاً......!" ہارڈی جلدی سے بولا۔ وہ اسکے ڈیل ڈول سے بہت مرعوب معلوم ہو رہا تھا۔ حمید نے پھر اُسے اپنی طرف مخاطب کرنے کیلئے کہا۔ "اچھا تم کہاں ملو گے۔"

"یہیں اپنے فلیٹ میں۔ اب مجھے جانے دیجئے۔ پی سنگ بڑا چالاک ہے۔ وہ جہاں بھی ہوگا اس تک ایک ایک لمحہ کی خبریں پہنچ رہی ہوں گی۔"

"بہتر ہے جاؤ۔" حمید نے کہا۔ "میں ساڑھے بارہ بجے تک تمہارا انتظار کسٹم کراسنگ پر کروں گا! لیکن سو نہ جانا۔"

"نہیں جناب ایسا بھی کیا۔" ہارڈی نے کہا اور اپنے فلیٹ کی طرف چلا گیا۔

"غمید بھائی۔" قاسم کے حلق سے ایک دردناک سی آواز نکلی۔

"بھوکے ہو!" حمید نے پوچھا۔

"ہاں......!"

"مجھے کھا جاؤ۔"

قاسم ہنسنے لگا۔ مگر اس کی ہنسی بڑی بے جان تھی، قہقہے کے اختتام پر بالکل ایسی ہی آواز اُس کے حلق سے نکلی جیسے کوئی گدھا رینک رہا ہو۔

"چلو...... یہاں کوئی ایسا ہوٹل نہیں ہے جہاں تمہارے معیار کے مطابق کھانا مل سکے۔" حمید کار کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

وہاں سے دونوں آرلکچو میں آئے جہاں ان کی شخصیتیں گمنام نہیں تھیں۔ خصوصاً قاسم تو ویٹروں سے لے کر منیجر تک کی آنکھوں کا تارا تھا۔ وہ یہاں بیٹھ کر بے تحاشہ کھاتا اور بے تحاشہ پیسے بانٹتا۔ کاؤنٹر کلرک ایک اینگلو برمیز لڑکی تھی اس لئے قاسم بلاناغہ یہاں آتا تھا۔ قاسم ایک میز پر جم گیا اور حمید کاؤنٹر پر پہنچ کر سول ہسپتال کے نمبر رنگ کرنے لگا۔ اسے معلوم کرنا تھا کہ فریدی وہاں پہنچا یا نہیں۔ وہاں سے اسے ہولڈ ان کرنے کے لئے کہا گیا کیونکہ فریدی وہاں موجود تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد فریدی کی آواز آئی جو اُسے سول ہسپتال پہنچنے کے لئے کہہ رہا تھا۔

حمید ریسیور رکھ کر قاسم کی میز پر آیا۔

"تم زہر مار کرو...... میں جا رہا ہوں۔"

"جاؤ......!" قاسم نے بڑے مخلصانہ انداز میں کہا۔ اُس نے کاؤنٹر کلرک کو حمید کی طرف دیکھ کر بڑے دلآویز انداز میں مسکراتے دیکھا تھا اور اس کی ہڈیاں سلگ گئی تھیں۔ یہ اینگلو برمیز لڑکی قاسم کو بہت پسند تھی کیونکہ وہ اُس سے بھی مسکرا کر ہی گفتگو کرتی تھی۔ وہ ہر گاہک سے مسکرا کر گفتگو کرتی تھی لیکن قاسم کے لئے یہ بھی ناقابل برداشت تھا۔ وہ ہر اُس لڑکی کو اپنی ملکیت سمجھنے لگتا جو اس سے سیدھے منہ بول لیتی۔

حمید چلا گیا۔ قاسم بیٹھا کھانے پر ہاتھ صاف کرتا رہا۔ اس کی میز پر ہمیشہ دو ویٹر ہوا کرتے تھے۔ پتہ نہیں کب کسی آرڈر کے سلسلے میں ایک کی غیر حاضری دوسرے آرڈر کی تعمیل میں حارج ہو جائے۔ کھانے کے دوران میں اس کی فرمائشات کا سلسلہ برابر جاری رہا کرتا تھا۔ اور آج تو اُس نے بھوک کی شدت کی وجہ سے حد ہی کر دی تھی۔ پوری میز پلیٹوں

گلاسوں اور قابوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود بھی اگر ایک ویٹر موجود تو دوسرا لازمی طور پر غائب ہوتا۔ وہ تقریباً ایک گھنٹے تک کھاتا رہا۔

آرلکچو کے پرانے گاہکوں کے لئے تو اب وہ عجوبہ نہیں رہ گیا تھا۔ مگر نئے آنے والوں کے لئے تو وہ خاصی دلچسپی کا سامان بن جایا کرتا تھا۔ عورتیں خاص طور سے اُسے دیکھتیں اور ہنس کر اپنے ساتھیوں سے سرگوشیاں کرنے لگتیں۔ اس وقت قاسم کو احساس ہوتا کہ وہ انہیں پرلے سرے کا بیوقوف نظر آتا ہوگا۔ بس پھر اُس سے بوکھلاہٹیں سرزد ہونے لگتیں۔ کبھی شوربے کی پلیٹ اپنے اوپر الٹ لیتا۔ کبھی پانی کی بوتل کی بجائے سرکے کی بوتل گلاس میں الٹ کر بے خیالی میں پینے لگتا اور پھر جب غلطی کا احساس ہوتا تو بُرا سا منہ بناتے وقت سارا سرکہ پھوار کی شکل میں اس کے ہونٹوں سے اُبل پڑتا۔

آج بھی کچھ اسی قسم کی واردات ہوگئی۔ ہوا یہ کہ قاسم نے کھانے کے بعد کافی طلب کی اور اس انڈونیشی لڑکی میں دلچسپی لیتا رہا، جو اُس کے قریب ہی کی ایک میز پر تنہا بیٹھی تھی۔ اُس کے ہونٹ اور آنکھوں کے نیچے کے اُبھار قاسم کو بہت پسند آئے تھے۔ وہ لڑکی بھی کنکھیوں سے کبھی کبھی قاسم کی طرف دیکھ لیتی تھی۔ قاسم نے اُسے محسوس کرلیا تھا۔ وہ ایک بار نظریں [illegible] کرکے مسکرائی بھی تھی۔ قاسم اُسے دیکھنے میں اتنا محو تھا کہ اُس نے کافی میں شکر کی بجائے تین چمچے دانے دار نمک کے ڈال لئے اور پھر عادت کے مطابق ایک بڑا سا گھونٹ لیا، جو منہ میں رکے بغیر حلق سے نیچے اتر گیا۔

"اِع...... عی...... عی......!" اس نے ہونٹ پھیلا دیئے اور اُبکائیاں لینے لگا۔ خیریت یہی ہوئی کہ کپ ہاتھ سے چھوٹ فرش پر نہیں گرا۔

"خدا...... تم...... غو...... غارت کرے۔" وہ ویٹر کی طرف مڑ کر دہاڑا۔

"جی صاحب!" ویٹر چونک کر بولا۔

"یہ کیسی شکر ہے۔" قاسم کی غراہٹ پورے ڈائننگ ہال میں سنی گئی۔

"شکر ہے صاحب۔" ویٹر نے بوکھلا کر جواب دیا۔

"زہر ہے۔" قاسم اُسی آواز میں چیخا۔ "چکھو...... اسے...... چکھو نا...... ورنہ میں چائے

تمہارے سر پر توڑ دوں گا۔"

کئی لوگ اپنی میزوں سے اٹھ کر ان کے قریب آ گئے اور قاسم زہر ہی زہر کے نعرے [illegible] رہا۔ لیکن جلد ہی اس کی آواز دب گئی کیونکہ وہ انڈونیشی لڑکی بھی اٹھ کر اس کی میز کے قریب [illegible] تھی۔ اس کی رنگت گندمی تھی اور چہرہ ملیح تھا۔ ہونٹوں پر ہلکے رنگ کی لپ اسٹک اس کی [illegible] سلیقگی کی دلیل تھی۔

قاسم اُسے قریب دیکھ کر یکلخت خاموش ہوگیا اور اس نے مسکرا کر پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

"کک...... کافی......!" قاسم ہکلایا۔ "آؤٹ آف...... آرڈر...... معلوم ہوتی ہے۔"

"اوہو...... تو اس پر اتنا غصہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" لڑکی اٹھلائی۔ "آدمی کو اُس انسانیت کے جامے سے باہر نہ ہونا چاہیے۔"

"ججج...... جی...... ہاں...... جہاں...... ٹھیک ہے۔" قاسم اس وقت صحیح الفاظ ادا کرنے سے قاصر تھا۔ وہ ہانپتا ہوا بیٹھ گیا۔ لوگ اپنی میزوں کی طرف واپس گئے لیکن لڑکی وہیں کھڑی رہی اور قاسم نے تھوک نگل کر بدقت تمام کہا۔ "تشریف...... رررکھئے۔"

"میں محسوس کر رہی ہوں کہ آپکی اصلاح کی ضرورت ہے۔" لڑکی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ججج...... جی...... ہاں اور کیا۔" قاسم نے رومال سے اپنے چہرے کا پسینہ خشک کرتے ہوئے کہا۔

"آدمی اور جانور میں کیا فرق ہے۔" لڑکی نے پوچھا۔

"مم...... میں سوچ کر جواب دوں گا...... ابھی...... ذرا ٹھہریئے۔" قاسم نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر تقریباً ڈیڑھ منٹ بعد مسکرا کر بولا۔ "آدمی کے دم نہیں ہوتی...... جی ہاں...... اور کیا...... دم ہی تو۔"

"چلئے میں آپ کو بتاؤں کہ انسانیت اور آدمیت کسے کہتے ہیں۔"

"چلو...... کہاں...... ہی...... ہی...... ہی...... ضرور...... ضرور۔"

"میرا ایک اصلاح خانہ ہے۔ میں آپ کو آدمی بنا دوں گی۔"

قاسم خوش بھی تھا اور بدحواس بھی۔ اس نے بڑی پھرتی سے بل کے دام چکائے اور اس کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گیا...... تھوڑی دیر بعد وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھے کسی نامعلوم منزل کی طرف اڑے جا رہے تھے۔ کم از کم قاسم کے لئے تو وہ "منزل" نامعلوم ہی تھی۔ اس نے یہ بھی پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی کہ وہ اُسے کہاں لے جا رہی ہے۔

یہ سفر شاید ایک گھنٹے تک جاری رہا۔ قاسم راستے بھر پچھلی سیٹ پر پڑا آنکھیں بند کئے ہانپتا رہا تھا۔ اس لئے وہ نہ دیکھ سکا تھا کہ ٹیکسی شہر سے نکل کر ویرانے کی طرف جا رہی ہے۔ ویسے اگر دیکھ بھی لیتا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑ سکتا تھا۔ ٹیکسی ایک جگہ رکی اور اُسے لڑکی کی مترنم آواز سنائی دی، جو اس سے نیچے اترنے کو کہہ رہی تھی۔ وہ شہر سے یہاں تک ٹیکسی میں اس کے پہلو میں بیٹھ کر آئی تھی، جیسے ہی قاسم کار سے اترا اس کی آنکھوں کے سامنے چمگادڑ اڑنے لگے اور وہ دوسرے ہی لمحے میں کسی تناور درخت کی طرح زمین پر ڈھیر ہو گیا...... لگنے والی ضرب اتنی ہی شدید تھی۔

کیا فریدی پاگل تھا

فریدی کی پیشانی پر سلوٹیں تھیں اور وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا...... تھوڑی دیر بعد اس نے حمید سے کہا۔

"رمیش کی حالت قابلِ اطمینان نہیں ہے۔"

"یعنی......!" حمید بوکھلا گیا۔ اُسے رمیش سے بڑی محبت تھی۔

"ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ شاید اس کا ذہنی توازن ہمیشہ کے لئے بگڑ جائے۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ پی سنگ نے ایسی جرأت کس طرح کی۔" حمید نے کہا۔

"پی سنگ......!" فریدی نے اپنا نچلا ہونٹ پھر دانتوں سے دبا لیا اور کچھ دیر بعد

بولا۔ "پی سنگ پر بہت عرصہ سے میری نظر تھی۔ رمیش عرصہ سے اُس کی نگرانی کر رہا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ موجودہ کیس سے پی سنگ کا کیا تعلق ہے۔"

"موجودہ کیس سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"وحشی لڑکیاں۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا اور خاموش ہو گیا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیس کس طرح سے ہے۔"

"کیوں......!"

"آپ کا یہی خیال ہے نا کہ یہ کوئی مرض نہیں ہے۔ بالکل اُسی طرح جیسے وہ ناخن اکھاڑ وبا کوئی مرض نہیں تھی۔"

"ہاں میرا خیال یہی ہے۔"

"مگر آپ نے اس کے مقصد پر بھی غور کیا ہے۔"

"یہ بجائے خود مقصد ہے۔"

"وضاحت ہو جائے تو بہتر ہے۔ ورنہ مرنے کے بعد بھی میں......!"

"وضاحت! قبل از وقت ہوگی۔ تم اسکی پرواہ نہ کرو۔ ہو سکتا ہے میں غلطی ہی پر ہوں۔"

"خیر...... جانے دیجئے! ویسے میری دانست میں اگر لڑکیوں کا یہ وحشیانہ پن بجائے خود ایک مقصد ہے تو اس میں جرم کہاں سے آئے گا اور اگر جرم ہے تو اس کی نوعیت کیا ہے۔ اگر ایک لڑکی کسی دوکاندار کو چاقو مار دیتی ہے یا اگر کوئی لڑکی اپنے باپ پر چاقو لے کر دوڑتی ہے یا کلاک ٹاور پر پتھراؤ کرتی ہے تو آپ ان سارے واقعات کو ایک ہی رشتے میں کیسے منسلک کریں گے۔ ناخن اکھاڑ وباء کا شکار تو ملک کے بہت بڑے بڑے لوگ ہوتے تھے اور اس کا مقصد یہ تھا کہ قوم کو بہترین قسم کے دماغوں سے محروم کر دیا جائے۔ مگر اس کیس میں!"

"ہاں ٹھیک ہے! واقعات ایسے ہی ہوتے ہیں کہ انہیں ایک رشتے میں منسلک نہیں کیا جا سکتا لیکن کیا یہ بات حیرت انگیز نہیں ہے کہ صرف طالب علم لڑکیاں ہی اس وباء کا شکار ہو رہی ہیں اور لڑکیاں بھی وہ جو مالدار طبقے سے تعلق رکھتی ہیں۔"

"یہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ مقصد کیا ہے۔"

"یہ ابھی نہیں بتا سکتا۔ خود مجھے بھی معلوم نہیں......لیکن۔"

فریدی پھر کچھ سوچنے لگا۔

حمید نے اپنے پائپ میں تمباکو بھری اور اُسے سلگاتا ہوا بولا۔ "ویسے جہاں تک روحی کا تعلق ہے اُس سے گفتگو کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہے اور کچھ اس انداز میں کہ ساتھ ہی ساتھ چیلنج بھی کرتی جاتی تھی کہ سرکاری سراغرساں بھی اسے نہ معلوم کر سکیں گے جو کچھ وہ چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔"

"لیکن تم اُسے یاد رکھنا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ لڑکی ہماری معلومات کا ذریعہ ضرور بنے گی۔"

"یعنی آپ کو توقع ہے کہ وہ خود ہی سب کچھ اُگل دے گی۔ برضا و رغبت۔"

"نہیں بلکہ وہ ہمیں شکست دینے کے خبط میں مبتلا ہو کر یقینی طور پر حماقتیں کرے گی۔"

"یہ ستاروں کی چال کے مطابق پیشین گوئی ہے یا آپ کی جمالیاتی حس۔"

"تم مجھ پر طنز کر رہے ہو۔" فریدی مسکرایا۔

"نہیں میں نہایت شرافت سے گفتگو کر رہا ہوں۔ ویسے میں آپ کو مطلع کر دوں کہ قاسم اُسے اپنی طرف متوجہ کی فکر میں ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ یہ پیشین گوئی محض اس کی افتادِ طبع کی بناء پر تھی۔"

"خیر!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "اب میں ہارڈی سے ملنے جا رہا ہوں۔"

"جاؤ......!" فریدی بولا۔ "مگر میرا دل نہیں چاہتا کہ ہارڈی پر اعتماد کر لوں۔"

"پی سنگ سے اُس کے تعلقات اچھے نہیں ہیں۔" حمید نے کہا۔ "مجھے اس کا علم ہے۔ ہارڈی سمجھتا ہے کہ بندرگاہ کے علاقہ پر خود چھایا ہوا ہے، اور پی سنگ! وہ تو وہاں کا بے تاج بادشاہ سمجھا ہی جاتا رہا ہے حالانکہ دونوں میں آج تک کھلم کھلا ٹکراؤ نہیں ہوا، مگر اندرونی حالات سے میں بے خبر نہیں ہوں۔"

"تمہاری مرضی......ویسے محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

"تو آپ بھی چلئے نا۔"

"میں بے بس تو نہیں ہوں کہ ہارڈی جیسے چھچھورے آدمیوں سے مدد طلب کروں۔"

"طاقت والے کیس میں کیا ہوا تھا۔" حمید کا لہجہ پھر طنزیہ ہو گیا۔

"میرے گھونسوں نے اُس سے حقیقت اُگلوائی تھی......اب تم جا سکتے ہو۔ میرا دماغ نہ چاٹو لیکن گاڑی نہ لے جانا۔"

"ہائیں......پیدل!"

"جاؤ......میرا وقت نہ برباد کرو۔"

حمید لباس تبدیل کر کے باہر آیا۔ کچھ دور پیدل چلنے کے بعد ایک ٹیکسی لی اور کسٹم کراسنگ کی طرف روانہ ہو گیا۔

ہارڈی کے معاملے میں اس نے فریدی کو مطمئن کرنے کی کوشش ضرور کی تھی۔ مگر اب خود بھی مطمئن نہیں تھا۔ فریدی کے اندازے بہت کم غلط ثابت ہوا کرتے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں ہارڈی سچ مچ نہ دھوکا دے جائے مگر اب تو چل ہی پڑا تھا۔ واپسی پر بڑی مضحکہ خیز ہوتی۔ فریدی اس پر ضرور پھبتیاں کستا۔ اس نے سوچا کہ وہ کارپینٹر کے قمار خانے میں قدم بھی نہ رکھے گا۔ اس طرح ہارڈی کا بھی امتحان ہو جائے گا۔"

کسٹم کراسنگ پر ہارڈی اس کا منتظر تھا۔

"کیا آپ تنہا ہیں۔" اس نے حمید سے پوچھا۔

"نہیں تم بھی تو ہو میرے ساتھ......!" حمید اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔

"تب پھر میں آپ کو اس کا مشورہ نہیں دوں گا کہ آپ کارپینٹر کے قمار خانے میں قدم بھی رکھیں۔ وہ بہت بُری جگہ ہے۔ آپ کو اس کا علم ہے کہ وہاں غیر قانونی طور پر جوا ہوتا ہے لیکن کیا ایک بار بھی پولیس کا چھاپہ کامیاب ہو سکا ہے؟"

"ٹھیک ہے! ابھی تک ہم اُسے قمار خانہ نہیں ثابت کر سکے۔" حمید بولا۔

"پھر یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ آپ وہاں تنہا جائیں۔"

"میں بھیڑ بھاڑ بالکل نہیں پسند کرتا۔" حمید نے جواب دیا۔

"شعلوں کا تاج" جلد نمبر 16 ملاحظہ فرمائیے۔

"میں کب کہتا ہوں کہ آپ اپنے ساتھ دس پانچ آدمی اندر لے جائیے۔ وہاں تو بہ دو ہی جائیں گے۔"

"پھر تم کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"کم از کم دس آدمیوں کو باہر موجود رہنا چاہئے جو ضرورت پڑنے پر اندر بلائے جاسکیں۔"

"لیکن اس وقت ایسے آدمیوں کا مہیا ہونا ممکن نہیں ہے۔ ویسے غالباً تمہاری مراد لباس والوں سے ہے۔"

"جی ہاں! میں یہی چاہتا ہوں۔ کم از کم دس سادہ لباس والے۔"

"بہت مشکل ہے...... آؤ تم ڈرتے کیوں ہو۔"

"میں ڈرتا نہیں ہوں۔" ہارڈی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "میں نے تو آپ ہی کے بھلے کے لئے کہا تھا۔ رہ گیا میرا معاملہ تو وہ خود کارپینٹر کا قمار خانہ ہو خواہ محکمہ سراغرسانی کا دفتر میں ہر جگہ اپنی ہی ایک منفرد حیثیت رکھتا ہوں۔"

"چلو بیٹھو......!" حمید نے اُسے ٹیکسی میں دھکیلتے ہوئے کہا۔ "مجھے بھی سب جانتے ہیں۔ خواہ وہ کارپینٹر کا قمار خانہ ہو خواہ کسی درزی کی دوکان۔"

"آپ کی مرضی۔" ہارڈی ٹیکسی میں بیٹھتا ہوا بڑبڑایا اور ٹیکسی پھر چل پڑی۔ حمید ہارڈی کے پاس ہی پچھلی سیٹ پر موجود تھا۔

"سارجنٹ رمیش والے معاملے کے متعلق کرنل صاحب کا کیا خیال ہے۔" ہارڈی نے پوچھا۔

"پتہ نہیں! شام سے اب تک میری اور ان کی ملاقات نہیں ہو سکی۔ رمیش کی حالت بہت نازک ہے۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ ہوش میں آنے کے بعد وہ پاگل ہو جائے گا۔"

"یعنی واقعی...... پی سنگ کی شامت آ گئی ہے۔" ہارڈی اس طرح بڑبڑایا جیسے خود سے مخاطب ہو۔

کارپینٹر کے قمار خانے سے تھوڑے فاصلے پر انہوں نے ٹیکسی چھوڑ دی اور پیدل ہی آگے بڑھے۔ دفعتاً ہارڈی نے رک کر کہا۔ "ہم گویا موت کے منہ میں کودنے جا رہے ہیں۔ میں ایک بار پھر آپ کو باز رکھنے کی کوشش کروں گا۔ اگر پی سنگ وہاں موجود ہو تو وہاں سے

باہر نکلنا مشکل ہو جائے گا۔"

"ہاں! ایک بات میں مان سکتا ہوں کہ قمار خانے والے میری صورت دیکھتے ہی بھڑک جائیں گے۔"

"یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں۔" ہارڈی بولا۔

"اچھا تو پھر ایک دوسری صورت بھی ہے۔" حمید نے کہا۔ "اس طرح شاید میں کسی قسم کے خطرے میں پڑے بغیر ہی کامیاب ہو جاؤں۔"

"وہ کیا......؟"

"صرف تم اندر جاؤ...... اگر پی سنگ موجود ہو تو مجھے مطلع کر دینا۔ پھر اس کے فرشتے بھی وہاں سے نہ نکل سکیں گے۔"

"اب آپ آئے ہیں قرینے پر۔" یہی میں بھی چاہتا ہوں۔ اچھا آپ پچن بار میں میرا انتظار کیجئے۔ میں نے اپنی طرف سے یہ تجویز پیش کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا کہ کہیں آپ کو میری نیت میں فتور نہ نظر آنے لگے۔"

"ارے...... واہ......!" حمید ہنسنے لگا۔ "اگر مجھے تم پر اعتماد نہ ہوتا تو یہاں تک آتا ہی کیوں اور اگر آتا بھی تو تنہا کبھی نہ آتا۔"

ہارڈی اسے وہیں چھوڑ کر ایک نیم روشن گلی میں گھس گیا اور حمید ٹہلتا ہوا پچن بار کی طرف چلا جو یہاں سے صرف دو سو قدم کے فاصلے پر تھا۔

لیکن وہ ابھی اس کے دروازے کے قریب بھی نہیں پہنچا تھا کہ ایک آدمی بڑی تیزی سے دوڑتا ہوا اس کے قریب سے نکلا اور کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر فٹ پاتھ پر گر پڑا۔

"ارے......!" حمید کے منہ سے بیساختہ نکلا۔ یہ گرنے والا ہارڈی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ حمید جھپٹ کر اُسے اٹھانے لگا۔

"اوہ...... کیپٹن!" ہارڈی بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ "وہ نکلا جا رہا ہے۔ وہ اُدھر۔" اُس نے بڑی تیزی سے مڑ کر مخالف سمت میں اشارہ کیا۔ سڑک سنسان تھی اور تھوڑے ہی فاصلے پر صرف ایک چلتی ہوئی کار کا عقبی حصہ دکھائی دے رہا تھا۔

پھر وہ اچھل کر کھڑا ہوتا ہوا متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "کیا کریں...... وہ نکل جائے ٹیکسی بھی نہیں ہے۔"

پھر دفعتاً وہ سڑک کے دوسرے کنارے کی طرف دوڑنے لگا۔ حمید نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ دوسری طرف فٹ پاتھ سے لگی ہوئی ایک موٹر سائیکل کھڑی تھی۔

ہارڈی نے اُسے بڑی پھرتی سے اسٹارٹ کیا اور کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ "بیٹھ جاؤ"

"پتہ نہیں کس کی ہو۔" حمید بڑبڑایا۔

"قانون آپ کا ساتھ دے گا کیونکہ آپ ایک مجرم کا تعاقب کر رہے ہیں...... چلئے"

حمید کیریئر پر بیٹھ گیا اور دوسرے ہی لمحے میں موٹر سائیکل ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

"واہ رے مقدر......!" ہارڈی ہنس کر بولا۔ "موٹر سائیکل بھی واٹر کول انجن کی ہے بالکل بے آواز۔"

اگلی کار شہر سے ویرانے کی طرف جا رہی تھی۔ شہر سے نکلتے ہی ہارڈی نے موٹر سائیکل کی ہیڈ لائٹ بجھادی۔

"یار کہیں ایکسیڈنٹ نہ کر بیٹھنا۔" حمید بڑبڑایا۔

"میں اناڑی نہیں ہوں کپتان صاحب!"

حمید دل ہی دل میں اس کی پھرتی اور مستعدی کی تعریف کر رہا تھا۔ اگلی کار کی رفتار کافی تیز تھی۔ اس میں اور موٹر سائیکل کے درمیان دو فرلانگ کا فاصلہ ضرور رہا ہوگا۔ اچانک ایک جگہ کار رک گئی اور ادھر ہارڈی نے بھی بریک پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ موٹر سائیکل کی رفتار کم ہو گئی۔

"ہوشیار......!" ہارڈی نے تیز قسم کی سرگوشی کی۔ حمید نے پیر نیچے لٹکا دیئے۔ موٹر سائیکل رک گئی۔ وہ اب بھی کار سے کچھ فاصلے پر تھی۔

حمید کیریئر سے اُتر ہی رہا تھا کہ اچانک اُسے گھٹن کا احساس ہوا۔ کوئی چیز تیزی سے اس پر گری تھی اور پھر اُسے ہاتھ پیر ہلانے کا موقع نہ مل سکا۔ وہ سر سے پیر تک ایک کمبل میں لپٹا تھا۔ اس نے یکلخت اپنے پورے جسم کا زور صرف کر کے اس وبال سے نکلنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ وہ لوگ تعداد میں پانچ تھے اور پانچوں نے کیکڑوں کی طرح اپنے ہاتھ

اُس کے گرد جما دیئے تھے۔ حمید نے ہارڈی کے قہقہے کی آواز سنی جس میں کسی درندے کی سی غراہٹ بھی شامل تھی۔

پھر اُس کے پیر زمین سے خود بخود اٹھ گئے۔ حمید نے ایک بار پھر رہائی کے لئے جدوجہد کی لیکن بے سود۔ کمبل میں اس کا دم گھٹ رہا تھا

لیکن جب وہ لوگ اسے اٹھا کر چلنے لگے تو اس کے چہرے پر ہلکی سی ٹھنڈی ہوا لگی جس کی بناء پر اوسان بجا رکھنے میں مدد مل گئی۔

پھر ایک جگہ اُسے زمین پر پٹخ دیا گیا۔ حمید نے بے تحاشہ جست لگائی اور کمبل سے نکل گیا۔ ساتھ ہی اُسے کئی تمسخر آمیز قہقہے سنائی دیئے لیکن اسے حسرت نکالنے کا موقع نہ مل سکا کیونکہ اس کی طرف پانچ ریوالور کی نالیں اٹھی ہوئی تھیں۔ ہارڈی نے بڑھ کر اس کی جیب سے ریوالور نکال لیا۔

یہ کچی دیواروں کا ایک وسیع کمرہ تھا اور یہاں آٹھ آدمی تھے۔ پانچ وہ جن کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔ چھٹا ہارڈی ساتواں پی سنگ جس کے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ سب سے زیادہ حیرت حمید کو آٹھویں آدمی پر ہوئی۔ یہ آٹھواں آدمی قاسم تھا جسے ایک کرسی میں بٹھا کر رسیوں سے جکڑ دیا گیا تھا۔ اس کے چہرے پر خون نظر آ رہا تھا اور قمیض بھی سینے تک خون میں بھیگی ہوئی تھی۔ لیکن وہ بیہوش نہیں تھا۔ تیل سے جلنے والے لیمپ کی روشنی میں اس کا چہرہ بڑا ڈراؤنا معلوم ہو رہا تھا۔

"حمید صاحب۔" ہارڈی نے مسکرا کر کہا۔ "یہ جگہ بڑی پر فضا ہے۔ تھوڑی ہی دور پر ایک تالاب ہے جہاں مولسری کے کئی درخت ہیں۔ وہیں میں نے آپکی قبر کیلئے جگہ منتخب کر لی ہے۔"

"نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "میں پہلے طوائفوں کے محلے میں اپنے لئے زمین الاٹ کرا چکا ہوں۔"

"ذرا ہی سی دیر میں ساری زبانی طراریاں دھری رہ جائیں گی کپتان صاحب۔"

"خبردار حمید بھائی۔" دفعتاً قاسم دھاڑا۔ "ان حرامزادوں کو وہ بات ہرگز نہ بتانا۔"

حمید سمجھ گیا کہ وہ اُس سے کچھ پوچھنے کی کوشش کرتے رہے ہیں مگر قاسم کو کس بات کا علم

تھا؟ حمید سوچنے لگا۔ مگر پھر حقیقت اس پر روشن ہوگئی...... موٹی عقل والے بھی اپنی زندگی خطرے میں دیکھ کر حیرت انگیز طور پر عقلمند ہوجاتے ہیں۔ قاسم نے شاید اسی میں اپنی بہتری کچھ تھی کہ خواہ مخواہ جھوٹ بولتا رہے۔ ہوسکتا ہے کہ اُس نے اُن سے یہی کہا ہو کہ وہ کوئی اہم بات جانتا ہے۔ مگر بتائے گا نہیں کیونکہ ایسی صورت میں عموماً خاموشی ہی پر زندگی کا انحصار ہوا کرتا ہے۔

''بیکار باتوں میں وقت ضائع نہ کرو تو بہتر ہے۔'' پی سنگ نے ہارڈی سے کہا۔

''مجھے تمہارے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' ہارڈی خشک لہجے میں بولا۔ ''میں نے تو یہ سب کچھ اپنی روح کی تسکین کے لئے کیا ہے۔ ان میں سے اگر ایک کو بھی میں جان سے مار سکا تو سمجھوں گا کہ میری زندگی فضول نہیں ضائع ہوئی۔''

''یہ تم کہہ رہے ہو احسان فراموش کتے!'' حمید گرجا۔

''ہاں میں کہہ رہا ہوں۔ تمہیں ایسی اذیتیں دے کر ہلاک کروں گا کہ......!''

''کیپٹن حمید!'' پی سنگ کی آواز ہارڈی کی آواز پر حاوی ہوگئی اور ہارڈی اپنا نچلا ہونٹ چبانے لگا۔ وہ خاموش ہوگیا لیکن نفرت سے ہونٹ سکوڑتے ہوئے دوسری طرف دیکھتا رہا۔

''کیپٹن حمید!'' پی سنگ بولا۔ ''تم لوگ کس چکر میں ہو۔''

''میں تو مس جوزف کے چکر میں ہوں۔ دوسروں کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''شاباش حمید بھائی۔'' قاسم نے قہقہہ لگایا۔ ''ڈرنا مت۔''

قاسم نے یہ قہقہہ زبردستی لگایا تھا۔ حمید نے اسے محسوس کرلیا۔

''یہ کبھی نہیں بتائیں گے۔'' دفعتاً پی سنگ کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا اور اس نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ ''اسے بھی باندھ دو اور انگیٹھی میں کوئلے دہکاؤ۔''

''آہا...... اب تم نے کام کی بات کی ہے۔'' ہارڈی بیساختہ ہنس پڑا۔ ''یہ خدمت مجھے سونپ دو۔ میں اس کے جسم کی ساری چربی نکال لوں گا۔''

حمید کو بھی ایک کرسی میں گرا کر ہاتھ پیر رسیوں سے جکڑ دیئے گئے۔ اس نے بہت کوشش کی کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکیں لیکن یہ محال تھا کیونکہ بیک وقت چھ آدمی اُس سے لپٹ پڑے تھے اور پی سنگ نے ریوالور سنبھال لیا تھا۔ آخر کار انہوں نے حمید کو بے بس کرکے

باندھ ہی لیا۔

''ابے تم لوگ بالکل عورت ہو۔'' قاسم بڑبڑایا۔ ''صرف میرا ایک ہاتھ کھول دو پھر میں تمہیں تماشا دکھاؤں۔''

''تمہاری یہ حسرت بھی پوری کردی جائے گی۔'' ہارڈی مسکرا کر بولا۔ ''مگر سب سے پہلے تماشا پیش کرنے کا فخر ہم حاصل کریں گے۔''

ایک آدمی باہر چلا گیا۔ غالباً وہ انگیٹھی میں کوئلے دہکانے کے لئے گیا تھا۔ ہارڈی پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک سناٹے میں ایک نسوانی چیخ گونجی ''بچاؤ...... بچاؤ۔''

''یہ کون ہے؟'' پی سنگ نے ہارڈی سے پوچھا جو دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''پتہ نہیں۔'' ہارڈی نے رک کر کہا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔ پھر پی سنگ کی طرف مڑے بغیر بولا۔ ''کیا یہاں کوئی عورت بھی تھی۔''

''تھی۔'' پی سنگ نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ ''مگر اب نہیں ہوسکتی۔ میں نے اُسے واپس جانے کی تاکید کردی تھی...... اور!''

چیخ پھر سنائی دی لیکن اس بار ایسا معلوم ہوا تھا جیسے یہ آواز دور سے آئی ہو۔ یقینی طور پر پہلی چیخ کی آواز اتنی دور سے نہیں آئی تھی۔

''جاؤ دیکھو......!'' پی سنگ نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

چاروں آدمی باہر نکل گئے۔ ہارڈی نے بھی جانا چاہا لیکن پی سنگ بول پڑا۔

''تم یہیں ٹھہرو گے۔'' اس کا لہجہ تحکمانہ تھا۔

''کیوں......؟'' ہارڈی غرا کر پلٹا۔ شاید اسے اس کا لہجہ ناگوار گزرا تھا۔

''تم میرے ساتھ ہی باہر نکلو گے۔''

''تم ہوش میں ہو یا نہیں...... کیا میں تمہارے باپ کا نوکر ہوں۔''

''نہیں تم تو میری محبوبہ کے نوکر کے باپ ہو۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ویسے پی سنگ تم بڑے کمینے معلوم ہوتے ہو۔ ہارڈی نے تمہارے لئے کتنی محنت کی ہے، اگر میں ہارڈی کی جگہ ہوتا تو مار مار کر تمہارا بھرکس نکال دیتا۔''

"شٹ اپ......!" پی سنگ چیخا۔

"سچی بات کڑوی لگتی ہے۔ ہارڈی تم سے کمزور نہیں ہے۔" حمید بولا۔

اس وقت پی سنگ کے ہاتھ میں ریوالور نہیں تھا۔ اُسے وہ پہلے ہی جیب میں تھا۔ دفعتاً ہارڈی نے پی سنگ پر چھلانگ لگادی لیکن پی سنگ کی بجائے وہ دیوار سے پی سنگ دور کھڑا جیب سے ریوالور نکال رہا تھا۔

"تم اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کرو گے۔" اس نے آہستہ سے کہا اور ہارڈی وہیں تھم گیا۔

"پی سنگ......ریوالور زمین پر ڈال دو۔" دروازے سے فریدی کی آواز آئی۔

پی سنگ کی پشت دروازے کی طرف تھی۔

پی سنگ نے چپ چاپ ریوالور زمین پر ڈال دیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں ایسا ہوا جیسے وہ اڑ کر کھڑکی سے گذر گیا ہو۔ ساتھ ہی ایک فائر بھی ہوا لیکن حمید کی دانست میں نے کارتوس ہی برباد کیا تھا۔ پی سنگ کے مقابلے میں وہ اس وقت کم پھرتیلا ثابت ہوا تھا۔

حوالات میں حُسن

"آہا...... ہارڈی! تم اس کی نقل کرکے کامیاب نہیں ہو سکتے۔" فریدی نے کہا۔ الحال گیا۔ ایسا احمق نہیں ہے کہ دوبارہ پلٹ کر خود کو خطرے میں ڈالے۔

"نہیں کرنل۔" ہارڈی جواباً مسکرایا۔ "مجھے بھاگنے کی کیا ضرورت ہے، میری نیت صاف

"ذرا اس کی بھی وضاحت کردو۔"

"میں جانتا تھا کہ آپ آئیں گے۔ اگر میں ڈرامہ نہ کھیلتا تو پی سنگ کا پھنسنا لیکن آپ کی جلد بازی نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔"

"اوہو! تو گویا تم نے مصلحتاً یہ سب کچھ کیا تھا۔"

"جی ہاں! اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا تھا۔ اگر میں کپتان صاحب کو پہلے ہی

تمارا بنا تو میں اتنی سچی اداکاری کبھی نہ کرسکتا۔"

"ان دونوں کو کھول دو۔" فریدی نے قاسم اور حمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں کھول دوں گا۔" ہارڈی نے کہا۔ "لیکن آپ پی سنگ کو دیکھئے۔ اگر اُسے موقع مل جاتا تو ہمارا یہاں سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔"

"میں تمہارے مشورے کا محتاج نہیں ہوں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "جو میں کہہ رہا ہوں کرو۔"

"شاید آپ میری طرف سے بدگمان ہیں۔"

"ہارڈی!" فریدی غرایا۔

ہارڈی چپ چاپ آگے بڑھا اور حمید کو کھولنے لگا۔ وہ انکھیوں سے فریدی کی طرف بھی دیکھتا جارہا تھا لیکن فریدی خاموش کھڑا رہا البتہ ریوالور کا رخ اب بھی ہارڈی ہی کی طرف تھا۔

حمید نے چھوٹتے ہی ہارڈی پر حملہ کردیا۔

"خبردار......نہیں۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا اور حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے پیچھے ہٹ گیا۔

ہارڈی کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ وہ فریدی جیسے آدمی کی طرف سے مطمئن نہیں ہو سکتا تھا۔ اچانک باہر قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور پی سنگ کے پانچوں آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔ لیکن جیسے ہی اُنکی نظر فریدی پر پڑی انہوں نے دروازے کی طرف پلٹنا چاہا۔

"ٹھہرو......!" فریدی نے انہیں للکارا۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔"

وہ سب جہاں تھے وہیں رک گئے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ بھی اٹھا دیئے۔ کیونکہ وہ اس وقت خالی ہاتھ تھے۔

"تم لوگ مجھے اچھی طرح جانتے ہوگے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "میری عادتوں سے بھی واقف ہوگے۔ نہ واقف ہو تو سنو! میری ٹریگر پر رکھی ہوئی انگلی بعض اوقات رکنا نہیں جانتی۔"

وہ کچھ نہیں بولے۔ چپ چاپ ہاتھ اٹھائے کھڑے رہے۔ اتنی دیر میں حمید قاسم کو بھی کھول چکا تھا اور قاسم ان پانچوں کو اس طرح گھور رہا تھا جیسے کچا ہی چبا جائے گا۔

”فریدی صاحب! کیا میں ان سالوں کو سنبھال لوں۔“ قاسم نے پوچھا۔

”نہیں......!“ فریدی نے جواب دیا۔ پھر حمید سے بولا۔ ”انکی جیبوں سے ریوالور

حمید نے بڑی تیزی سے ان کی جامہ تلاشی لے کر پانچ ریوالور برآمد کر لئے پھر کا اشارہ پا کر ہارڈی کو بھی ٹٹولنے لگا لیکن اُس کے پاس سے ایک بڑے چاقو کے علاوہ نہ نکلا۔ اب فریدی نے ان پانچوں کو مخاطب کر کے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

”ہارڈی کو مارو۔“

”یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔“ ہارڈی اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

”دوسری صورت میں تم ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاؤ گے ہارڈی۔ فریدی حفاظتِ اختیاری کے سلسلے میں ایک نہیں دس آدمیوں کو جان سے مار سکتا ہے اور میں تم لوگوں کو ہوں کہ میرے حکم کے خلاف تمہارا ایک قدم بھی تمہیں موت ہی کی طرف لے جائے گا۔ مارو...... ہارڈی کو۔ نہیں قاسم! تم صرف دیکھو گے۔ پیچھے ہٹو۔“

قاسم بُرا سا منہ بنائے ہوئے پیچھے ہٹ گیا۔

وہ لوگ ہارڈی ہی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ لیکن انداز سے ایسا نہیں معلوم ہوتا تھا اُس پر ہاتھ اٹھانے کی بھی جرأت کر سکیں گے۔

”اچھا تو پھر تم ہی ان لوگوں کو مارو۔“ فریدی بولا لیکن اس کی سنجیدگی میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا تھا۔

”آخر آپ کی منشاء کیا ہے۔“

”کیا تم ابھی تک نہیں سمجھ سکے۔“ فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ ”حالانکہ میں زبان میں گفتگو کر رہا ہوں۔ خیر چلو تمہاری خاطر ایک بار پھر دہرا دوں۔ کم سے کم الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ یا تو تم ان لوگوں کے ہاتھوں پٹو یا انہیں پیٹو۔“

”میں پیٹ دوں سب سالوں کو۔“ قاسم نے لجاجت آمیز لہجے میں پوچھا۔

”نہیں! میں نہیں چاہتا کہ ہارڈی جیسے ذلیل احسان فراموش کتے کو کوئی شریف ہاتھ بھی لگائے۔“

اُس نے ان پانچوں آدمیوں کو پھر ٹوکا اور ساتھ ہی اُس کے ریوالور سے ایک شعلہ بھی نکلا۔ اُن میں سے ایک کی فلٹ ہیٹ اڑ گئی اور وہ بدحواسی میں اچھل کر ہارڈی پر جا پڑا۔ ہارڈی نے اُسے فریدی کی طرف دھکیل دیا۔ فریدی سو نہیں رہا تھا۔ اُس نے پیچھے ہٹ کر ایک لات اُسے رسید کر دی اور وہ پھر ہارڈی ہی پر جا گرا۔ لیکن اس بار اُس نے ہارڈی کی گردن پکڑ لی اور ہارڈی نے اس کے جبڑے پر دو تین مکے رسید کر دیئے بس پھر کیا تھا۔ جنگ شروع ہو گئی۔ وہ چاروں بھی ہارڈی پر پل پڑے۔

حمید فریدی کی اس حرکت کو بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک بالکل ہی انوکھا خیال تھا یعنی فریدی ہارڈی کو ان لوگوں سے پٹوا رہا تھا جن کی اس نے مدد کی تھی۔ ہارڈی کے لئے اس سے زیادہ تلخ تجربہ اور کیا ہوتا۔ وہ غصے سے آگ ہو رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں اُس کا لباس تار تار ہو گیا۔ ویسے وہ کسی وحشی درندے کی طرح اُن لوگوں سے نپٹ رہا تھا۔ اُن لوگوں کے انداز سے بھی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اُسے ختم ہی کر کے دم لیں گے۔ اُن کے چہرے لہولہان تھے اور جسم کے دوسرے حصوں پر بھی چوٹیں آئی تھیں۔

ہارڈی، ہارڈی ہی تھا۔ پانچ کیا اگر دس بھی ہوتے تو وہ خود پر انہیں قابو نہ پانے دیتا۔

”آخر یہ سلسلہ کب تک جاری رہیگا۔“ حمید نے فریدی کے قریب آ کر آہستہ سے پوچھا۔

”پرواہ مت کرو۔ کیا یہ کھیل دلچسپ نہیں ہے۔“

حمید خاموش ہو گیا۔ ہارڈی اب تک دو آدمیوں کو گرا چکا تھا اور وہ بیہوش پڑے تھے پھر تیسرے کا اضافہ ہو گیا اور باقی بچے ہوئے آدمی ہارڈی کر گرا دینے کے لئے اپنی رہی سہی طاقت صرف کرنے لگے۔

باہر تاریکی اور سناٹے کی حکمرانی تھی اور یہاں اس کمرے میں موت و حیات کی کشمکش جاری تھی۔ ایک بار ان دونوں نے ہارڈی کو گرا ہی لیا لیکن شاید اب ان میں اتنی سکت ہی نہیں رہ گئی تھی کہ اپنے پیروں پر کھڑے رہ سکتے۔ ہارڈی کے ساتھ ہی وہ دونوں بھی اُسی پر ڈھیر ہو گئے۔ تینوں کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ بُری طرح ہانپ رہے تھے لیکن پورے جسم میں صرف آنکھیں ہی حرکت کر رہی تھیں۔ بڑا عجیب منظر تھا۔ پتہ نہیں وہ خود اس وقت ذہنی حالت

کے کس اسٹیج سے گزر رہے تھے۔ حمید کو تو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ تین بے بس پرندے ہوں جن کے سارے پر کسی شریر بچے نے نوچ کر سسکنے کے لئے چھوڑ دیا ہو۔

اُس نے فریدی کی طرف دیکھا اور کانپ کر رہ گیا۔ اُسے اس کی آنکھوں میں چمک نظر آ رہی تھی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ ایسی مسکراہٹ جو عموماً شریر ہی بچوں کے ہونٹوں پر نظر آتی ہے۔

"آؤ! واپس چلیں۔" فریدی نے حمید اور قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اور...... یہ!" حمید نے زخمیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"انہیں یہیں مرنے دو۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

قاسم اور حمید بھی باہر آئے۔ حمید نے مڑ کر اُس عمارت کی طرف دیکھا۔ یہ مٹی کی تھی۔ اندھیرے میں بھی اس کا بیڈھنگا پن محسوس کیا جا سکتا تھا۔ چاروں طرف درختوں اور جھاڑیوں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔

وہ دونوں خاموشی سے فریدی کے پیچھے چلتے رہے۔ ایک جگہ رک کر فریدی نے ٹارچ روشن کی اور پھر چلنے لگا۔ جھاڑیوں میں فریدی کی چھوٹی سی آسٹن کار موجود تھی۔

"اُسے سڑک پر لے چلو۔" اس نے حمید سے کہا۔ "آگے چل کر جہاں جھاڑیوں کا سلسلہ ختم ہوتا ہے داہنی طرف مڑ جانا۔"

"یہاں کسی عورت کی چیخیں......!"

"ہاں! چلو اپنا کام کرو۔ وہ میری روح چیخ رہی تھی تمہارے لئے۔"

حمید کار میں بیٹھ کر اُسے اسٹارٹ کرنے لگا اور فریدی نے قاسم سے پوچھا۔ "تم کیسے آ پھنسے تھے۔"

"جی ہاں...... وہ...... بس پھنس گیا۔"

"کوئی لڑکی۔" فریدی نے پوچھا۔

"لل...... ہی...... ہی...... ہی...... نن نہیں تو......!"

"تم دونوں کسی دن لڑکیوں ہی کے چکر میں ختم کر دیئے جاؤ گے۔"

قاسم کچھ نہ بولا۔ فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر وہ سڑک کی طرف چلنے لگا۔ قاسم کھانستا کھنکارتا ہوا اُس کے ساتھ چل رہا تھا۔ کئی بار جھاڑیوں سے الجھ کر گرتے گرتے بچا۔ حمید کار سمیت سڑک پر اُن کا منتظر تھا۔

"تم ہی کار ڈرائیو کرو گے۔" فریدی نے اس سے کہا۔ پھر قاسم سے بلند آواز میں بولا۔ "تم بھی آگے ہی بیٹھو۔ میں پچھلی سیٹ پر تھوڑی دیر سونا چاہتا ہوں۔"

وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ قاسم پہلے ہی حمید کے برابر بیٹھ چکا تھا۔ کار چل پڑی۔ حمید کا ذہن بُری طرح الجھا ہوا تھا۔ اس کی دانست میں ابھی تک فریدی کی ساری حرکتیں ہوشمندی کے منافی رہی تھیں۔ ان لوگوں کو اس طرح آپس میں لڑانا۔ پھر انہیں اُس حال میں وہیں چھوڑ کر چلے آنا۔ اس قسم کی حرکتیں کسی ہوشمند آدمی سے نہیں سرزد ہو سکتیں۔ آخر فریدی کیا کرنا چاہتا ہے۔ حمید سوچتا رہا لیکن فریدی سے پوچھنے کی زحمت نہیں گوارا کی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ فریدی کچھ نہ بتائے گا۔ پھر وہ قاسم سے پوچھنے لگا کہ وہ وہاں کیسے پہنچ گیا تھا۔ قاسم نے بڑی مشکل سے پورا واقعہ دہرایا۔ وہ دراصل اس موضوع ہی کو ٹال جانا چاہتا تھا۔

"تم کسی دن لڑکیوں کے چکر میں اپنی موٹی سی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔" حمید بولا۔

"یہی فریدی صاحب نے بھی کہا تھا۔" قاسم نے سنجیدگی سے کہا۔ "اب مجھے ڈر معلوم ہو رہا ہے...... مگر میں بالکل چغد ہو جاتا ہوں۔"

"چغد نہیں بھینس۔ چغد تو ایک چھوٹے سے پرندے کو کہتے ہیں۔"

"تم خود بھینس۔!" قاسم جھنجھلا گیا۔ "ہاں نہیں تو۔"

پھر وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ کار جنگل کے سناٹے میں دوڑتی رہی۔ حمید کا ذہن پھر کچھ دیر قبل پیش آئے ہوئے واقعات میں الجھ گیا۔ پی سنگ اور ہارڈی کا باہمی تعاون اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا جب کہ دونوں آپس ہی میں لڑ مرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ آخر پی سنگ کو پریشانی کیوں تھی؟ وہ کیوں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ فریدی نے اس کے پیچھے اپنے آدمی کس مقصد سے لگا رکھے ہیں...... پھر وہ لڑکیوں کے اس عجیب و غریب مرض کے متعلق سوچنے لگا۔ کیا فریدی کی دانست میں اس کا پی سنگ سے بھی کوئی تعلق ہے؟ مگر کیا؟ اگر

کچھ لڑکیاں پاگل ہوکر دوسروں کو مار بیٹھتی ہیں تو اس سے پی سنگ یا کسی دوسرے آ... فائدہ پہنچ سکتا ہے۔"

"میرا گھر راستے ہی میں پڑتا ہے حمید بھائی۔" دفعتاً قاسم بڑبڑایا۔

"پھٹا ہوا سر لے کر گھر جاؤ گے۔ اگر بیوی پوچھ بیٹھی تو۔"

"لعنت ہے سالی پر...... اسی کی بدولت تو......!" قاسم جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو...

"جھک مارتے ہو۔ میں یقین نہیں کرسکتا۔" حمید نے کہا۔ "تم جھوٹے ہو۔"

"تمہاری کون لگتی ہے...... کیوں؟" قاسم جھنجھلا گیا۔

"خواہ مخواہ بیچاری کو بدنام کرتے پھرتے ہو۔"

"اچھا بس خاموش رہو، ورنہ مجھے غصہ آجائے گا۔ تم کیا جانو اُسے۔ ابھی پرسوں ... خالہ سے کہہ رہی تھی کہ میں بالکل گدھا ہوں۔ میں نے چھپ کر سنا تھا۔ پھر مجھے غصہ ... میں دھڑ دھڑاتا ہوا کمرے میں چلا گیا اور کہا کہ وہ ثابت کرے۔ کیا کرتی بیچاری اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔ میں نے ڈانٹ پلائی تو کہنے لگی میں چچا جان کو پھون کردوں گی۔"

بیوی کے لہجے کی نقل اتارنے کے سلسلے میں قاسم بڑی دیر تک لچکتا رہا۔

"تو وہ تمہیں گدھا ثابت نہیں کرسکی۔" حمید نے پوچھا۔

"اس کا باپ بھی نہیں کرسکتا۔"

"اس کا باپ تمہارا چچا ہے۔"

"ہوگا سالا! تم طرفداری نہ کیا کرو اُن لوگوں کی سمجھے!" قاسم نے غصیلے لہجے میں ...

کچھ دیر خاموش رہا پھر ٹھنڈی سانس لے کر دردناک آواز میں بولا۔ "تم نہیں سمجھ سکتے ... کس طرح اپنی زندگی گزار رہا ہوں۔ تم کبھی نہ سمجھو گے۔ اگر معمے حل کرنے کی عادت نہ ... میں کبھی کا مر گیا ہوتا۔ اُسی میں اپنا دماغ الجھائے رکھتا ہوں۔ پچھلی بار میرا پہلا انعام آ... مگر سالے نے لنگور کی بجائے انگور دے دیا۔ اچھا یہ بتاؤ اگر عورت بیوی یا بیوہ ہوجائے تو ... پڑوسن کے شوہر سے بچ کر رہنا چاہئے۔ بولو...... بیوی ہوگا یا بیوہ۔"

"مجھے معموں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔

"اچھا یہ بتادو...... سمندر یا مچھندر کے سینے سب رازوں کا پالینا بہت مشکل ہے۔ سمندر ہوگا یا مچھندر...... اوپر سے نیچے سرپٹ یا مرگھٹ بنتا ہے۔"

"مت بکواس کرو۔"

"اچھا فریدی صاحب...... آپ بتادیجئے۔" قاسم پچھلی سیٹ کی طرف مڑا۔

"ہائیں......!" وہ ہاتھ بڑھا کر پچھلی سیٹ کو ٹٹولتا ہوا بولا۔ "ارے باپ رے۔"

"کیا ہوا......؟" حمید نے مڑے بغیر پوچھا۔

"نف...... ری...... دی...... صص...... صاحب۔"

دوسرے ہی لمحے میں حمید نے رفتار کم کر کے کار روک دی۔ قاسم کا لہجہ نہ جانے کیا کہہ رہا تھا۔ پچھلی سیٹ خالی تھی۔ حمید نے اندر روشنی کردی اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑانے لگا۔

"کوئی اٹھالے گیا۔" قاسم نے پوچھا۔ "وہ تو سو رہے تھے۔"

حمید کچھ نہیں بولا۔ تھوڑی دیر تک بُرا سا منہ بنائے بیٹھا رہا پھر کار اسٹارٹ کردی۔

"ہائیں...... تلاش نہیں کرو گے۔" قاسم نے کہا۔

"بیٹھے رہو، چپ چاپ۔" حمید جھنجھلا گیا۔ قاسم خاموش ہوگیا۔ اُس کے سر میں تکلیف تھی اس لئے یوں بھی اب وہ خاموش ہی رہنا چاہتا تھا۔ ابھی تک زخم کھلا ہوا تھا۔ حمید نے قاسم کو آرلکچو کے پھاٹک پر چھوڑ کر گھر کی راہ لی۔ قاسم پہلے تو گھر ہی جانا چاہتا تھا لیکن پھر اُسے یاد آگیا تھا کہ اس کی کار آرلکچو کے کمپاؤنڈ ہی میں رہ گئی تھی۔ انڈویشین لڑکی کے ساتھ جاتے وقت وہ اپنی کار وہیں چھوڑ گیا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بوکھلاہٹ میں اُسے یاد ہی نہیں آیا تھا کہ یہیں اُس کی کار بھی موجود ہے۔ بہرحال وہ اُس کے ساتھ ٹیکسی میں گیا تھا۔

حمید نے گھر آکر سونا چاہا لیکن نیند نہ آئی۔ باورچی کو جگا کر کافی کے لئے کہا۔ نوکروں کے معاملے میں وہ فریدی سے بہت مختلف تھا۔ فریدی کبھی کسی نوکر کو ناوقت جگاتا نہیں تھا۔ اگر کبھی رات گئے کافی کی خواہش ہوتی تو خود ہی کچن میں جا گھستا۔

کافی پینے کے بعد بھی اُسے نیند نہ آسکی۔ پھر شاید چار بجے اُس کی آنکھ لگ گئی۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہ گھوڑے بیچ کر سویا ہوگا۔

پھر نیند کیسے اچٹ گئی۔ یہ بات تھوڑی دیر تک سمجھ میں آ ہی نہ سکی۔ ویسے فون کی گھ
بہت دیر سے بج رہی تھی۔

''ہیلو......!'' حمید مسہری سے چھلانگ لگا کر دہاڑا۔ پھر ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس پ
بولا۔ ''کون ہے...... کیابات ہے...... رات کو بھی۔''

لیکن اچانک وہ خاموش ہو گیا کیونکہ روشندان میں دھوپ نظر آ رہی تھی۔

''میں قدیر ہوں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''دولت گنج تھانے سے بول رہا ہوں۔
یہاں ایک ایسی لڑکی موجود ہے جس نے ایک ٹریفک کانسٹیبل کو مارا پیٹا ہے۔''

''کانسٹیبل زندہ ہے یا مر گیا۔'' حمید نے جھلا کر کہا۔

''کون صاحب بول رہے ہیں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''میں بول رہا ہوں۔''

''کپتان صاحب۔''

''ارے ہاں ہاں۔''

''تو بس آ جائیے۔ کیا آپ نے نہیں پہچانا...... میں قدیر ہوں۔''

''آہا...... قدیر صاحب...... اچھا...... اچھا...... میں آدھے گھنٹے تک پہنچ سکوں گا۔''

حمید نے ریسیور رکھ دیا۔ گھڑی ساڑھے دس بجا رہی تھی۔ سب سے پہلے اُس نے فریدی
کے متعلق معلوم کیا جو پچھلی رات سے اب تک گھر واپس نہیں آیا تھا۔ پھر دولت گنج جانے کی
تیاری کرنے لگا۔

شہر کے سارے تھانوں کے لئے فریدی کے خاص احکامات تھے کہ جب بھی کوئی اس نو
کی لڑکی آئے اُسے یا حمید کو براہِ راست مطلع کیا جائے۔

قدیر دولت گنج کے تھانے کا انچارج تھا۔ حمید نے اُسے اپنا منتظر پایا۔

''یہ کیا مصیبت ہے جناب۔'' قدیر نے کہا۔ ''اپنے یہاں یہ پہلا ہی کیس آیا ہے۔''

''اور بھی آئیں گے مطمئن رہئے۔'' حمید مسکرا کر بولا۔ ''لڑکی کہاں ہے۔''

''زنانہ حوالات میں...... مجھے اس پر بہت ترس آ رہا ہے۔ کسی اچھے خاندان کی لڑ

معلوم ہوتی ہے۔ آپ اُسے دیکھ کر یہ کہہ ہی نہیں سکتے کہ اس نے کانسٹیبل پر حملہ کیا ہوگا۔''

''پھر اُسے روک کیوں رکھا ہے۔''

''اس نے حملہ کیا تھا۔'' قدیر نے کہا۔ ''کانسٹیبل نے اُسے سڑک پار کرنے سے روکا تھا۔
بس وہ اُس پر ٹوٹ پڑی اس کا چہرہ نوچ ڈالا۔ دانتوں سے وردی کی دھجیاں اڑا دیں۔''

''آہا تب تو آپ بھی بہت زیادہ خائف رہے ہوں گے۔''

''اب تو بھیگی بلی بن گئی ہے۔ کچھ دیر تک روتی بھی رہی تھی۔ البتہ اپنا نام اور پتہ بتانے
پر کسی طرح تیار نہیں ہوتی۔''

''اچھا میں دیکھتا ہوں۔'' حمید نے کہا اور زنانہ حوالات کی طرف روانہ ہو گیا۔

سلاخوں کے پیچھے لڑکی موجود تھی، لیکن حمید اس کی شکل نہیں دیکھ سکا، کیونکہ وہ گھٹنوں میں
سر دیئے بیٹھی تھی اور پھر جیسے ہی اس نے حمید کی آہٹ پر سر اٹھایا حمید کی آنکھوں میں بجلی سی
چمک گئی۔ پہلی نظر میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کتنی حسین ہے۔ دوسری نظر بھی تفصیلی جائزے
کیلئے ناکافی تھی اور تیسری نظر کو اتنا ہوش کہاں کہ وہ تفصیل میں جا سکتی۔ حمید اسکی اداس آنکھوں
میں کھو گیا۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ کسی سنسان مقام پر کھڑا ہو۔ خاموشی سے پرواز
کرنے والے پرندوں کی قطاریں افق کی سرخی میں لہرا رہی ہوں اور کسی پرسکون جھیل میں افق کے
رنگین لہریئے آنکھ مچولی کھیل رہے ہوں۔ لیکن ان سب پر ایک خوب آگیں سی اداسی بھی مسلط ہو۔

حمید کے اشارے پر سلاخوں دار دروازہ کھول دیا گیا۔ لڑکی زمین سے اٹھ گئی تھی۔ اُس
نے حمید کو نیچے سے اوپر تک دیکھ کر اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

''باہر آئیے۔'' حمید نے نرم لہجے میں کہا اور وہ چپ چاپ سلاخوں کے باہر چلی آئی۔

''آپ جہاں جانا چاہتی ہوں چلی جائیے۔ آپ سے کوئی کچھ نہیں پوچھے گا۔''

وہ چند لمحے خاموش کھڑی رہی پھر آہستہ سے بولی۔ ''شکریہ۔''

حمید باہر جانے کے راستہ میں آیا جہاں انسپکٹر قدیر بیٹھا ہوا تھا۔

''وہ صدر دروازے سے نکل گئی ہے۔'' حمید نے اُس سے کہا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ ایک
سادہ لباس والا اس کا تعاقب کرے...... جلدی کرو۔''

"زنانہ فورس کی کسی لڑکی کے متعلق کیا خیال ہے جسے اُس نے دیکھا نہ ہو۔" قدیر نے

"بہت اچھا خیال ہے...... یہ اور بھی اچھا رہے گا مگر جلدی کیجئے۔" حمید نے مض انداز میں کہا۔

حالات ہی کچھ ایسے تھے کہ ایسی لڑکیوں کے خلاف سخت قسم کے اقدامات ممکن نہیں عام آدمی اسے کوئی وبائی ذہنی مرض سمجھتے تھے۔ ڈاکٹروں کی رائے تھی کہ کسی مستقل مرض کا تک موجود نہیں ہے ان کی دانست میں وہ ایک وقتی ذہنی تبدیلی تھی جس کی وجہ جذباتی الجھا ہو سکتا تھا اور اعصابی اختلال بھی۔ لیکن اعصابی اختلال کی شکار لڑکیاں بمشکل تمام دو فیصد سکی تھیں۔ ابھی تک جتنے بھی کیس ڈاکٹروں کے علم میں لائے گئے تھے۔ ان میں قریب قر ساری ہی لڑکیاں صحت منداور صحیح الدماغ تھیں۔ اعصابی کمزوری کے آثار بھی نہیں ملے تھ

محکمہ سراغ رسانی اس سلسلے میں کسی جرم کے امکانات پر غور کر رہا تھا بہر حال کئی طرح آرائیں موجود تھیں اس لئے فی الحال ایسی لڑکیوں کو زیادہ تر سرکاری اصلاح خانوں میں بھیج جاتا تھا اور ان کے رویہ کی یومیہ رپورٹ محکمہ سراغ رسانی کو ملتی رہتی تھی۔ یہ دوسری بات ہے آج کل "محکمہ سراغ رسانی" صرف فریدی کی میز ہی تک محدود ہو کر رہ گیا تھا...... اور ہونا یہی چاہئے تھا کیونکہ یہ فریدی ہی کی اُپج تھی، ورنہ بات کسی وبائی ذہنی مرض پر ٹل گئی ہوتی۔

حمید دولت گنج کے تھانے سے سیدھا آفس پہنچا۔ فریدی یہاں بھی موجود نہیں تھا لیکن اس کی میز پر اصلاح خانوں کی رپورٹوں کے ڈھیر نظر آ رہے تھے۔ حمید بیٹھ کر انہیں دیکھنے لگا ان رپورٹوں میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ کسی لڑکی پر بھی ابھی تک کسی اصلاح خانے میں قسم کا دورہ نہیں پڑا تھا۔ حمید پچھلی رپورٹیں بھی دیکھتا رہا تھا لیکن ایک بھی مثال ایسی نہ مل سکی اصلاح خانوں میں کسی لڑکی کی معمول کی ذہنی حالت میں کوئی تغیر واقع ہوا ہو۔ وہ بڑی دیر اس مسئلے پر غور کرتا رہا۔ ایسی لڑکیوں میں سے ابھی تک صرف تین لڑکیاں اصلاح خانوں میں نہیں بھیجی گئی تھیں۔ دو کو تو فریدی ہی نے چھوڑ دیا تھا۔ روحی اور سائرہ جنہیں سٹی مجسٹریٹ سفارش پر چھوڑا گیا تھا اور تیسری آج حمید کی وجہ سے بچ گئی تھی۔ سائرہ اور روحی کی رہائی لئے فریدی نے یہ جواز پیش کیا تھا کہ وہ اُن کے ذریعہ بہت کچھ معلوم کر سکے گا لیکن حمید

پاس اس لڑکی کو چھوڑ دینے کے لئے کوئی بہانہ نہیں تھا۔ وہ تو بس اس سے متاثر ہوا تھا اور اس وجہ کو تھوڑی دیر کے لئے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی رخصت ہوگئی تھی اور وہ تعاقب والا معاملہ تو محض دکھاوا تھا۔ آخر قدیر اور دوسرے لوگوں کو بھی تو مطمئن کرنا ہی تھا۔

وہ لڑکی ایسی ہی تھی، جو اسے صحیح معنوں میں عورت معلوم ہوئی تھی اور اُس سے نظر ملتے ہی وہ بوکھلا گیا تھا۔ شاید برسوں کے بعد ایسی لڑکی ملی تھی۔ ویسے تو روز ہی ایک آدھ سے سابقہ رہتا تھا لیکن حمید کا خیال تھا کہ وہ لڑکیاں نہیں بلکہ "لونڈے" ہوا کرتے تھے۔ بالکل ایسے ہی جیسے اُس کے دوسرے مرد دوست تھے۔ اُن لڑکیوں میں عورت پن نام کو بھی نہ ہوتا۔ ان میں ایک چیز بھی ایسی نظر نہ آتی جس کی بناء پر انہیں جنس مقابل کی صف میں جگہ دی جاسکتی۔ بعض اوقات تو وہ حمید کو سو فیصدی "ہیجڑے" معلوم ہوتیں۔ بہر حال وہ انہیں عورتیں نہیں سمجھتا تھا۔

چھلانگ

وہ فائلیں الٹتا رہا اور اس کے ذہن پر وہی لڑکی مسلط رہی۔ اچانک اُس کی نظر رمیش کے ڈیسک کی طرف اٹھ گئی اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ سوتے سوتے جاگ پڑا ہو۔ اُسے ابھی تک رمیش کے متعلق نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ وہ کس حال میں ہے۔ اُس نے فائیل رکھ کر فون کا ریسیور اٹھایا اور سول ہسپتال کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔

وہاں سے اطمینان بخش اطلاع ملی۔ رمیش اب ہوش میں تھا۔ لیکن احتیاطاً ابھی اُس سے کسی کو گفتگو کرنے کی اجازت نہیں ملی تھی۔

حمید ریسیور رکھ کر پھر فائل الٹنے لگا۔ اس پر پھر اکتاہٹ کا حملہ ہونے لگا تھا وہ وہاں سے اٹھنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ حمید نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو......!"

"کرنل صاحب۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"نہیں میں حمید ہوں۔"

"اوہ...... میں قدیر بول رہا ہوں۔ دیکھئے...... ابھی مس رانا نے فون پر اطلاع دی کہ وہ لڑکی راگ محل میں گئی ہے اور اس وقت بھی وہیں ہے اور دوسری بات بھی سنئے۔ مجھے اس کا چہرہ پہلے ہی سے کچھ جانا پہچانا سا معلوم ہوا تھا۔ کیا آپ کو علم ہے کہ وہ سرلا ہے۔"

"کیا بے سروپا باتیں کرر ہے ہیں آپ۔" حمید نے جھنجلا کر کہا۔

"بے سروپا نہیں جناب...... آج سے چھ ماہ قبل آپ ہی کے آفس سے اس عورت کا وارنٹ جاری ہوا تھا۔ اسکی ایک کاپی مع تصویر میرے فائیل میں بھی موجود ہے۔ آپ اپنے یہاں کی فائلوں میں دیکھئے میرے بیان کی تصدیق ہو جائیگی۔ حوالہ نمبر ای تھری ایان ففٹی تھری ہے۔"

"اچھا اچھا...... میں دیکھتا ہوں۔ آپ زنانہ فورس والی لڑکی سے کہہ دیجئے کہ اُس پر برابر نظر رکھے...... یا ٹھہریئے! میں یہاں سے کسی کو اس کی مدد کے لئے بھیجے دیتا ہوں۔ بہرحال اُسے نظر میں رکھنا ضروری ہے۔ کیا نمبر بتایا تھا آپ نے۔"

"ای تھری ایان ففٹی تھری۔"

حمید نے پنسل اٹھا کر میز پر نمبر لکھا اور ریسیور رکھ کر ففٹی تھری کا فائیل تلاش کرنے لگا۔ فائیل جلد ہی مل گیا کیونکہ فریدی کے کاغذات کبھی بے ترتیبی سے نہیں رکھے جاتے تھے۔ تیسرے ہی صفحے پر وہ نمبر مل گیا جس کا تذکرہ قدیر نے کیا تھا اور اس پر لگی ہوئی تصویر۔ حمید کا سر چکرا گیا۔ وہ سو فیصدی وہی لڑکی تھی جسے حمید نے چند گھنٹے پیشتر حوالات سے نجات دلائی تھی۔

حمید نے فائیل بند کر دیا اور آنکھیں بند کر کے اس طرح اپنے سر کو جھٹکے دینے لگا جیسے بھٹکے ہوئے خیال کو اس کی صحیح جگہ پر لانے کی کوشش کر رہا ہو۔

کچھ دیر بعد اُس نے پھر فائیل کھولا اور تصویر کے نیچے والی عبارت پڑھنے لگا۔

"سرلا مکرجی...... عمر تیس سال لیکن حیرت انگیز طور پر کمسن معلوم ہوتی ہے۔ عموماً گمان ہوتا ہے کہ وہ انیس یا بیس سے زیادہ نہیں ہے۔ ۱۳ر جون ۵۵ء تک ماہر نباتات ڈاکٹر اے ایچ زیدی کی لیبارٹری میں بحیثیت اسسٹنٹ کام کرتی رہی۔ ۱۳ر جون کی شب ڈاکٹر زیدی کو پانی میں بیہوشی کی دوا دے کر ان کا کوئی بیش قیمت فارمولا چرا لے گئی۔ وہ فارمولا زیر تجربہ تھا۔ ڈاکٹر زیدی اس پر بہت احتیاط سے تجربہ کر رہے تھے اور اُن کے کسی بھی اسسٹنٹ کو

فارمولے کا علم نہیں تھا۔ ملزمہ تعلیم یافتہ ہے۔ بی۔ ایس۔ سی کی ڈگری رکھتی ہے۔ بنگالی ہونے کے باوجود بھی اردو پر اُسے قدرت حاصل ہے۔ زیادہ تر غرارے اور ڈوپٹے میں رہتی ہے۔ عموماً یہی ظاہر کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ وہ بنگالی نہیں ہے۔"

فائیل کو بند کر کے اس نے پائپ سلگایا اور اس طرح نڈھال ہو کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا جیسے بہت تھک گیا ہو۔ یہ حقیقت تھی کہ اس نئے انکشاف پر وہ شدت سے بور ہو گیا تھا۔ اس نے دو چار لمبے لمبے کش لئے اور پھر چونک کر اٹھ بیٹھا۔

اب وہ اس کمرے کی طرف جا رہا تھا جہاں لیڈی انسپکٹر مس ریکھا بیٹھا کرتی تھی۔ وہ حمید کو اپنے کمرے میں دیکھ کر بوکھلا گئی کیونکہ عموماً وہ اس سے دور ہی دور رہا کرتی تھی۔

"میں تمہیں تھوڑی سی تکلیف دینا چاہتا ہوں۔" حمید نے اسے مخاطب کر کے کہا۔

"کیا بات ہے کہئے!"

"راگ محل میں اس وقت ایک ملزمہ موجود ہے۔ فی الحال زنانہ فورس کی ایک لڑکی مس رانا اس کی نگرانی کر رہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس پر نظر رکھو۔"

"رانا کو میں جانتی ہوں۔ کیا یہ کوئی اہم معاملہ ہے۔"

"اس کا علم صرف فریدی صاحب کو ہی ہو سکتا ہے۔ ویسے وہ بہت چالاک ہے، ورنہ میں خود ہی اُس کی نگرانی کرتا۔"

"وہ ملزمہ ہے کون؟"

"سرلا مکرجی...... ڈاکٹر زیدی کی لیبارٹری اسسٹنٹ۔"

"آہا...... اور آپ اسے اپنا کام کہہ رہے ہیں حالانکہ یہ کیس اب بھی میرے ہی پاس ہے مگر آپ مذاق تو نہیں کر رہے ہیں۔"

"نہیں میں سنجیدہ ہوں۔"

"اچھا تو پھر میں جا رہی ہوں لیکن اگر وہ سرلا نہ ہوئی تو میں آپ سے سمجھ لوں گی۔"

"میں سمجھا دوں گا...... فی الحال تم جاؤ۔"

"سرلا تو بڑی حسین عورت ہے۔ تعجب ہے کہ آپ اپنی جگہ مجھے بھیج رہے ہیں، اسی لئے

یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"وہ تم سے زیادہ حسین نہیں۔" حمید نے عادت کے مطابق ٹھنڈی سانس لے کر کہا
ریکھا جانے کے لئے تیار ہوگئی تھی، لیکن شاید اب بھی اُسے حمید کے بیان میں شبہ تھا

"مگر دیکھو" حمید نے کہا۔ "تم صرف نگرانی کرو گی۔ اسکے خلاف کوئی کاروائی نہ کر بیٹھنا

"کیوں؟"

"شاید فریدی صاحب کو کسی دوسرے معاملے میں بھی اس کی ضرورت ہے۔ تم فو
حالات سے آگاہ کرتی رہنا۔"

ریکھا چلی گئی اور حمید پھر اپنے کمرے کی طرف واپس آیا لیکن دروازے ہی پر اُس
محسوس کرلیا کہ فریدی واپس آ گیا ہے۔ اس کا قیاس غلط نہیں تھا۔ فریدی وہاں موجود تھا اور
کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار تھے، جو حمید کو دیکھتے ہی اور زیادہ گہرے ہوگئے۔

"یہ فائیل کس نے بکھیرے ہیں۔" اس نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"میں نے۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "اور میں ان میں میر تقی میر کی کوئی غزل تلاش
کر رہا تھا۔ آپ یقین کیجئے۔ ویسے میرے پاس آپ کے لئے ایک بڑی شاندار اطلاع ہے

"بکو......!"

"نہیں۔ وہ اطلاع اُسی صورت میں آپ تک پہنچ سکتی ہے جب آپ مجھے ہارڈی
کے حشر سے آگاہ کردیں۔"

"او......!" فریدی کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور پھر وہ بولا

"پچھلی رات میں نے بہت بُری طرح وقت برباد کیا ہے۔"

"کیوں...... میں تو سمجھا تھا شاید آپ بھی ہوش میں نہیں ہیں۔"

"چلو یہی سمجھ لو...... مگر اس کے متعلق مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ بعض اوقات مجھ
بچپنا سرزد ہو جایا کرتا ہے۔"

"شرط پوری کئے بغیر آپ اُس نئی اطلاع سے محروم ہو جائیں گے۔"

"چلو...... بتاؤ...... کیا پوچھنا چاہتے ہو۔" فریدی بے دلی سے بولا۔

"ہارڈی وغیرہ کے خلاف آپ نے جو رویہ اختیار کیا تھا۔"

"وہ رویہ اپنی جگہ پر بالکل درست تھا اور اس کے لئے میں کبھی شرمندہ نہیں ہوسکتا۔
ہارڈی اسی قابل ہے کہ اسے گھٹیا سے گھٹیا آدمیوں سے پٹوایا جائے۔ وہ خود کو بندرگاہ کے
علاقے کا سب سے بڑا غنڈہ سمجھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ پانچوں آدمی اس سے کبھی آنکھ
ملانے کی بھی ہمت نہ کرسکتے۔ یہ صدمہ ہارڈی کے لئے بڑا جان لیوا ثابت ہوگا۔"

"لیکن آپ سے بچپنا کون سا سرزد ہوا۔"

"یہ خام خیالی ہے کہ پی سنگ ان کی خبر لینے کے لئے دوبارہ وہاں آئے گا۔ یہی سوچ
کر میں نے ساری رات جنگل میں گذار دی۔ تمہیں کار میں دھوکہ دیا۔ خیال یہ تھا کہ پی سنگ
وہیں کہیں چھپا ہوگا۔ لہٰذا اسے دھوکہ میں رکھنے کے لئے مجھے کاروائی حرکت کرنی پڑی۔ ویسے
مجھے افسوس ہے کہ پچھلی رات تمہیں بڑی پریشانیاں اٹھانی پڑی تھیں۔

"تو کیا آپ نے انہیں یونہی چھوڑ دیا۔"

"نہیں اب وہ حوالات میں ہیں۔"

"آخر آپ پی سنگ کے چکر میں کیوں ہیں۔"

"آخر اُسے اتنی فکر کیوں ہے کہ میں اس کی نگرانی کرا رہا ہوں۔ یقیناً وہ کوئی بہت ہی اہم
معاملہ ہوگا جس کے لئے اُس نے محکمہ سراغ رسانی کے ایک آفیسر کو پکڑوا کر اذیت دینے کی
کوشش کی تھی۔ پی سنگ کی نگرانی میرے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ تقریباً ایک سال سے میرے
آدمی اس کے پیچھے ہیں۔"

"آخر کس لئے۔"

"آخر کا دورہ پڑ گیا ہے تم پر۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کوئی خاص بات نہیں ہے۔ شہر کے
سارے مجرم جن کے خلاف میں کوئی ثبوت بہم نہیں پہنچا پاتا میری نگرانی میں رہتے ہیں۔ ان
میں سے بہتیرے اس سے واقف بھی ہیں لیکن آج تک کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ میرے کسی
آدمی پر ہاتھ ڈال سکتا۔"

"تو پی سنگ اب روپوش ہوگیا۔"

"قطعی یہی بات ہے۔"

حمید نے پھر کچھ کہنے کے لئے ہونٹ ہلائے ہی تھے کہ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"بس! ہاں تم مجھے کیا بتانے والے تھے۔"

"آج صبح ایک خوبصورت سی لڑکی دولت گنج کی حوالات میں تھی۔ مجھے وہ اتنی کہ میں نے اُسے رہا کرادیا۔"

"کیوں.....؟"

"آپ نے اُن دونوں کو کیوں چھوڑ دیا تھا۔ آپ دو کو چھوڑ دیں اور میں ایک کو دینے کا حق نہیں رکھتا۔ ہائے وہ کتنی حسین تھی۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

چند لمحے خاموش رہا اور پھر فریدی کی غصیلی آنکھوں کی پرواہ کئے بغیر بولا۔ "میرے اس کی تصویر بھی موجود ہے۔"

"بکواس مت کرو۔" فریدی نے کہا اور اس کی بکواس سے پیچھا چھڑانے کے اصلاح خانوں کی رپورٹیں دیکھنے لگا۔

حمید نے ففٹی تھری کا فائیل کھول کر اسکی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ بھی دیکھ لیجئے"

فریدی کی نظر سرلا کی تصویر پر پڑی اور وہ چونک پڑا۔ "کیا مطلب!"

"وہ یہی تھی لیکن نکل گئی۔"

"گدھے!" فریدی دہاڑا۔

"گدھے تو موجود ہیں لیکن وہ نکل گئی۔" حمید نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"نہیں تم بکواس کررہے ہو۔" فریدی کے ہونٹوں پر ایک ایسی مسکراہٹ نظر آئی میں جھنجلاہٹ بھی شامل تھی۔ اس کے بعد ہی حمید نے گراموفون کے ریکارڈ کی طرح شروع کردیا اور پھر جیسے ہی راگ محل کا نام اس کی زبان پر آیا، فریدی نے کرسی سے چھلانگ لگادی اور حمید کے سنبھلنے سے پہلے وہ کمرے سے جاچکا تھا۔

راگ محل

فریدی کی یہ چھلانگ ...... حمید نے سوچا کہ نتائج کے لحاظ سے یقیناً بہت سنسنی خیز ثابت ہوگی۔ مگر شام تک اُسے کوئی سنسنی خیز اطلاع نہ مل سکی۔ تقریباً چھ بجے فریدی واپس آیا لیکن اسکے چہرے پر تشویش کے آثار دیکھ کر حمید کو بڑی مایوسی ہوئی۔ اسکا یہی مطلب تھا کہ ابھی کامیابی کوسوں دور ہے۔ حمید نے اُسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ مگر شاید فریدی خود ہی کچھ بتانا چاہتا تھا۔

"راگ محل بڑی اچھی جگہ ہے حمید۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "تم شاید وہاں کبھی نہ گئے ہوگے کیونکہ داخلہ صرف ممبروں کا ہی ہوسکتا ہے یا پھر وہاں لوگ مہمانوں کی حیثیت سے جاتے ہیں اس کے لئے بھی کم از کم تین پرانے ممبروں کی سفارش ضروری ہوتی ہے۔ شہر کے بہت بڑے بڑے آدمی اُس کے ممبر ہیں۔"

"ہاں میں نے اس کے متعلق بہت کچھ سنا ہے۔" حمید نے کہا۔ "شاید وہ مختلف قسم کے آرٹسٹوں کا کوئی ادارہ ہے۔ وہاں راگ رنگ کی محفلیں زیادہ ہوا کرتی ہیں۔"

"ارے پرستان ہے...... پرستان۔" فریدی مسکرا کر آہستہ سے بولا۔ لیکن اس کا یہ لہجہ حمید کیلئے بالکل نیا تھا۔ بالکل اوباش آدمیوں کا سا لہجہ۔ وہ متحیرانہ انداز میں اسکی طرف دیکھنے لگا۔

"تم آج کل بہت اداس ہو۔" اس نے پھر کہا۔ "کیا تم نے کبھی راگ محل کے پبلک جلسوں میں بھی شرکت نہیں کی۔"

"مجھے پکے گانوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ویسے جب کبھی سننے کو دل چاہتا ہے اپنے بکرے کو دو چار ڈنڈے لگا دیتا ہوں۔"

"حمید تم وہاں ضرور جاؤ۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "بلکہ اگر مستقل ممبر ہی بن جاؤ تو زیادہ بہتر ہے۔"

"میں سمجھا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "مگر میری سفارش کون کرے گا۔"

"سب کچھ تیار ہے۔ ممبری کے فارم پر تین پرانے ممبروں کے دستخط موجود ہیں۔
بہت ہی مقبول قسم کا ممبر تمہیں اپنے ساتھ وہاں لے جائے گا۔"

"میرا وہاں کیا کام ہوگا۔"

"کوئی آسان سا کام، جو بھی تمہیں پسند ہو۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "مثلاً
سیکھنا...... حالانکہ تم بہت اچھا وائلن بجاتے ہو مگر ذرا خود کو مبتدی ہی ظاہر کرنا۔ اس کے
جو تمہارا دل چاہے۔ اب اٹھو! میں بہت جلدی میں ہوں۔"

"کیا ابھی......!"

"فی الحال تجربہ گاہ تک۔"

"میک اپ......!" حمید نے بُرا سا منہ بنایا۔ "نہیں...... میں بے تحاشہ تکلیف محسوس
ہوں۔ گرمیوں میں پلاسٹک کے ٹکڑے...... خدا کی پناہ۔"

"ڈرو نہیں...... کم سے کم پلاسٹک استعمال کروں گا۔"

"لیکن میں کوئی بدنما چہرہ نہیں برداشت کرسکوں گا۔"

"چلو! متعدد تصویریں تمہارے سامنے ہوں گی، جو پسند آجائے۔ اب اٹھو۔"

دورِ جدید کے سراغ رسانوں کے لئے میک اپ وغیرہ بڑی بھونڈی چیزیں ہیں۔ وہ
تفتیش کی بنیاد منطق اور جرائم کی نفسیات پر رکھتے ہیں۔ مگر بہتیرے کیس ایسے ہوتے ہیں
میں یہ دونوں ہی چیزیں کارآمد نہیں ثابت ہوتیں۔ کیونکہ بعض مجرم ایسے بھی ہوتے ہیں جن
خلاف ثبوت بہم پہنچانا مشکل ہوجاتا ہے۔ ایسے ہی مجرموں کے لئے یہ طریقہ کسی حد
کامیاب ہوتا ہے۔ فریدی میک اپ کو کامیابی کا ذریعہ بنانے میں خوشی نہیں محسوس کرتا تھا
بعض اوقات مجبوراً اُسے اُس کا سہارا لینا ہی پڑتا تھا۔ ویسے اُس نے میک اپ کی اُن
خامیوں پر قابو پالیا تھا جن کی بناء پر میک اپ کرنے والوں کو دوسروں سے دور ہی دور رہنا
تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس کے میک اپ کئے ہوئے چہرے کو ایک فٹ کے فاصلے سے بھی
پہچانا جاسکتا۔

اس وقت بھی اُسے حمید کے چہرے پر ایسا ہی میک اپ کرنا تھا۔ تجربہ گاہ میں پہنچ

فریدی نے ایک فائیل حمید کے سامنے ڈال دیا جس میں دوسرے شہروں کے مفرور مجرموں کی
تصاویر تھیں۔ حمید سمجھ گیا کہ یہ کوئی گہری چال ہے۔ وہ تھوڑی دیر تک فائیل کے صفحات الٹتا رہا
پھر ایک چہرہ منتخب کر کے اُسے فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک اس کے چہرے کی مرمت ہوتی رہی۔ پھر فریدی اُسے گردن سے
پکڑ کر کرسی سے اٹھاتا ہوا بولا۔

"تم جاوید پریمی ہو...... راگ رنگ کے دیوانے۔"

"مگر اس کا نام تو ستیش ہے۔"

"ہاں! مگر وہ ستیش کی حیثیت سے خود کو متعارف نہیں کراسکتا۔ کیونکہ ایک مفرور مجرم ہے
اور اسی لئے میں نے اس میک اپ میں ہلکی سی مونچھوں کا اضافہ کردیا ہے اور میک اپ بھی اسی
قسم کا ہے کہ بہت غور سے دیکھے جانے پر تم ستیش معلوم ہوگے۔"

"راگ محل میں کیا ہے۔"

"وہی سب کچھ جو میں تمہیں ابھی بتا چکا ہوں۔"

"یعنی آپ مجھے محض اس لئے وہاں بھیج رہے ہیں کہ وہ پرستان ہے۔"

"فی الحال تمہیں یہی سمجھنا چاہئے اور تم وہاں ان تفریحات کے علاوہ اس وقت تک اور
کچھ نہیں کرو گے جب تک کہ تمہیں دوسری ہدایات نہ ملیں۔ خیر اب سنو کہ تم وہاں کس طرح
پہنچو گے۔ ٹھیک دس بجے تمہیں فردوس منزل کے گیارہویں فلیٹ میں پہنچنا ہے۔ وہاں مسٹر پی
کی راگی رہتے ہیں۔ وہ تمہیں راگ محل لے جائیں گے۔ راگ محل سے واپسی پر تم گھر نہیں آؤ
گے بلکہ فردوس منزل کے سامنے والی عمارت کے آٹھویں فلیٹ میں فی الحال تمہارا مستقل قیام
ہوگا۔ اس کی کنجی بھی تمہیں مل جائے گی جب تک کہ میں نہ کہوں تم گھر کا رخ بھی نہیں کرو
گے...... کیا سمجھے!"

"سمجھ گیا...... اگر میں...... خیر جانے دیجئے۔"

"اچھی بات ہے جانے دو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "غیر ضروری باتوں سے جتنا بچو اتنا
ہی اچھا ہے۔"

حمید نے ٹھیک دس بجے فردوس منزل کے دروازے پر دستک دی۔ پی سی راگی
وہ سوچتا آیا تھا کہ وہ کوئی دبلا پتلا خوبصورت سا بوڑھا ہوگا۔ فریدی نے اسے بتایا تھا کہ
بڑا فنکار ہے۔ اس کی ٹکر کا پیانسٹ کم از کم اس شہر میں تو ملنا مشکل ہی ہے، لہٰذا حمید کے
میں اس کی تصویر فنکاروں ہی کی سی تھی۔

دستک دینے کے دو تین منٹ بعد دروازہ کھلا۔ دوسرے ہی لمحے میں حمید کے سامنے
لمبا تڑنگا اور سیاہ فام آدمی کھڑا تھا۔ اس کے اگلے دو دانت نچلے ہونٹ پر رکھے ہوئے تھے

"مجھے راگی صاحب سے ملنا ہے۔" حمید نے کہا۔

"مل لیجئے۔" وہ مسکرا کر بولا۔ اس کی مسکراہٹ بھی بڑی کریہہ تھی۔

"آپ ہی ہیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ کیونکہ وہ اُسے فنکار کی بجائے کوئی جلاد
ہو رہا تھا۔

"جی ہاں...... میں ہی ہوں...... فرمایئے۔"

حمید نے جیب سے وہی فارم نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا جس پر راگ محل کے
ممبروں کے سفارشی نوٹ تھے۔

"اوہو...... اچھا...... اندر آجایئے۔ میں آپ کا منتظر تھا۔ صرف دس منٹ بعد ہم
ہو جائیں گے۔" وہ پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ حمید کمرے میں چلا گیا۔

راگی اُسے وہیں چھوڑ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا تھا۔ حمید دیوار سے لگی ہوئی تہ
دیکھنے لگا۔ اُسے حیرت تھی کہ ایسا بدصورت اور بے ڈھنگا آدمی اتنا خوش مزاج کیسے ہو سکتا۔
یہ سب اعلیٰ درجہ کی پینٹنگ تھیں۔

راگی حسب وعدہ دس منٹ بعد تیار ہو کر آگیا۔ وہ دونوں باہر آئے۔ ایک ٹیکسی لی
راگ محل کی طرف روانہ ہو گئے۔

راگ محل ایک بہت بڑے ہال کا نام تھا۔ یہاں وہ سب کچھ تھا جو ایک بہترین قسم
تفریح گاہ کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ جیسے ہی وہ گیٹ پر پہنچے دو آدمیوں نے ان کا استقبال
اور پھر اصل عمارت کے دروازے پر قدم رکھتے ہی حمید کے کانوں سے موسیقی کی لہ

ٹکرائیں۔ سارا ہال بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ شاید اس وقت یہاں رقص کی مشق ہونے والی تھی کیونکہ
تقریباً ڈیڑھ درجن لڑکیاں رقص کے لباس میں نظر آ رہی تھیں۔

ہال بہت بڑا تھا اوپر بھی چاروں طرف گیلریاں تھیں۔ حمید سر جھکائے راگی کے ساتھ
چلا رہا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ راگی بہت عزت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ رقاص لڑکیاں
ہاتھ اٹھا اٹھا کر اسے سلام کر رہی تھیں۔

وہ حمید کو سیکریٹری کے کمرے میں لایا اور ممبر بننے کے سارے مراحل جلد ہی طے ہو گئے،
حمید محسوس کر رہا تھا کہ سیکریٹری اسے بہت غور سے دیکھ رہا ہے۔

یہ ادھیڑ عمر کا ایک صحت مند آدمی تھا لیکن اُس کے لمبوترے چہرے پر چھوٹی سی فرنچ کٹ
اڑھی کچھ اچھی نہیں لگتی تھی۔ ویسے بھی اس کی آنکھوں کی بناوٹ حلیم اور بردبار آدمیوں کی
اوٹ سے بہت مختلف تھی۔ حالانکہ وہ اپنے انداز گفتگو سے یہی ظاہر کرتا تھا کہ وہ ایک اچھے
ردار کا با اصول آدمی ہے۔ وہ حمید سے رسمی گفتگو کرنے کے بعد بولا۔

"میرا خیال ہے کہ میں اس سے پہلے بھی آپ کو کہیں دیکھ چکا ہوں لیکن یاد نہیں پڑتا کہ
کہاں دیکھا تھا۔"

"ہوسکتا ہے...... میں اکثر یہاں آتا رہتا ہوں۔" حمید نے اپنی آواز بدلنے کی کوشش
کرتے ہوئے کہا...... ان معاملات میں وہ فریدی ہی کا شاگرد تھا۔

"تو آپ کا مستقل قیام یہاں نہیں رہتا۔"

"اب تو مستقل ہی ہے۔ میں دراصل......!" حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ پھر ہنس کر
بولا۔ "کیا یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ میرا پیشہ کیا ہے۔"

"نہیں...... قطعی نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تین معزز ممبر اپنا اطمینان کر لینے کے بعد ہی سفارش
کر سکتے ہیں اور پھر راگی صاحب جیسے گریٹ آرٹسٹ کی ہمراہی۔ نہیں مسٹر جاوید پریمی یہ کلا
مندر ہے۔ یہاں صرف روحیں دیکھی اور پرکھی جاتی ہیں۔ جسم اگر آلو چھولے بھی بیچتا ہو تو ہمیں
اُس سے کوئی سروکار نہیں۔ اگر آپ اپنے پیشے کے متعلق مجھے نہیں بتانا چاہتے تو میں آپ کو مجبور
نہیں کروں گا۔"

حمید جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا......ایک لڑکی چھن چھن کرتی ہوئی کمرے میں
آئی۔ اس کے پیروں میں گھونگھرو بندھے ہوئے تھے اور وہ رقص کے لباس میں تھی۔

''یہ کون ہیں؟'' اس نے حمید کی طرف اشارہ کرکے سیکریٹری سے پوچھا۔ انداز میں
بھولا پن تھا لیکن لہجے کی ذرا سی لغزش اُسے بھونڈے پن میں بھی تبدیل کر سکتی تھی
اداکاری کے اس حسن کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔

لڑکی بڑی دلکش تھی۔ آنکھیں کنول تھیں اور ہونٹ گلاب کی پنکھڑیاں۔ حمید جلد
صرف یہی دو تشبیہیں سوچ سکا کیونکہ اُس کے جسم کی ہر جنبش پر کسی نہ کسی عضو کا حسن ایک
انداز میں ظاہر ہو رہا تھا اور حمید کا ذہن تشبیہات کے التزام میں اتنی تیز رفتاری کا ثبوت
سے قاصر تھا۔

''یہ ہمارے نئے ساتھی مسٹر پریمی ہیں۔''

''ہاہا!'' وہ ایک سریلی سی چیخ کیساتھ حمید کیطرف ہاتھ بڑھاتی ہوئی بولی۔ ''میں راگنی ہوا

''آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔'' حمید نے گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔

''کیوں راگی صاحب۔'' وہ حمید کو کچھ اور کہنے کا موقع دیئے بغیر راگی سے بولی۔
وقت اجنبی والا رقص کیسا رہے گا۔''

''ہوں......میں کیا بتا سکتا ہوں۔'' راگی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ حمید سمجھ گیا کہ
راگنی کی بے تکلفی گراں گذری ہے۔ راگنی چھن چھن کرتی دوڑتی چلی گئی اور پھر فوراً ہی
باریک سی آواز ساز کے پردوں پر لہراتی چلی گئی۔

''ارے......اجنبی......!''

شاید یہ راگنی کی آواز تھی۔ ''اجنبی'' کو اتنا کھینچا گیا کہ آواز بتدریج باریک ہوتے ہوتے
سناٹے میں گم ہوگئی اور پھر مختلف قسم کے سازوں کی موسیقی کا طوفان سا امنڈ پڑا۔ ساتھ ہی
سی سریلی آوازوں کا کورس بھی گونجا۔

''تو کون ہے......تو کون ہے۔''

تھمتے ہوئے سازوں کے درمیاں سے وہی باریک سی آواز پھر بتدریج بلند ہو رہی تھی

''اجنبی......!'' آواز کے انتہائی نقطہ عروج پر ساز خاموش ہوگئے اور صرف گھونگھروں کی ''چھنا
چھن'' باقی رہ گئی۔ پھر ''تو کون ہے......تو کون ہے۔'' کا کورس شروع ہوتے ہی ساز پہلے ہی
کی طرح گونجنے لگے۔

حمید کی روح اُن نغمات میں کھوئی جا رہی تھی مگر سیاہ فام اور بدصورت راگی کی آنکھیں
اس کے ذہن کو جھنجھوڑ رہی تھیں۔ وہ آنکھیں جن میں نفرت اس طرح کروٹیں بدل رہی تھی
جیسے کسی ویرانے میں سانپ رینگ رہا ہو۔

''میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ سمجھے آپ۔'' وہ سیکریٹری کی میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

''کیا بات ہے مسٹر راگی۔ میں کچھ نہیں سمجھا۔'' سیکریٹری نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''آرٹسٹ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی ننگا ہو کر ناچنے لگے، انسانیت اور شرافت
کا جنازہ نکال دے۔ آپ کے آرٹسٹ بدتمیز اور غیر مہذب ہوتے جا رہے ہیں۔''

''میں پھر نہیں سمجھا مسٹر راگی۔''

''میں راگنی کی بدتمیزی کے متعلق کہہ رہا ہوں۔''

''بدتمیزی!'' سیکریٹری نے حیرت سے کہا۔ ''نہیں تو مسٹر راگی۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں!''

''کیا نئے آدمیوں سے گفتگو کرنے کا یہی طریقہ ہے۔''

''اوہو......مسٹر راگی۔'' سیکریٹری نے ایک طویل قہقہہ لگایا جو سو فیصدی تصنع آمیز تھا پھر
بولا ''تعجب ہے آپ یہ کہہ رہے ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ وہ ایک شوخ اور مست اَلست قسم
کی لڑکی ہے۔''

''ہاں! راگی نے خشک لہجے میں کہا۔ ''اور بعض اوقات وہ اس سرمستی کے عالم میں فاحشہ
عورتوں سے بھی بدتر ہو جاتی ہے۔ سیکریٹری صاحب! سچا آرٹسٹ کبھی خود کو پوز نہیں کرتا۔ اُس
کی روح ہر وقت ناچتی رہتی ہے لیکن اوپر سے وہ کسی جھیل کی طرح پرسکون نظر آتا ہے۔ اس کی
آنکھوں میں بے چینی کے بجائے ایک پروقار قسم کا ٹھہراؤ ہوتا ہے۔''

''اس کے لئے بڑے ظرف کی ضرورت ہے مسٹر راگی۔'' سیکریٹری نے کہا۔ ''آپ بہت
بڑے آرٹسٹوں کی باتیں کر رہے ہیں۔''

"میں اس کلامندر کے ہر آرٹسٹ کو بڑا دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ہر آرٹسٹ بڑا نہیں ہو سکتا۔"

"اگر نہیں ہو سکتا تو راگی کو یہاں سے ہمیشہ کے لئے جانا پڑے گا۔"

"اررر...... نہیں ...... مسٹر راگی!" سیکریٹری بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ "آپ کے بغیر راگ محل فن کا مقبرہ بن جائے گا۔ نہیں آپ ایسا نہیں کر سکتے۔"

"میں کب چاہتا ہوں کہ ایسا کروں...... مگر...... آپ حالات کو دیکھ ہی رہے ہیں۔"

"اچھا دیکھئے میں انہیں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ مگر آپ ہمیں نہیں چھوڑ سکتے۔ آپ راگ محل کی زندگی ہیں۔"

یہ گفتگو راگی کی خاموشی پر ختم ہو گئی۔

اس واقعے کو ایک ہفتہ گزر گیا۔ حمید اس دوران میں برابر راگ محل جاتا رہا تھا لیکن اسے اس چیز کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی کہ وہ ہمیشہ راگی کے ساتھ ہی وہاں جاتا۔ کئی لڑکیاں اُس سے کافی گھل مل گئی تھیں لیکن سرلا اُسے ایک دن بھی نظر نہ آئی۔ اُس نے اس کے متعلق غور کیا لیکن کچھ بھی سمجھ نہ آیا۔ وہ اپنے محکمے کے سادہ لباس والوں کو راگ محل کے گرد منڈلاتا دیکھتا اور سوچتا شاید یہ سب کچھ سرلا ہی کے لئے ہو رہا ہے مگر سرلا تھی کہاں؟ راگ محل کا چپہ چپہ حمید نے دیکھ ڈالا تھا اور یہ چیز اُس کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھی کہ وہاں کوئی چھپنے کی جگہ بھی ہو گی۔ وہ سوچتا شاید فریدی سرلا کے معاملے میں اپنی ہی کسی غلطی کا شکار ہو گیا ہے۔ وہ اُسے دھوکا دے کر یہاں سے نکل گئی اور وہ شاید یہی سوچتا رہ گیا کہ وہ وہیں چھپی ہو گی۔ اس کے علاوہ حمید اور کچھ نہیں سوچ سکتا تھا۔ ویسے کسی دوسرے پہلو سے راگ محل کے متعلق سوچنا فضول ہی تھا۔ فریدی اُسے وہاں اس لئے نہیں بھیج سکتا تھا کہ خود راگ محل ہی کسی قسم کے جرائم کا مرکز ہے۔ وہاں تو صحیح معنوں میں مختلف قسم کے فنون کی خدمت ہو رہی تھی اور وہاں صرف چیدہ چیدہ ہستیوں کا گذر ہو سکتا تھا۔ اسی بناء پر اکثر راگ محل کے خلاف طوفان بھی اٹھا کرتے تھے لیکن انہیں بڑی سختی سے دبا دیا جاتا تھا کیونکہ شہر کے بیشتر سربرآوردہ لوگ اس کے سرپرست تھے۔

لیکن وہ شام حمید کے لئے بڑی سنسنی خیز تھی جب اُسے راگ محل میں ایک نیا تجربہ ہوا۔ وہ ایک رقص کرنے والی لڑکی کے لئے وائیلن بجا رہا تھا کہ ایک ملازم نے اُسے سیکریٹری کا پیغام دیا۔ وہ اس سے اپنے آفس میں ملنا چاہتا تھا حمید اپنا شغل ترک کر کے اُس کے کمرے میں داخل ہوا۔

"اوہ آئیے مسٹر ستیش......!" سیکریٹری نے مسکرا کر کہا اور حمید بیساختہ چونک پڑا۔ وہ یہاں کی رنگ رلیوں میں پڑ کر یہ تو بھول ہی گیا تھا کہ وہ ایک مفرور مجرم کے میک اپ میں ہے ورنہ شاید اُس کے چونکنے کے انداز میں اتنی بیساختگی نہ پیدا ہو سکتی۔ بہر حال وہ دوسرے ہی لمحے میں مسکرا کر بولا۔

"مجھے آپ سے شکایت ہے کہ آپ مجھے غلط نام سے مخاطب کر رہے ہیں۔ میرا نام جاوید پریمی ہے۔"

"آپ اس کی پرواہ نہ کیجئے۔ مگر میرا خیال ہے کہ پولیس سے بچنے کے لئے صرف یہ مونچھیں ہی کافی نہ ہوں گی۔"

"کیا آپ نشے میں ہیں مسٹر سیکریٹری۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"نہیں مائی ڈیئر مسٹر ستیش......!"

اب حمید کو محسوس ہوا کہ فریدی نے اُسے اس میک اپ میں وہاں کیوں بھیجا تھا کیونکہ وہ سیکریٹری کے ہاتھ میں ایک ریوالور دیکھ رہا تھا۔ بھلا راگ محل میں ریوالور کا کیا کام؟ سیکریٹری نے ریوالور کو میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"راگ محل یا جیل...... ان میں سے آپ کسے ترجیح دیں گے۔"

"کیا یہ کسی ڈرامے کا ریہرسل ہے مسٹر سیکریٹری۔" حمید نے لاپرواہی سے مظاہرہ کیا۔

"آپ جانتے ہیں مسٹر ستیش کہ راگ محل میں آج تک کوئی ڈرامہ نہیں ہوا۔ یہاں کے حقائق ہی اتنے دلچسپ ہوتے ہیں کہ تفریح کے لئے قصے کہانیوں کا سہارا نہیں لینا پڑا۔ اب یہی دیکھ لیجئے کہ جنوبی صوبے کا ایک قاتل راگ محل میں آرٹ کی خدمت کر رہا ہے۔ اگر میں یہاں کے سارے فنکاروں کو اکٹھا کر کے اُسے بے نقاب کر دوں تو کیسی رہے؟"

آہستہ آہستہ حمید کو عقل آ رہی تھی۔ اچانک اُس نے سرد اور سفاک قسم کے لہجے میں کہا۔
''اُس سے پہلے یا تو تم مرجاؤ گے یا تفتیش ہی مرجائے گی۔''

''میرے ہاتھ میں ریوالور ہے۔'' سکریٹری نے مسکرا کر کہا۔

''تمہاری معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے مجھے بتانا ہی پڑے گا کہ جسے میں نے قتل کیا تھا اس کے ساتھ چھ آدمی تھے۔ اگر میں اُن میں سے ایک کو قتل نہ کر دیتا تو میرا قتل ہو جانا لازمی تھا۔''

''تب تو تم نے اُسے حفاظت خود اختیاری کے تحت قتل کیا تھا'' سکریٹری نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ایسی صورت میں تمہیں فرار نہ ہونا چاہئے تھا۔''

''مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ میں دوسری بار بھی اپنی حفاظت کر سکتا۔''

''تم تنہا تھے۔'' سکریٹری نے پوچھا اور اثبات میں جواب پا کر دوبارہ سوال کیا۔ ''کیا اب بھی تنہا ہو۔''

''ہاں میں اب بھی تنہا ہوں لیکن تم نے مجھے اس طرح پہچانا ہے جیسے میری تلاش میں رہے ہو۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تمہارے پاس اس ریوالور کا لائسنس ہے۔''

''ریوالور...... ریوالور کی بات جانے دو۔ میں تم سے فی الحال ایک سودا کرنا چاہتا ہوں ابھی تک یہ سودا ہے لیکن انکار کی صورت میں حکم بن جائے گا اور اس کے بعد تمہارے مقدر میں یا تو ہتھکڑیاں ہوں گی یا کسی ریوالور کی گولی تمہارے خطِ تقدیر میں سرخ تحریر کا اضافہ کر دے گی۔''

''یار سکریٹری صاحب۔'' حمید ہنس کر بولا۔ ''تم تو شیکسپیئر کے کسی ویلن کی طرح بول رہے ہو۔ میں اسے دھمکی سمجھوں یا لٹریچر میں ایک حسین اضافہ۔''

''مجھے اور زیادہ خوشی ہوئی۔ تم پڑھے لکھے آدمی ہو۔'' سکریٹری نے خشک لہجے میں کہا۔ ''دلیر بھی ہو تنہا بھی ہو تمہیں ساتھیوں کی ضرورت ہے۔ تم جانتے ہو کہ راگ محل کی دیواریں مستحکم ہیں۔ کیا یہاں کے کسی فرد پر کسی قسم کی آنچ بھی آ سکتی ہے۔''

''نہیں...... قطعی نہیں...... پھر......!''

''پھر تمہیں فی الحال ہمارا ایک کام کرنا ہوگا۔ خوشی سے نہ کرو گے تو زبردستی۔ لیکن

بھاگ نہیں سکتے۔ جب بھی ارادہ کیا جہاں کہیں بھی ہو گے تمہاری کھوپڑی میں سوراخ ہو جائے گا۔ ہمارے آدمی ہر وقت تمہاری نگرانی کریں گے۔''

حمید تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔ ''کام کی نوعیت معلوم کئے بغیر میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن دھوکہ نہ ہو، ورنہ میں بخشنا تو جانتا ہی نہیں۔''

''تمہیں رینگل لاج میں ایک چھوٹا سا پیکٹ پہنچانا ہوگا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ میں تمہیں خطرات سے بھی آگاہ کر دوں تاکہ دھوکے کا احتمال نہ رہے۔ میرے ساتھ آؤ'' وہ اُسے وہاں سے دوسرے کمرے میں لے گیا۔

راگ اور خون

تقریباً دو گھنٹے بعد حمید راگ محل کے باہر آیا۔ اس کے ساتھ میں ایک خوبصورت سا پیکٹ تھا۔ للّی بسکٹ کا پیکٹ۔ وہ اُسے یونہی کھلے عام ہاتھ میں دبائے ہوئے چل رہا تھا۔ اس پیکٹ کے لئے اتنی راز داری! حمید سے کہا گیا تھا کہ وہ اُسے آٹھ دس آدمیوں کی نگرانی میں رینگل لاج تک لے جائے گا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ اس کی نگرانی کر رہے ہوں گے لیکن وہ اُن کی شخصیتوں سے ناواقف تھا۔ ویسے اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ بیچ سڑک پر بھی قتل کیا جا سکتا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر اس پیکٹ میں ہے کیا؟ وہ اسے اجنبی ہاتھوں میں دینے جا رہا تھا اُسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ ہوگا کون۔ اس سے تو یہ کہا گیا تھا کہ جس کے لئے یہ پیکٹ بھیجا جا رہا ہے وہ خود ہی اُسے پہچان کر اس سے لے لے گا۔ اس اتنے سے کام کی اجرت پانچ سو کے نوٹوں کی شکل میں دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ بڑی عجیب بات تھی۔ وہ پیکٹ علانیہ طور پر لے جایا جا رہا تھا اور آٹھ دس آدمی چھپ چھپ کر اس کی حفاظت کر رہے تھے اور پھر اسے پیدل ہی رینگل لاج تک پہنچانا تھا۔ جس کا فاصلہ راگ محل سے ڈھائی میل ضرور رہا ہوگا۔ حمید چلتا رہا۔ وہ اب تک ایک میل تک پیدل چل چکا تھا۔

اس وقت شہر کے ایک بھرے پُرے حصے سے گزرتے وقت بھی موت اُس کی آنکھوں کے سامنے ناچ رہی تھی۔ اچانک ایک گلی سے ایک چھوٹا سا جلوس نکلا۔ حمید پہلے ہی سے اس

کے نعرے سنتا رہا تھا۔ غالباً یہ جلوس کارپوریشن کے الیکشن سے تعلق رکھتا تھا۔

''اپنا ووٹ کس کو دو گے!'' ایک آدمی چیخا۔

''بندے علی کو۔'' درجنوں آوازیں ہم آہنگ ہو جاتیں۔

وہ جلوس کچھ اس طوفانِ بدتمیزی کی طرح گلی سے نکلا کہ حمید کے پاؤں اکھڑ گئے۔ کئی آدمی بیک وقت اُس سے آٹکرائے تھے اور پھر...... للّی بسکٹ کا پیکٹ بھی اُس کی گرفت سے نکل گیا۔ بس پھر کیا تھا...... کھوپڑی ہوا ہوگئی۔ بوکھلاہٹ میں اُسکا ہاتھ ایک ایک کے گریبان پر پڑنے لگا۔ جلوس تتر بتر ہوگیا۔

''کیا ہے! کیا ہے۔'' کسی نے چیخ کر پوچھا۔

''مخالف پارٹی کا آدمی...... شیخ چھتانی کا آدمی۔''

''مارو سالے کو......!''

سالے کے حواس غائب ہوگئے اور وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگا۔ جلوس چیختا چنگھاڑتا ہوا اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ اندھیرا پھیل چکا تھا اور سڑکیں جگمگا رہی تھیں۔ لیکن یہاں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے قیامت آ گئی۔ بعض راہگیروں نے بھی دوڑنا شروع کر دیا تھا لیکن وہ خوف کی وجہ سے بھاگ رہے تھے۔ دوسروں کو بھاگتے دیکھا، خود بھی بھاگ لئے۔ دوکانیں دھڑا دھڑ بند ہونے لگیں تھیں۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اب اگر ایسے موقع پر کسی کے ہاتھ آ گیا تو کچومر نکل جائے گا۔

اچانک وہ ایک گلی میں مڑ گیا۔ لیکن اس میں اس کے ارادے کو دخل نہیں تھا۔ یہ فعل تو غیر ارادی طور پر سرزد ہوا تھا۔ بہر حال اس کے ستارے اچھے ہی تھے کہ آگے چل کر گلی تاریک ہوگئی تھی۔ وہ بے تحاشہ دوڑتا ہی رہا۔ اس کے پیروں میں کریپ سول جوتے تھے اور وہ پنجوں کے بل دوڑ رہا تھا۔ اس لئے آواز بھی نہیں ہو رہی تھی۔ وہ تقریباً پندرہ منٹ تک تاریک گلیوں میں چکراتا رہا۔ پھر اُس نے سوچا کہ اب اسے سڑک پر نکل جانا چاہئے۔ تعاقب کرنے والوں کی آوازیں بھی اب نہیں سنائی دیتی تھیں۔

اُسے اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ کس طرح اپنی قیام گاہ تک پہنچا۔ یہ اُسی عمارت کا ایک فلیٹ تھا جہاں فریدی نے اُسے ٹھہرنے کو کہا تھا۔

وہ پلنگ پر گر کر ہانپنے لگا۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُسے بہت ہی تیز قسم کا بخار ہوگیا ہو کیونکہ اس وقت اس کے خیالات بڑے ''ہذیانی'' قسم کے ہو رہے تھے۔ بے سروپا اور وہ ہانپ رہا تھا اور غصے کا تو پوچھنا ہی کیا۔ وہ گالیاں بھی بے تکی اور مہمل ہی تھیں، جو دل ہی دل میں سراغ رسانی اور سراغ رسانوں کو دے رہا تھا۔

وہ آدھ گھنٹے تک بے سدھ پڑا رہا۔ پھر اٹھ کر دو تین گلاس پانی چڑھا گیا۔ للّی بسکٹ کا پیکٹ اُس کے ذہن میں تھا۔ اس وقت اس کے اعصاب پر فریدی سوار تھا، جو کچھ سوچے سمجھے بغیر اُسے جہاں چاہتا تھا جھونک دیتا تھا۔ بہت دیر بعد اُسے وہ پیکٹ یاد آیا لیکن وہ گالیاں کھائے بغیر نہ رہ سکا۔

ویسے اُسے اُس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں تھی کیونکہ اس کی دانست میں وہ اُسی آدمی کے ہاتھ لگا ہوگا جس کے لئے بھیجا گیا تھا۔

اُس کا جوڑ جوڑ دکھنے لگا تھا اور تھکن بھی شباب پر تھی۔ وہ ملبوسات کی الماری کی طرف بڑھا کہ اب لباس تبدیل کر کے سو جائے۔ اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔

''ارے...... کیا مصیبت آ گئی ہے۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا دروازے کے قریب آیا اور چٹخنی گرا دی۔ دروازہ کھلا اور سامنے راگ محل کے دو ایسے آرٹسٹ کھڑے نظر آئے جن سے حمید کے تعلقات بہت اچھے تھے۔

''تمہیں راگ محل تک چلنا ہے۔'' ان میں سے ایک نے کہا۔

اس کا لہجہ اتنا خراب تھا کہ حمید کو غصہ آ گیا۔ اُس نے بگڑ کر کہا۔ ''ضروری نہیں ہے۔ اب میں سونا چاہتا ہوں۔''

لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس نے دیکھا کہ اُن کے کوٹوں کی جیبوں سے ریوالور کی نالیں جھانک رہی ہیں اور آنکھوں میں سفاکی اور درندگی تو پہلے ہی سے نظر آ رہی تھی۔

حمید نے چپ چاپ مڑ کر اپنی فلٹ ہیٹ اٹھائی۔ باہر نکل کر دروازے کو مقفل کیا اور اُن کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ ان دونوں کے بیچ میں تھا اور وہ اس سے لگے ہوئے چل رہے تھے۔ باہر سڑک پر ایک کار موجود تھی ایک نے حمید کو پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور دوسرا اسٹیئرنگ کے

سامنے جا بیٹھا۔ کار چل پڑی۔

حمید اپنی بائیں پسلی میں ریوالور کی نال کی چبھن محسوس کر رہا تھا۔ اُس نے کنکھیوں سے اپنے قریب بیٹھے ہوئے آرٹسٹ کو دیکھا پھر اسطرح نشست کی پشت گاہ سے ٹک گیا جیسے وہ کچھ مذاق ہی ہو۔ حمید انہیں یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ ذرہ برابر بھی خائف نہیں ہے۔

راگ محل میں اس وقت صرف تین لڑکیاں پیانو اور طبلے پر رقص کی مشق کر رہی تھیں۔ کچھ اس درجہ بوکھلایا ہوا تھا کہ نہ تو اسے پیانو کی آواز سنائی دی اور نہ وہ رقص کرتی ہوئی لڑکیاں ہی دکھائی دیں۔

حمید کو سیکریٹری کے آفس میں دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا لیکن یہاں بیٹھی ہوئی عورت پر اس کی نظر فوراً پڑ گئی۔ یہ سرلا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ سیکریٹری کے علاوہ ایک آدمی اور بھی تھا جس کے چہرے پر سرخ رنگ کی داڑھی تھی اور آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک۔ حمید نے اس پہلے پہل دیکھا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" سیکریٹری نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

حمید نہ جانے کیوں یہاں پہنچ کر مطمئن ہوگیا تھا۔ اُس نے چاروں طرف اچٹتی ہوئی نظر ڈالی اور پھر جواب طلب نظروں سے سیکریٹری کی طرف دیکھنے لگا۔

"وہ پیکٹ کہاں ہے؟" سیکریٹری نے گرج کر پوچھا۔

"یہ کہو کہ اب تمہاری نیت میں فتور آ گیا ہے۔" حمید نے بھی بالکل اُسی کے سے انداز میں جواب دیا۔

"کیا مطلب......؟"

"یہی کہ تم وعدہ کے مطابق مجھے پانچ سو روپے نہیں دینا چاہتے۔"

"کیا تم نے اُسے ریگل لاج تک پہنچا دیا تھا۔"

"نہیں وہ راستے ہی سے خود بخود ریگل لاج تک جا پہنچا۔"

سیکریٹری اُسے چند لمحے گھورتا رہا پھر بولا۔ "سنجیدگی سے گفتگو کرو، ورنہ ہوسکتا ہے یہیں تمہاری لاش پھڑکنے لگے۔"

"مجھے لاشوں سے خوف نہیں معلوم ہوتا اور میں بالکل سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔"

"جو کچھ بھی کرنا ہے جلدی کیجئے۔" سرلا نے منیجر سے کہا۔

"یہ مجھ سے عشق نہیں کریں گی محترمہ۔" حمید اُسے آنکھ مار کر بولا اور سرلا بوکھلا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"تم زیادہ بکواس نہ کرو۔ پیکٹ واپس کر دو۔"

"اگر وہ میرے پاس ہو تو ضرور واپس لے لو۔"

"کس کے پاس ہے۔"

"اوہ مسٹر سیکریٹری۔" حمید کا لہجہ دفعتاً نرم ہوگیا۔ "کیا ممکن نہیں ہے کہ اُس آدمی نے ابھی راستے ہی میں مجھ سے وہ پیکٹ لے لیا ہو۔"

"میں احمق نہیں ہوں۔" منیجر غرایا۔

"اگر میں تمہیں احمق سمجھتا ہوں تو مجھے یقیناً گولی مار دو......!"

"تم نہیں بتاؤ گے۔"

"کیا تمہارے آدمی اندھے تھے جن کی نگرانی میں مجھے ریگل لاج بھیجا گیا تھا۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا تھا۔ کیا انہوں نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ میں نے کس طرح اُس غول بیابانی سے اپنی جان بچائی تھی۔ آخر کوئی دوسرا وہ پیکٹ چھیننے ہی کیوں لگا۔ بظاہر وہ بسکٹوں کا پیکٹ تھا۔"

"لیکن حقیقتاً کیا تھا۔" منیجر نے سوال کیا۔

"میں کیا جانوں...... میں نے اُسے کھول کر دیکھا نہیں تھا۔ کیا نگرانی کرنے والوں نے تمہیں نہیں بتایا۔"

"اچھا دوست تم بھی کیا یاد کرو گے۔" سیکریٹری نے بڑبڑا کر سرخ داڑھی والے کی طرف دیکھا اور سرخ داڑھی والے نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی۔

"سرلا......!" سیکریٹری نے سرلا سے کہا۔ "تم باہر جاؤ...... تم نے آج تک کسی کو قتل ہوتے نہ دیکھا ہوگا۔"

"پہلے پیکٹ کا سراغ ملنا چاہئے۔" سرلا بولی۔ "قتل کرنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ اگر وہ غلط

ہاتھوں میں پہنچ گیا تو۔"

"تم جاؤ تو......!"

حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا لیکن اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سیکریٹری شام ہی کو میز کی دراز سے ایک ریوالور نکالا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اب بھی وہیں موجود ہو۔

دفعتاً کسی نے دروازے کو دھکا دیا۔

"کون ہے؟" سیکریٹری نے غصیلی آواز میں کہا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں دروازہ کھل گیا۔ سامنے راگی کھڑا تھا۔ وہ کمرے میں چلا

"مسٹر راگی۔" سیکریٹری نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے افسوس ہے اس وقت ہم ایک پرائیویٹ موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں۔"

"اوہ اچھا! میں جا رہا ہوں۔" راگی دروازے کی طرف مڑا۔

"ٹھہریئے مسٹر راگی۔" حمید نے بلند آواز میں کہا۔ "بھلا مجھے ان کے پرائیویٹ موضوعات سے کیا سروکار ہو سکتا ہے۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔"

"تو پھر چلئے۔" راگی نے اس کی طرف مڑ کر کہا۔

"نہیں مسٹر راگی آپ جایئے۔" سیکریٹری جھنجھلا کر بولا۔ "میں ان حضرت کی اصلیت سے واقف ہو گیا ہوں۔"

"اوہو! تو آپ بھی واقف ہو گئے ہیں۔" راگی نے حیرت سے کہا۔

"ارے مسٹر راگی تو کیا آپ جان بوجھ کر ایک مفرور قاتل کو آرٹسٹ بنا لائے تھے" سیکریٹری شکایت آمیز لہجے میں بولا۔

"مفرور قاتل...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" راگی نے پھر حیرت کا اظہار کیا۔ "ارے یہ تو شہر کا سب سے بڑا عورت خور کیپٹن حمید ہے۔"

"کیا......؟" سیکریٹری اچھل پڑا۔ سرخ داڑھی والا بھی کھڑا ہو گیا تھا۔ سرلا کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں حمید نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی لیکن راگی نے اُسے اس طرح اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا جیسے کسی شریر بچے کو دوڑتے میں پکڑ لے۔

"آپ کہاں چلے حمید صاحب۔" اُس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "آپ یہاں بھیس بدل کر عیاشی کرنے آئے تھے لیکن یہ کلا مندر ہے۔ آوارہ پریوں کا اکھاڑہ نہیں۔ آپ کی شامت ہی آپ کو یہاں لے آئی تھی۔"

دفعتاً سرخ داڑھی والا خنجر کھینچ کر اُس کی طرف جھپٹا۔ لیکن قریب پہنچنے سے پہلے ہی راگی کی لات اُس کے پیٹ پر پڑی اور وہ خنجر پھینک کر دوہرا ہو گیا۔

سیکریٹری میز کی دراز سے ریوالور نکال چکا تھا۔ وہ اُس کا رخ اُن دونوں کی طرف کرتا ہوا بولا۔ "تو مسٹر راگی تم لازمی طور پر کرنل فریدی ہو۔"

"اب آپ کو شاید خواب آ رہے ہیں۔" راگی مسکرا کر بولا۔ "میں تو اس عورت خور کو اچھا سبق دینا چاہتا تھا۔ اسی لئے اب تک خاموش اور موقعے کا منتظر تھا لیکن اگر آپ مجھے فریدی سمجھنے پر مصر ہیں تو چلئے یہی سہی۔ میں چھ ماہ سے آپ کے کلا مندر کی سیوا کر رہا ہوں۔"

سیکریٹری پے در پے ریوالور کا ٹریگر دباتا ہی چلا گیا۔ کھٹ کھٹ کی آواز کے علاوہ اور کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ ریوالور خالی تھا۔

راگی یا فریدی نے پُرزور قہقہہ لگایا۔ اب اُس نے حمید کو چھوڑ دیا تھا۔

"جہاں فریدی ہو، وہاں بغیر لائسنس کے ریوالوروں کا دم نکل جاتا ہے۔ مسٹر سیکریٹری۔ یہ حمید کے جانے کے بعد سرِ شام ہی خالی کر دیا گیا تھا۔"

سرخ داڑھی والا جو اب بھی پیٹ پکڑے زمین پر بیٹھا ہوا تھا اپنی دانست میں ان دونوں سے نظر بچا کر خنجر کی طرف ہاتھ بڑھانے لگا۔ اُدھر اُس کا ہاتھ خنجر کے دستے پر پڑا اور ادھر فریدی کا پیر اس کے ہاتھ پر پہنچ گیا۔ سرخ داڑھی والا ایک بار پھر درد کی شدت سے چیخا لیکن اگر اس دوران میں فریدی بڑی پھرتی سے جھک نہ گیا ہوتا تو سیکریٹری کے پھینکے ہوئے ریوالور کا اس کے سر پر جا پڑنا لازمی تھا۔ سرلا ایک کنارے کھڑی بُری طرح کانپ رہی تھی۔

"حمید تم دروازے پر ٹھہرو۔" فریدی نے کہا۔ "سنا ہے سیکریٹری صاحب کو اپنی طاقت پر بہت ناز ہے۔ مجھے د ہے کہ یہ پی سنگ کی ہڈیاں کتنی دیر میں توڑ سکتے ہیں۔"

"پی سنگ...... کہاں ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"اس کی عینک اتار دو اور داڑھی نوچ ڈالو۔ پی سنگ کا دیدار نصیب ہو جائے گا۔"

سکریٹری گھونسا تان کر فریدی کی طرف جھپٹا لیکن فریدی جیب سے ریوالور نکالتا ہوا بولا۔

"جہاں ہو وہیں ٹھہرو! میں آج لڑنے بھڑنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

پھر حمید سے کہا۔ "دروازہ بند کر دو۔ یہ تو میرے اصول کے خلاف ہے کہ کوئی مجرم پٹے چھوٹے بغیر شریف آدمیوں کی طرح حوالات میں چلا جائے۔"

حمید نے جھپٹ کر دروازہ بند کر دیا۔ وہ اب پہلے سے بھی زیادہ پھرتیلا نظر آنے لگا تھا۔

"ہاں تو سکریٹری صاحب آپ بہت طاقتور ہیں...... اوہو! آپ مطمئن رہئے اس وقت راگ محل میں ہم چاروں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ میں آپ کے آدمیوں کو پیار سے یہاں سے باہر ہانک چکا ہوں۔ وہ کسی سڑے سے بار میں اس وقت شراب پی رہے ہوں گے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا سکریٹری صاحب کہ آپ بہت طاقتور ہیں لہٰذا سرلا کے بال پکڑ کر اُسے زمین سے اٹھا لیجئے۔"

سکریٹری بدستور اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

"چلئے! چلئے! ورنہ میرے ریوالور کی گولی کم از کم آپ کی ران کی ہڈی ضرور توڑ دے گی اور ابھی آپ کو پی سنگ پر بھی قوت آزمائی کرنی پڑے گی۔ گو کہ آپ اُس کے ایک ادنیٰ ملازم ہیں۔ سرلا ہی وہ مجرمہ ہے جس کی وجہ سے لڑکیوں میں پاگل پن کی وباء پھیلی ہے۔"

"نہیں...... نہیں۔" سرلا خوفزدہ آواز میں چیخی۔

"اوہو...... کیا تم نے ڈاکٹر زیدی کے اُس عرق کا فارمولا نہیں چرایا تھا جو وہ قوت حافظہ کے لئے تیار کر رہے تھے۔"

سرلا کچھ نہ بولی۔ چپ چاپ کھڑی کانپتی رہی۔ فریدی نے سکریٹری سے کہا "کہاں ہے وہ عرق اسے نکالو نا۔ تم بھی پیئو اور پی سنگ کو بھی پلاؤ۔ ظاہر ہے تم دونوں کو بھی مجھ پر غصہ آ ہی رہا ہوگا۔ اُسے پی کر تم یہ بھی بھول جاؤ گے کہ میرے ہاتھ میں ریوالور ہے۔ پھر اپنا کام نہایت آسانی سے انجام دے سکو گے۔"

"یہ سب بکواس ہے۔" پی سنگ نے چیخ کر کہا۔ "تم خواہ مخواہ ہمیں پھانسنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"بیٹے پی سنگ...... میں ایک سال سے تمہارے چکر میں ہوں۔ اگر اس میں نہیں تو کسی دوسرے معاملے میں پھنس جاؤ گے۔ تم نے قتل کرائے ہیں اور اب اس عرق کے ذریعہ شہر کو جہنم بنا رہے ہو۔ لڑکیوں کو اس کی لت پڑ گئی ہے۔ وہ اپنے گھروں سے بڑی بڑی رقمیں غائب کر کے اسے خریدتی ہیں، اسی لئے یہ وباء غریب گھرانوں کی لڑکیوں میں نہیں پھیل سکی۔

"سب جھوٹ ہے! بکواس ہے۔ پتہ نہیں کیا کہہ رہے ہو۔ تم میرے پرانے دشمنوں میں سے ہو۔"

"میں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں اُسے عدالت میں ثابت کرنے کے لئے میرے پاس بے شمار ثبوت ہیں۔ ڈاکٹر زیدی نے حقیقتاً یہ عرق طالب علموں ہی کے لئے بنانے کی کوشش کی تھی۔ اسے پی کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ذہن پر جلا ہوگئی اور پھر یادداشت حیرت انگیز طور پر ذہن کے تاریک گوشوں کو کریدنے لگتی ہے۔ مگر اس میں دو خامیاں رہ گئی تھیں۔ ایک تو یہ کہ یہ شراب سے زیادہ نشہ آور ہوگیا تھا اور دوسری یہ کہ اگر اس کے نشے کی حالت میں آدمی کو غصہ آجائے تو وہ کتوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے، ڈاکٹر زیدی کو دوسری خامی کا علم نہیں تھا۔ یہ سو فیصدی میری دریافت ہے۔ تم یوں بھی غیر قانونی طور پر شراب کشید کرتے رہے ہو۔ سرلا تم سے ملی اور نئے بیوپار کے متعلق مشورہ لیا۔ تم اس پر روپیہ لگانے کے لئے تیار ہوگئے۔ سرلا تمہارے لئے عرق کشید کرتی رہی اور تم اسے اپنے چند خوبصورت ایجنٹوں کے ذریعہ مالدار گھرانوں کی لڑکیوں میں کھپاتے رہے۔ وہ شروع میں اپنی قوت حافظہ بڑھانے کے لئے اُسے استعمال کرتی رہیں۔ پھر آہستہ آہستہ اس بُری طرح اس کی عادی ہوگئیں کہ انہیں ہر وقت نشے کی ضرورت محسوس ہونے لگی اور اب تم دونوں ہاتھوں سے روپیہ بٹور رہے ہو۔ تمہارے ایجنٹ ان لڑکیوں کو دھمکی دیتے ہیں کہ وہ عرق کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتائیں ورنہ پھر انہیں اس کی ایک بوند بھی نہ مل سکے گی۔ لہٰذا وہ اصلاح خانوں کی قید برداشت کر لیتی ہیں مگر اس عرق کی ہوا تک نہیں لگنے دیتیں، چونکہ وہ ہر وقت اس کے نشے میں رہنا چاہتی ہیں لہٰذا جب کبھی بھی نشے کی حالت میں انہیں غصہ آجاتا ہے تو وہ جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتی ہیں۔ سرلا خود بھی اس نشے کی عادی ہے اور اس کے نشے اور غصے نے ہماری توجہ راگ محل کی طرف مبذول کرائی تھی۔ ورنہ ویسے بھی یہاں میں چھ ماہ سے راگی آرٹسٹ کی حیثیت سے کام کر رہا ہوں لیکن وہ دوسرا چکر تھا۔ میں

دیکھنا چاہتا تھا کہ یہاں پی سنگ کی سرپرستی میں کیا ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اب یہ اس حرکت کو "پیش بینی" کا نام دے دوں...... خیر ختم کرو۔ مگر نہیں آج کا لطیفہ بھی سن حمید یہاں اس شکل میں اس لئے لایا گیا تھا کہ تم اس سے کسی قسم کا کام لو۔ تم لوگوں کی حرکت سے میں پہلے واقف تھا کہ تم قانون سے بھاگے ہوئے مجرموں کو سہارا دے کر ان مختلف قسم کے کام لیتے ہو۔ ادھر چونکہ تمہارے دلوں میں یہ شبہ پیدا ہوگیا تھا کہ میں تمہارے سارے آدمیوں سے واقف ہوں اس لئے تم نے اس تقسیم کاری کے لئے راگ محل کو منتخب ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں تقسیم کرنے والے ایسے آدمیوں کی ضرورت بھی درپیش ہوگی جو بالکل نئے ہوں اور جن پر میری نظر بھی نہ ہو۔ تم نے اپنے پرانے دستور کے مطابق حمید کو کوئی مفرور مجرم سمجھ کر پھانسنے کی کوشش کی۔ میں یہی چاہتا تھا۔ نہیں پی سنگ تم چپ چاپ کھڑے رہو گے۔ ہاں اور وہ جلوس جس کے نرغے میں آ کر حمید نے پیکٹ کھویا تھا میرا ترتیب دیا ہوا تھا۔ مگر حمید کے فرشتوں کو بھی اس کی خبر نہ تھی ورنہ اتنی شاندار ایکٹنگ نہ کرسکتا۔"

"کیا......!" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔ "حمید کا شاندار جنازہ کیسا رہے گا۔"

"جلوس ہی کی وجہ سے تم بچ گئے بیٹے...... ورنہ بیک وقت آٹھ گولیاں تمہارے جسم چھلنی کردیتیں۔" فریدی مسکرا کر بولا اور پھر اُس نے سکریٹری سے کہا۔ "میرے پاس وقت ہے۔ سرلا کو بال پکڑ کر زمین سے اٹھاؤ...... چلو......!" ساتھ ہی اُس نے فائر بھی کردیا۔ گولی اس کی بائیں ران کو چھوتی ہوئی گذر گئی۔ سکریٹری اچھل کر ایک طرف ہٹا اور کرسی سے ٹکرا کر فرش پر ڈھیر ہوگیا۔ وہ پاگلوں کی طرح اپنی ران ٹٹول رہا تھا۔ پھر وہ بوکھلا کر کھڑا ہوگیا اور تحاشہ سرلا کی طرف جھپٹا۔ دوسرے ہی لمحے میں سرلا زمین سے ایک فٹ کی اونچائی پر جھولتی ہوئی ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔

"واقعی تم کافی طاقتور ہو۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ مگر حمید کو فریدی کی اس حرکت پر بڑا غصہ آیا۔ وہ کسی خوبصورت عورت کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا اسلئے وہ سکریٹری کیطرف بڑھا۔

"کہاں چلے؟ چپ چاپ اپنی جگہ کھڑے رہو ورنہ میں تمہیں بھی......!"

حمید جھلا کر پلٹا لیکن فریدی کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اُس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے

تنی درندگی اور سفاکی تھی اس کے چہرے پر!

"اس کی وجہ سے شہر کی تقریباً چار سو لڑکیاں برباد ہوئی ہیں۔" فریدی غرایا۔ "ہر طرح برباد ہوئی ہیں، پی سنگ کے ایجنٹ انہیں اپنی مائیں یا بہنیں نہیں سمجھتے تھے۔ وہ سب طالبات ہیں۔ ان کا مستقبل تاریکیوں میں جا سویا۔ وہ اس لئے برباد ہوئیں کہ اپنی قوت حافظہ پر جلا کرنا چاہتی تھیں۔ یہ مقصد پھر نشے کی عادت میں کھو گیا۔ حمید پیچھے ہٹ آؤ...... میرا بس چلے تو میں اس عورت کو کتوں سے نچوا ڈالوں۔"

سرلا چیختے چیختے مضمحل ہوگئی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسکے حواس جواب دے رہے ہوں۔

"اسے نیچے ڈال دو۔" فریدی نے سکریٹری کو حکم دیا۔ "اور اب پی سنگ کو اتنا پیٹو کہ وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو جائے۔"

"نن...... نہیں۔" سکریٹری ہانپتا ہوا بولا۔

"میں تمہارے خلاف کوئی قتل نہیں ثابت کرسکوں گا کہ تمہیں پھانسی ہی ہو جائے۔" فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔ "لیکن میرے ریوالور کی گولی تمہیں موت سے ضرور ہمکنار کرسکتی ہے۔ میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ پی سنگ جیسے مجرموں کو پکڑنے کے سلسلے میں ایک نہیں اگر دس آدمیوں کی جانیں بھی تلف ہو جائیں تو محافظوں کو خوشی ہی ہوگی...... کیا سمجھے۔"

سکریٹری چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر پی سنگ پر ٹوٹ پڑا۔ پی سنگ کے منہ سے گالیوں کا طوفان امنڈ پڑا۔ ایک بار پھر حمید کی نظروں کے نیچے ویسا ہی ڈرامہ شروع ہوگیا جیسا کچھ دن پہلے وہ ایک ویرانے میں دیکھ چکا تھا۔ دونوں ایک دوسرے پر حملے کر رہے تھے اور ان کے انداز میں وحشت تھی۔ وہ دو اجنبی کتوں کی طرح غرا غرا کر ایک دوسرے پر جھپٹ رہے تھے اور حمید پاگل ہوا جا رہا تھا۔ آخر فریدی کو ہو کیا گیا ہے۔ اس نے یہ کون سا طریقہ ایجاد کیا ہے۔

اچانک ان دونوں کے شور میں فریدی کی آواز ابھری۔ "تم دونوں اس وقت اُن لڑکیوں سے بھی بدتر نظر آ رہے ہو جو تمہارے نشیلے عرق کا شکار ہو کر جانوروں کی طرح بے عقل ہو جاتی ہیں...... مارو ایک دوسرے کو۔ اچھی طرح توڑو، اگر کسی کے بھی ہاتھ سست ہوئے تو وہ موت کی گود میں جا سوئے گا۔"

وہ دونوں ایک دوسرے کو نوچتے اور بھنبھوڑتے رہے۔ پی سنگ کو غالباً اس بات پ
کہ اُس کا ایک ملازم اُسے پیٹ رہا ہے اور سیکریٹری؟ اسے موت کا بھی خوف تھا اور پ
غصہ بھی کیونکہ وہ انتہائی زیرک ہونے کے باوجود بھی فریدی کے جال میں پھنس گیا تھا۔

یہ جنگ تقریباً ایک گھنٹے تک جاری رہی۔ حمید پر اکتاہٹ طاری تھی۔ سرلا ہوش
آ گئی تھی اور اب ایک کونے میں منہ ڈالے ہوئے کسی سردی کھائے ہوئے بکری کے
طرح کانپ رہی تھی۔

پھر دونوں تھک کر گر گئے۔ وہ سر سے پیر تک خون میں نہائے ہوئے تھے۔

کمرے کا سناٹا بڑا بھیانک تھا۔ حمید کو ہزارہا سال پہلے کا آدمی یاد آ رہا تھا۔ وح
جانوروں کی سی حس رکھنے والا۔ اُس نے فریدی کی طرف دیکھا اور کانپ گیا۔ سرلا پھر بیہوش
تھی۔ دوسری صبح پی سنگ کے سارے اڈوں پر چھاپے مارے گئے۔ اُس عرق کی بہت بڑی
برآمد ہوئی۔ اس کے علاوہ لاتعداد غیر قانونی طور پر مہیا کی ہوئی چیزیں۔ ڈاکٹر زیدی نے اُس
کا تجربہ کر کے بتایا کہ وہ سو فیصدی وہی عرق تھا جس کا فارمولا سرلا نے اس کی لیبارٹری سے
تھا۔ پھر فریدی نے اس عرق کا تجربہ خود اپنے اوپر کیا اور اپنی باضابطہ رپورٹ میں اس کا ت
کرتے ہوئے لکھا۔ ”اگر اس کے نشے کی حالت میں غصہ آ جائے تو پھر آدمی کو ہوش نہیں رہتا
کیا کر رہا ہے۔ یہ کیفیت صرف تھوڑی دیر تک رہتی ہے یا ہو سکتا ہے کہ اس مدت کا انحصار آدمی
مزاج اور اس کی جسمانی قوت پر ہو۔ کمزور آدمیوں کو جلد ہی غصہ آتا ہے اور جلد ہی رفع بھی ہو
ہے۔ طاقتور دونوں ہی صورتوں میں زیادہ وقت لیتے ہیں۔ بہرحال غصے کی کیفیت رفع ہونے
بعد نشے کے اثرات بھی زائل ہو جاتے ہیں اور نشے سے پہلے کی سی کیفیت لوٹ آتی ہے۔“

حمید کو اس کیس میں صرف دو ہی واقعات زیادہ اہم معلوم ہوئے تھے اور وہ دون
واقعات وہی تھے جن میں فریدی نے آدمیوں کو کتوں کی طرح لڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ حمید
اس کی وجہ بہت پوچھی لیکن ہر بار فریدی کا یہی جواب ہوتا۔ ”میں تفریح کے موڈ میں تھا۔“

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 55

سائے کی لاش

(مکمل ناول)

پبلشرس

ابن صفی نے ''سائے کی لاش'' میں ایک بار پھر ثابت کر دیا ہے کہ وہ نئی راہیں پیدا کرنے کے عادی ہیں۔ ایک ہی راستہ پر چلنا اس کا شیوہ نہیں ان کے قلم کی عظمتوں کی کہانی آج کے اردو ادب کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ وہ مزاح اور تحیر اور حیرت انگیز واقعات کا جو حسین امتزاج پیش کرتے ہیں..... اپنی جگہ پر خود ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کہانی میں ٹڈونگا اور لیڈی تنویر کے کردار نفسیات کے طالب علموں کے لئے ایک درس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اتنی کردار نگاری صرف عظیم ابن صفی کا حصہ ہے۔ گرانڈیل احمق قاسم اور حمید کی شرارتیں اس بار عروج پر ملیں گی اور آپ قہقہہ لگانے پر مجبور ہوں گے۔

پبلشرز

پُراسرار عورت

اس بار بہت زور سے بجلی کڑکی اور گھوڑا گرتے گرتے بچا۔ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ہوا کا زور..... رات کا اندھیرا۔

وہ ایک طوفانی رات تھی مگر شاید گھوڑا بھی طوفان سے کم نہیں تھا۔ وہ اپنے سوار کو اس طرح اڑائے جا رہا تھا جیسے وہ بھی اس ہنگامہ خیز رات کا ایک جزو ہو۔ بیس میل کی مسافت طے کرنے کے بعد بھی اس کے پیر سست نہیں ہوئے تھے۔ اندھیرے میں اس طرح فراٹے بھرنے سے تو یہی معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس کا جانا پہچانا راستہ ہے، سوار کی حالت البتہ ابتر تھی۔ وہ گھوڑے کی گردن سے لپٹا ہوا تھا، اُسے ہوش ہی نہیں تھا کہ لگام کب اور کیسے اُس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ لگام کہیں گر ہی گئی ہوگی، ورنہ کہیں نہ کہیں گھوڑا اس سے الجھ کر گرا ضرور ہوتا۔

یہی غنیمت تھا کہ سڑک زمین کی سطح سے کافی اونچی تھی اور اس پر پانی نہیں اکٹھا ہوا تھا، ورنہ وہ اس رفتار سے دوڑ بھی نہ سکتا۔

سڑک کے دونوں طرف جنگلوں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ کبھی کبھی بجلی کی چمک ایک لحظہ کے لئے انہیں چونکا دیتی اور پھر وہ اسی گھنے اندھیرے اور بارش کے شور میں کھو جاتے۔

گھوڑے کی ٹاپوں کی "تڑاک.....تڑاک" بارش کے شور کے باوجود بھی دور ہی سے سنی جا رہی تھی۔

گھوڑا دوڑتا رہا۔ بادل چنگھاڑتے رہے اور ہوا کی شائیں شائیں بارش کے شور کو زیادہ بھیانک بناتی رہی۔

سوار کو ہوش نہیں کہ گھوڑا کب شہر کی حدود میں داخل ہوا۔ بارش کا ہیجان اب کچھ کم ہو گیا تھا لیکن گھوڑے کی رفتار میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی کیونکہ سڑکیں سنسان پڑی ہوئی تھیں ویسے ابھی اتنی رات نہیں گئی تھی کہ سڑکیں ویران ہو جاتیں۔

بارش اور ہوا کے زور نے بجلی کے تاروں کو جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ نتیجے کے طور پر شہر کے بعض حصے بالکل ہی تاریک ہو گئے تھے۔

گھوڑا اب جس حصے سے گذر رہا تھا وہاں زیادہ تر متمول لوگ آباد تھے، وہ ایک عمارت کی کمپاؤنڈ کے پھاٹک میں گھس پڑا۔ اب اس کی رفتار سست ہو گئی تھی، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اب وہ گر ہی پڑے گا۔ پورٹیکو میں پہنچ کر وہ شاید اپنی پوری قوت سے ہنہنایا اور اس کے حلق سے کربناک آوازیں نکلتی رہیں۔

اچانک تاریک برآمدے میں بہت سے قدموں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ کئی ٹارچیں روشن ہوئیں اور کسی عورت کی چیخ سنائی دی۔ "میرا بچہ۔"

سوار ابھی تک گھوڑے کی گردن ہی سے لپٹا ہوا تھا۔ چار آدمیوں نے اسے اتارا اور گھوڑے نے زمین پر بیٹھ کر اپنی گردن ایک طرف ڈال دی۔

عورت سسکیاں لے رہی تھی۔ کیونکہ اس نے بیہوش نوجوان کا خون میں بھیگا ہوا شانہ دیکھ لیا تھا۔

اُسے ایک کمرے میں لے جا کر مسہری پر ڈال دیا گیا۔ یہ چاروں آدمی خوش پوش اور مہذب تھے۔ انہیں گھر کے ملازموں میں سے نہیں سمجھا جا سکتا تھا، لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سب اس عورت کا احترام کرتے ہوں۔ عورت دراز قد اور بھرے ہوئے جسم کی تھی۔ پینتالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ چہرہ اس عمر میں بھی پرکشش تھا، لیکن اس پر ازلی

خود پسندی کی ساری علامتیں موجود تھیں۔ پتلے پتلے بھنچے ہوئے ہونٹ، بھاری جبڑے، چمکیلی اور بے چین آنکھیں جن میں اس وقت آنسو تھے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُن سے کوئی غیر فطری فعل سرزد ہو رہا ہو۔ یعنی آنسو ہونے کے باوجود بھی وہ روتی ہوئی سی نہیں معلوم ہو رہی تھی۔

اُن میں سے ایک آدمی نے نوجوان کا زخمی شانہ کھول دیا تھا اور زخم کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے سر اٹھا کر سسکتی ہوئی عورت سے کہا۔

"محترمہ تنویر..... یہ کسی جانور کے دانتوں کے نشانات ہیں۔"

"اوہ.....!" عورت نے جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے اور خود بھی جھک کر خون بھرے ہوئے حصے کو دیکھنے لگی۔

"ہاں یہ دانتوں ہی کے نشانات ہو سکتے ہیں۔" اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔

نوجوان کے جسم کا اوپری حصہ برہنہ کر دیا گیا تھا۔

"آپ باہر تشریف لے جائیے، تاکہ بھیگے ہوئے کپڑے اتار سکیں۔" ایک آدمی نے عورت سے کہا اور وہ کمرے سے چلی گئی۔

وہ اس کے بھیگے ہوئے کپڑے اتار کر اُسے ایک خشک چادر سے لپیٹنے لگے۔

"کسی جنگلی درندے کے دانت۔" ایک بڑبڑایا۔

"نہیں! میرا خیال ہے کہ یہ کسی جنگلی درندے کے دانت نہیں ہیں، ورنہ شانے کی ہڈی محفوظ نہ رہتی۔ ہاں بھیڑیئے کے امکانات ہو سکتے ہیں، مگر اپنی طرف کے بھیڑیئے اتنے خطرناک نہیں ہوتے کہ بڑی عمر کے آدمیوں پر اس طرح حملہ کر بیٹھیں۔ ریچھ کے متعلق سوچا بھی نہیں جا سکتا کیونکہ بقیہ جسم بے داغ پڑا ہوا ہے۔ اس کے ناخنوں کی ڈالی ہوئی خراشیں کافی گہری ہوتی ہیں اور حملے کے وقت وہ اپنے بڑے بڑے ناخن ضرور استعمال کرتا ہے۔ دوسرے وحشی درندوں میں تیندوا سب سے زیادہ ہلکا جانور ہے، لیکن اُسکے جبڑوں کی گرفت بھی ہڈیاں توڑ دیتی ہے۔"

"پھر.....!" ایک آدمی نے سوال کیا۔

"یہ تو حضرت ہوش میں آنے کے بعد بتا سکیں گے۔ کسی کا کہنا ماننا تو جانتے ہی نہیں، جو

دھن سوار ہوئی تو ہوئی۔ اس موسم میں انہیں شکار سے باز رہنے کو کہا گیا۔ پتہ نہیں رائفل کہاں چھوڑی، نوکروں اور خیمے کا کیا حشر ہوا۔"

"محترمہ تنویر بہت پریشان ہیں۔"

"لیکن.....!" ایک آدمی نے آہستہ سے کہا۔ "کیا اُنکے چہرے پر پریشانی کے آثار ہیں۔"

"نہیں! وہ اپنے سینے میں فولاد کا دل رکھتی ہیں۔" ایک آدمی نے درشت لہجے میں کہا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے اُسے وہ سوال ناگوار گزرا ہو۔ یہ ایک معمر مگر تندرست آدمی تھا۔

وہ پھر بیہوش نوجوان کی طرف متوجہ ہوگیا۔ یہ ایک کافی قبول صورت نوجوان تھا۔ عمر بائیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ چہرے پر صحت مندی کے آثار تھے اور جسم گٹھیلا تھا۔ جسمانی بناوٹ یہی کہتی تھی کہ وہ ورزشوں کا عادی ہے۔

"اوہو.....!" ایک آدمی نے کہا۔ "ہم کیا کررہے ہیں۔ ڈاکٹر کو فون کرنا چاہئے۔"

اچانک قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ چونک پڑے۔ تنویر کمرے میں داخل ہورہی تھی۔

"نہیں اب آپ لوگ تکلیف نہ کریں۔ میں خود ہی دیکھ لوں گی۔ آپ اپنے کمروں میں جاسکتے ہیں۔" اس نے کہا۔

وہ چاروں چپ چاپ باہر نکل گئے۔ اُن کے کمروں میں جانے کا یہ مطلب تھا کہ اب تنویر کی اجازت حاصل کئے بغیر رات بھر کمروں سے باہر نہ نکل سکیں گے۔ ان کے لئے اس عجیب وغریب عورت کی طرف سے یہی حکم تھا۔

تنویر چند لمحے اپنے بیہوش اکلوتے بیٹے کی طرف دیکھتی رہی پھر کمرے سے نکل گئی۔ اُس نے شاید اُن چاروں کی ساری گفتگو سن لی تھی۔

وہ متعدد کمروں سے گذرتی ہوئی ایک نیم تاریک کمرے میں آئی۔ یہاں کے بلب پر کچھ اس قسم کا شیڈ لگایا گیا تھا کہ روشنی ایک محدود دائرے میں تھی۔ جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئی ایک تاریک گوشے سے عجیب طرح کی آوازیں آنے لگیں۔ سیٹیاں..... سسکاریاں اور ایسی آوازیں، جو کسی آدمی کے بند ہوتے ہوئے حلق سے نکل رہی ہوں۔

تنویر اس تاریک گوشے کی طرف بڑھی۔ آوازیں پہلے سے بھی زیادہ تیز ہوگئیں، تنویر نے دیوار سے لٹکا ہوا چمڑے کا ایک بڑا سا چابک اتارا اور اُسے تاریک گوشے کی طرف گھمانے لگی۔ "شائیں.....شائیں.....شائیں.....شائیں۔"

آوازیں آنی بند ہوگئیں اور کمرے میں پھر پہلے ہی کا سا سکوت طاری ہوگیا۔

"مُدونگا.....!" تنویر کی آواز کمرے میں گونجی۔ "میرے بچے کو کسی جنگلی درندے نے زخمی کردیا ہے۔"

"مرجانے دے۔" تاریک گوشے سے اس قسم کی آواز آئی جیسے ریلوے انجن نے اسٹیم چھوڑی ہو۔

جواب میں تنویر نے پھر اُسی گوشے کی طرف چابک گھمایا اور سناٹا چھا گیا۔

"سن مُدونگا.....!" تنویر نے پروقار آواز میں کہا۔ "تجھے بتانا پڑے گا کہ میرا بچہ کیسے زخمی ہوا ہے۔"

"نہیں بتاؤں گا.....نہیں بتاؤں گا۔" سیٹیاں اور سسکیاں پھر گونجیں۔

"تو مجھے اپنے پیر نہیں چاٹنے دیتی۔ میں نہیں بتاؤں گا۔"

تنویر نے پھر چابک گھمایا اور تاریک گوشے سے آواز آئی۔ "مار ڈال..... مجھے مار ڈال۔"

"تجھے بتانا پڑے گا۔" تنویر غرائی۔

"مُدونگا.....پیر چاٹے گا۔"

تنویر چند لمحے خاموش رہی۔ پھر اُس نے داہنے پیر سے سینڈل اتار کر اُسے تاریکی کی طرف بڑھا دیا۔ وہ خود روشنی میں تھی اور ایک پیر پر کھڑی ہوئی تھی۔

اس کے چہرے پر کچھ اس قسم کے آثار تھے جیسے وہ بڑی کراہیت محسوس کررہی ہو۔ اندھیرے سے عجیب قسم کی غراہٹ بلند ہورہی تھی اور ساتھ ہی "چپڑ چپڑ" کی آوازیں جیسے کتا پانی پی رہا ہو۔

"ختم کرو۔" تھوڑی دیر بعد تنویر نے جھنجھلا کر کہا اور اپنا پیر کھینچ لیا۔ پیر بھیگا ہوا تھا اس نے پیر دوبارہ سینڈل میں نہیں ڈالا اور ساری کو بھی اس طرح ٹخنوں کے اوپر اٹھائے رہی جیسے وہ پیر

کسی بہت ہی گندی چیز میں جا پڑا تھا۔

"شائیں.....!" اندھیرے میں پھر ایک بار چابک گھمایا گیا اور تنویر غرائی "مڈونگا..... باہر نکل۔"

"اندھیرا..... تنوی..... اندھیرا.....!" وہی سسکارتی ہوئی آواز اندھیرے سے آئی۔

تنویر نے آگے بڑھ کر سوئچ آف کر دیا۔ کمرے کا روشن حصہ بھی تاریک ہو گیا اور وہ وہاں سے چل پڑی۔ وہ جس کمرے سے بھی گذرتی اُس کا بلب بجھاتی جاتی۔

اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر اندھیرے میں کوئی چیز رینگ رہی تھی، جس کے حرکت کرنے سے ایک عجیب سی آواز پیدا ہوتی۔ "چٹ..... چٹ..... چٹ۔"

زخمی کے کمرے میں پہنچ کر اُس نے وہاں بھی اندھیرا کر دیا اور دروازے کے ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ "چٹ..... چٹ۔" کی آواز اس کمرے میں بھی داخل ہوئی لیکن ٹھیک اسی جگہ غائب بھی ہو گئی جہاں تنویر کھڑی تھی۔

"مڈونگا..... کیا تو میرے بچے کی بو محسوس کر رہا ہے۔" تنویر نے کہا۔

"ہاں..... کر رہا ہوں۔"

"دیکھ..... اُسے کیا ہوا ہے۔"

"چٹ چٹ۔" کی آواز پھر کمرے میں گونجنے لگی اور پھر چند ہی لمحوں میں وہی پہلے کا سناٹا طاری ہو گیا۔

شاید ایک منٹ بعد سسکاریاں اور سیٹیاں سنائی دینے لگیں۔

"تنویر.....!" اندھیرے سے آواز آئی۔ "کتا..... یہ کسی کتے کے دانت ہیں۔ تیرا بچہ مر جائے گا۔"

"کیا بکتا ہے.....!" تنویر چیخی۔

"ہاں مر جائے گا..... مگر مڈونگا اُسے بچا سکتا ہے۔ بچا سکتا ہے تنوی۔"

"بچا لے مڈونگا۔" تنویر گھگھیائی۔

"مگر میں روزانہ تیرے پیر چاٹوں گا۔"

"اچھا سؤر کے بچے۔"

"کتا زہریلا ہے..... میں رات بھر اس کے زخم چوسوں گا اور یہ صبح تجھے ٹھیک ملے گا۔ یہاں سے چلی جا۔"

"تو رات بھر یہاں اس کمرے میں نہیں رہ سکتا۔" تنویر نے کہا۔

"اچھا تو پھر میں اسے لے جا رہا ہوں۔"

"لیکن اگر اُسے ہوش آ گیا تو۔"

"میرے کمرے میں اندھیرا ہو گا تنوی۔ اگر اُسے ہوش آ گیا تو میں اسے باہر ڈال دوں گا۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر تنویر نے کہا۔

"اچھا..... تو یہی کر..... لیکن یاد رکھ اگر میرا بچہ مر گیا تو میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

جواب میں ایک عجیب سی آواز گونج کر رہ گئی۔ شاید یہ اُس پراسرار ہستی کا قہقہہ تھا۔ تنویر خاموش رہی۔ پھر "چٹ چٹ" کی آواز اس کے قریب سے گذر کر کمرے سے باہر جاتی معلوم ہوئی۔ جب آواز آنی بند ہو گئی تو تنویر نے سوئچ آن کر دیا۔

مسہری خالی تھی۔ تنویر نے تشویش آمیز نظروں سے چاروں طرف دیکھا اور ایک کرسی میں گر گئی۔ اس کے چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے۔

وہ ایک مضبوط دل کی عورت تھی۔ بعض لوگ تو اُسے سکندر تک کہہ بیٹھتے تھے لیکن اس کے چاروں مشیروں نے آج پہلے پہل اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے پہلی بار اُس کی سسکیاں سنی تھیں۔ اپنے شناساؤں میں وہ ایک پراسرار عورت سمجھی جاتی تھی۔ وہ پراسرار ہی سہی مگر وہ کوئی معمولی عورت نہیں تھی۔ اسکی کئی فیکٹریاں اور ملیں تھیں۔ شہر کی متمول ترین ہستیوں میں شمار ہوتا تھا۔

اُس کا حلقہ احباب محدود تھا۔ چند گنے چنے آدمی اکثر اس کی کوٹھی میں دیکھے جاتے۔ یہ بھی وہ لوگ تھے جنہوں نے زبردستی مادام تنویر سے تعارف حاصل کیا تھا، ورنہ وہ خود کسی سے کبھی نہیں ملتی تھی۔ وہ نہ صرف اپنے ملازموں بلکہ لڑکے کے لئے بھی انتہائی پراسرار تھی۔ اس کی کوٹھی کا ایک حصہ ایسا بھی تھا جہاں کوئی نہیں جانے پاتا تھا اور یہ حصہ وہی تھا جہاں کچھ دیر پہلے چابکوں کی شائیں شائیں گونجتی رہی تھی۔ تنویر کے علاوہ اور کسی کو بھی علم نہیں تھا کہ وہاں کیا ہے۔ ویسے باورچیوں کو روزانہ تقریباً دس سیر گوشت کے پارچے اس طرح انگاروں پر بھوننے پڑتے تھے کہ

بھن جانے کے بعد اُن سے خون ٹپکتا رہے یعنی آدھ کچے پارچے اور وہ سارے کا سارا گو
خود تنویر اٹھا کر عمارت کے اس حصے میں لے جایا کرتی تھی۔

اس کے علاوہ آج تک وہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکا تھا۔ اکثر اُس حصے کی طرف سے
عجیب وغریب آوازیں لوگ سنتے اور سہم جاتے مگر کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس حصے کا
معلوم کرنے کی کوشش کرتا۔ تنویر کا خوف اس طرح ان لوگوں پر غالب تھا۔

دوسروں پر حکومت کرنے والی تنویر کی یہ رات بڑی بے چینیوں میں گذری جا رہی تھی۔
وہ کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتی ..... کبھی بیٹھ جاتی۔ کبھی کھڑکی کے قریب جا کر کھڑی ہو جاتی
کمپاؤنڈ میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں اس طرح گھورنے لگتی جیسے اُسے کسی کی تلاش ہو۔

اچانک اُس کے کتوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا اور تنویر جھپٹ کر ایک الماری کے قریب
پہنچی۔ اُسے کھول کر ایک ریوالور نکالا۔ کمرے کی روشنی گل کر دینے کے بعد وہ پھر کھڑکی
قریب آ گئی۔ کتے بدستور بھونکے جا رہے تھے۔

آج یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ کتے روز ہی رات کو اسی طرح اچانک بھونکنے لگتے تھے لیکن
اس سے پہلے کبھی تنویر کو ریوالور نکالنے کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی۔

دو بج گئے تنویر ابھی تک جاگ رہی تھی وہ اپنے لڑکے عدنان کے لئے بہت پریشان تھی
ایک فکر مند ماں کی طرح بہتیری اچھی اور بُری باتیں سوچ رہی تھی۔

اچانک اُس نے عدنان کی چیخیں سنیں، روشنی لاؤ..... روشنی لاؤ..... میں کہاں ہوں
یہاں بہت اندھیرا ہے..... کیا میں اندھا ہو گیا ہوں۔"

آواز بڑی تیزی سے قریب آتی جا رہی تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں تنویر راہداری میں تھی
وہ دوڑتی ہوئی عمارت کے اُسی پراسرار حصے کی طرف جا رہی تھی جہاں اُس نے کسی پر چابک
برسائے تھے۔ تاریک راہداریاں منور ہوتی چلی گئیں۔ پھر اُسے عدنان نظر آیا۔ جو ایک دیوار
سہارا لئے لڑکھڑاتا ہوا چل رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

"عدنان.....!" تنویر چیخی اور عدنان نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ سیدھا کھڑا ہونے کی
کوشش کر رہا تھا۔ تنویر نے آگے بڑھ کر اُسے سہارا دیا۔

"تو میں گھر ہی میں ہوں۔" عدنان کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔
اچانک ایسا معلوم ہوا جیسے تنویر یکلخت بدل گئی ہو۔ اس نے پیشانی پر بل ڈال کر کہا۔

"میں تم سے بہت ناراض ہوں عدنان۔"

"نہیں! ممی ڈیئر! تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ میں واپس آ گیا۔ میرا گھوڑا کہاں ہے اور
میری رائفل۔"

"گھوڑا اصطبل میں ہو گا..... رائفل کے متعلق مجھے علم نہیں۔ میں نے تمہیں اس شکار سے
روکنے کی کوشش کی تھی۔"

"کیا تمہیں علم تھا ممی کہ مجھے یہ حادثہ پیش آئے گا" عدنان نے اُسے گھور کر پوچھا۔

"چلو..... اپنے کمرے میں چلو۔ تم کمزوری محسوس کر رہے ہو۔"

"میری بات کا جواب دو ممی..... کیا تمہیں علم تھا۔"

"شٹ اَپ....."

عدنان خاموش ہو گیا۔ لیکن اُس کے چہرے پر پائے جانے والے آثار یہی کہہ رہے تھے
کہ وہ اپنی ماں کی ڈکٹیٹر شپ پسند نہیں کرتا۔ وہ اُسے اُسی کمرے میں لائی جہاں کچھ دیر قبل خود
لائی تھی اور اُسے آرام کرسی میں دھکیلتی ہوئی بولی۔ "مجھے بتاؤ کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا۔"

"مجھے یاد نہیں..... اوہ ممی..... اب میں سونا چاہتا ہوں۔ اف فوہ..... کتنی جلن ہے میرے
سینے میں۔"

"تم مجھے بتائے بغیر نہیں سو سکو گے۔ مجھے تمہاری یہ خودسری بالکل پسند نہیں ہے۔"

"سونے کی خواہش کرنا خودسری نہیں ہے۔ تم اب تک کیوں نہیں سوئیں۔"

"میری بات کا جواب دو۔ تم بہت بدتمیز ہوتے جا رہے ہو۔"

"میں شاید موت کے منہ سے نکل کر آیا ہوں ممی!" عدنان نے خشک لہجے میں کہا۔

"ہاں میں جانتی ہوں..... مجھے اس کے متعلق بتاؤ"

"صبح بتاؤں گا..... اب مجھے سونے دو۔"

"تم بتائے بغیر نہیں سو سکتے۔ اگر مجھے تیسری بار بھی یہی دہرانا پڑا تو میں بہت بُری طرح

پیش آؤں گی۔ موت کے منہ میں جانا اور نکل آنا مردوں ہی کا کام ہے۔ اگر تم لڑکی ہوتے تو
کچھ پوچھے بغیر ہی تمہیں تھپک کر سلا دیتی۔''

''میں نہیں جانتا کہ ماں کی شفقت کس چڑیا کا نام ہے۔'' عدنان بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''تم حقیقتاً بہت بدتمیز ہوتے جا رہے ہو۔ میں تم سے کبھی نہ بولوں گی۔'' تنویر نے روٹھتے ہوئے کہا۔

''اوہو! ممی خفا ہوگئیں۔'' عدنان بے بسی سے بولا۔ ''بیٹھ جاؤ..... بتاتا ہوں..... میں شکار کے لئے نکل گیا تھا۔ نوکر خیمے میں تھے اور خیمہ مجھ سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پر تھا۔ ایک کتے نے پیچھے سے گھوڑے پر حملہ کیا اور گھوڑا بدک کر بھاگا۔ میں نے مڑ کر دیکھا، وہ جنگلی کتا نہیں معلوم ہوتا تھا..... حقیقتاً کسی کا پالتو تھا۔ مگر جنگل میں۔ میرا مطلب ہے کہ آبادیوں میں ایسے کتے نہیں دکھائی دیتے۔ میرا گھوڑا بے تحاشہ دوڑ رہا تھا، لیکن کتے سے فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ایک بار کتے نے چھلانگ لگائی اور مجھ پر آرہا۔ شاید اس کا حملہ میری گردن ہی کے لئے تھا۔ لیکن اس کے دانت شانے ہی میں اترتے چلے گئے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے اُسے کس طرح جھٹک دیا تھا۔ گھوڑا دوڑتا ہی رہا..... پھر بارش شروع ہوگئی۔ نہ جانے کیوں مجھ پر غشی سی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ پھر مجھے یاد نہیں کہ کیا ہوا..... یہ بتاؤ میرا گھوڑا زندہ ہے یا مرگیا۔''

''مجھے علم نہیں ہے۔''

''علم ہونا چاہئے..... ممی وہ ایک بڑا شاندار گھوڑا ہے۔ اسی نے آج میری جان بچائی ہے۔''

''وہ کتا کیسا تھا.....؟''

''اوہ..... وہ..... اس کا رنگ سیاہ تھا..... اور جسم کی بناوٹ گرے ہاؤنڈ کی سی تھی۔ لیکن میں نے آج تک سیاہ رنگ کا گرے ہاؤنڈ نہیں دیکھا۔''

''کیا اس کے سر پر سفید دھاریاں بھی تھیں۔''

عدنان تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''میں نے اتنے غور سے نہیں دیکھا تھا۔ ممکن ہے دھاریاں رہی ہوں..... اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نہ رہی ہوں۔''

''ٹھیک ہے..... تمہیں اتنا ہوش کہاں رہا ہوگا کہ یہ دیکھتے۔'' تنویر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ''تم تو کسی ننھی سی بچی کی طرح خوفزدہ ہوگئے تھے۔ عدنان کیا تمہیں ریوالور کی مشق نہیں ہے۔''

''ہے کیوں نہیں..... کیا تم یہ سمجھتی ہو ممی کہ میں ڈر کر بھاگا تھا۔ گھوڑا بے قابو ہوگیا تھا۔ پھر طوفان آگیا۔ اگر تم اس طرح طنز کرو گی تو میں ابھی اور اسی وقت شکار گاہ واپس جاؤں گا۔''

''خاموش بیٹھو۔'' تنویر نے اُسے جھڑک دیا۔ چند لمحے چپ رہی پھر پوچھا۔ ''اس کتے کے ساتھ کوئی آدمی بھی نظر آیا تھا۔''

''میں نہیں دیکھ سکا۔'' عدنان نے جواب دیا پھر بولا۔ ''کیا تم اس کتے کے متعلق کچھ جانتی ہو۔''

''کیوں.....؟'' تنویر اُسے گھورنے لگی۔

''تم نے ابھی سفید دھاریوں کے متعلق پوچھا تھا۔''

''کچھ نہیں..... یونہی۔''

''مجھے بتاؤ کہ وہ کس نسل کا کتا تھا۔''

''میں نہیں جانتی، لیکن اب تم میری اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں نکلو گے..... سمجھے!''

''کیوں..... مجھے وجہ بتاؤ۔''

''تم واقعی بہت بدتمیز ہوتے جا رہے ہو۔''

''ممی ڈیئر! تم ذرا ذرا سی بات پر خفا ہوجاتی ہو۔ میں تمہاری پریشانی کی وجہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ تم کئی دنوں سے پریشان نظر آ رہی ہو۔''

''تم مجھے پریشان نہیں دیکھنا چاہتے..... کیوں؟''

''قدرتی بات ہے ممی۔''

''اچھا تو میں اس طرح خوش رہ سکتی ہوں کہ تم میرے کہنے پر عمل کرو۔''

''یعنی تمہاری اجازت کے بغیر گھر سے باہر قدم نہ نکالوں۔''

''ہاں..... میں یہی چاہتی ہوں۔''

عدنان نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''تم نے مجھے اس اندھیرے میں کیوں ڈال دیا تھا۔''

"ڈاکٹر نے یہی کہا تھا کہ تمہیں اندھیرے میں ہوش آنا چاہئے۔"

"اندھیرا تو میرے کمرے میں بھی ہو سکتا ہے۔"

"تم پھر بحث کرنے لگے۔"

"ہاں تو میں تم سے کچھ پوچھا ہی نہ کروں۔" عدنان نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

"نہ پوچھا کرو۔"

"تم ابھی تک مجھے ایک ننھا سا بچہ سمجھتی ہو۔ یہ مجھے پسند نہیں ہے۔"

"میری پسند تمہاری پسند ہے..... اُسے ہمیشہ یاد رکھنا۔ اب سو جاؤ۔" تنویر اٹھتی ہوئی بولی۔

عدنان خاموش ہی رہا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا اور اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

تنویر اُس کے کمرے سے نکل کر پھر عمارت کے اُسی حصے کی طرف جا رہی تھی۔ دروازے پر پہنچ کر وہ رک گئی۔

"ٹڈونگا! ٹڈونگا۔" اُس نے آہستہ سے آواز دی۔ لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ بار بار آواز دینے کے بعد وہ پھر رہائشی حصوں کی طرف پلٹ آئی۔

اب پھر بوندا باندی شروع ہو گئی تھی اور آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ تنویر برآمدے میں نکل آئی۔ کمپاؤنڈ سنسان پڑا تھا۔ درختوں سے بوندوں کے گرنے کی آوازیں ہو رہی تھیں اور ہوا سائیں سائیں کرتی ہوئی گذر رہی تھی۔

تنویر نے برآمدے کے بلب نہیں روشن کئے۔ وہ ٹٹولتی ہوئی آگے بڑھی اور ایک کرسی میں لیٹ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ صبح چوکیدار کی بُری طرح خبر لے گی کیونکہ اُن میں شاید ایک بھی نہیں جاگ رہا تھا۔

ریوالور تنویر کی گود میں رکھا ہوا تھا۔ آج سے پہلے بھی وہ اس طرح برآمدے میں آکر بیٹھی تھی۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور ذہن مختلف قسم کے خیالات میں بُری طرح الجھا ہوا تھا مگر وہ خائف نہیں تھی۔

وہ بڑی پراسرار عورت تھی۔ اُس کا لڑکا عدنان بھی اُس کے کسی راز سے واقف نہیں تھا۔

نہیں جانتا تھا کہ اُس کی ماں کون ہے! کیا ہے؟ وہ اپنے باپ کے متعلق بھی کچھ نہیں جانتا تھا۔ حد یہ ہے کہ اُسے اپنے باپ کا نام تک نہیں معلوم تھا۔

ہم شکل مردہ

کرنل فریدی آفس میں اپنی میز پر اخبار پھیلائے بیٹھا تھا۔ حمید اور رمیش اپنی میزوں پر تھے۔ رمیش کاغذات میں الجھا ہوا تھا اور حمید..... وہ تو اب محض فریدی کو چڑھانے کے لئے "ٹوٹو پلے پن اپ" کے پرچے آفس میں بھی لانے لگا تھا۔ اس وقت بھی وہ پرچے کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ اس میں ہالی وڈ کی ایکٹریسوں کی نئی نیم عریاں تصاویر تھیں۔ کبھی کبھی وہ دور ہی سے رمیش کو بھی کوئی پوز دکھانے لگتا۔ فریدی اخبار میں محو تھا۔

اچانک لیڈی انسپکٹر ریکھا کمرے میں گھس آئی۔ اُس کا چہرہ سرخ تھا اور سانس پھولی ہوئی تھی۔ وہ آتے ہی اخبار پر جھک پڑی۔

فریدی نے اُسے تیکھی نظروں سے دیکھا۔ اُسے ریکھا سے ایسی بے تکلفی کی توقع نہیں تھی۔ آج وہ اجازت لے کر بھی کمرے میں داخل نہیں ہوئی تھی۔

"کیا بات ہے۔"

"اوہ..... میں معافی چاہتی ہوں۔" ریکھا سٹپٹا گئی۔ "لیکن بات ایسی ہی ہے۔"

"کیا بات ہے..... بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

حمید نے میز کی دراز سے دو تین پرچے اور نکال لئے۔ آج کل ریکھا سے اُس کی بول چال نہیں تھی اور جھگڑے کی وجہ قاسم تھا۔ قاسم آج کل زیادہ تر حمید ہی کے ساتھ رہتا اور ریکھا پر خاص طور سے اس کی نظرِ عنایت تھی بلکہ وہ حمید کے ساتھ اپنا زیادہ تر وقت اسی لئے گذارتا تھا کہ شاید ریکھا کا دیدار ہی نصیب ہو جائے مگر ایسا بہت کم ہوتا تھا۔

اس جھگڑے سے پہلے وہ تینوں کبھی کبھی کیفے یا ہوٹل میں مل بیٹھا کرتے تھے۔ ریکھا قاسم

کی حماقتوں سے کافی محظوظ ہوتی، لیکن ایک دن جب حمید اور ریکھا آرلکچو میں بیٹھے غپیں مار رہے تھے۔ قاسم آ گیا اور اچانک ریکھا کی نظر قاسم کی کوٹ کی جیبوں پر پڑی، جو رہ رہ کر پھو چکتی ہوئی سی معلوم ہونے لگتی تھیں۔ ریکھا کے استفسار پر قاسم نے بتایا کہ وہ خرگوش کے بچے پھر رہا ہے کیونکہ ریکھا کو خرگوش بہت پسند ہیں۔ شائد ریکھا نے پہلے کبھی کسی موقعہ پر کہا تھا اُسے خرگوش بہت پسند ہیں۔ اگر امکان میں ہو تو وہ سارا دن خرگوشوں سے کھیلتی رہے۔

قاسم نے اُسے بتایا کہ اُسے بھی خرگوشوں سے اتنی ہی محبت ہے۔ اس سلسلے میں اس شاید بوکھلاہٹ میں یہ بھی کہہ دیا کہ اسے ریکھا سے بھی اتنی ہی محبت ہے، ریکھا اس پر اکھڑ گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قاسم کی گھگھی بندھ گئی اور حمید اس کی صفائی پیش کرنے لگا۔ پھر بات اتنی کہ دونوں میں لڑائی ہوگئی۔ اُسی دن سے دونوں میں بول چال بند تھی۔

''ہاں.....!'' فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''کیا اس اخبار میں کچھ ہے۔''

''جی ہاں..... میں اس تصویر کے متعلق کچھ کہنا چاہتی ہوں۔'' ریکھا نے اخبار کی تصویر کی طرف اشارہ کیا۔

''اوہ..... یہ..... ہاں..... کیوں؟ یہ سعید بابر کی تصویر ہے، جو ابھی حال ہی میں افریقہ سے یہاں آیا ہے۔''

حمید نے بہت زور سے اپنے گال پر تھپڑ مارا اور پھر رمیش کو غصیلے انداز میں گھونسہ دکھانے لگا..... فریدی اُسے کنکھیوں سے دیکھ کر پھر ریکھا کی طرف دیکھنے لگا۔

''اگر میں یہ کہوں کہ میں نے کچھ دن پہلے اس آدمی کی لاش دیکھی تھی تو.....!'' ریکھا پورا نہ کر پائی کیونکہ حمید رمیش کو مخاطب کر کے بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''اس اطلاع پر میں بھی منڈوا سکتا ہوں۔''

''فی الحال تم باہر چلے جاؤ۔'' فریدی غرایا۔

''بہت بہتر جناب۔'' حمید پن اَپ کے پرچے سنبھالتا ہوا اٹھنے لگا۔ وہ فرش پر گر حمید انہیں اٹھانے کیلئے جھکا۔ کئی پرچے کھل گئے تھے جن میں بڑی بڑی نیم عریاں تصویریں تھیں۔

''گٹ آؤٹ۔'' فریدی جھلا گیا اور حمید پرچوں کو وہیں فرش پر چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

''رمیش.....!'' فریدی نے کہا۔ ''انہیں سمیٹ کر باہر پھینک دو۔''

رمیش اٹھ کر پرچے سمیٹنے لگا اور فریدی نے ریکھا سے کہا۔ ''ہاں تم کیا کہہ رہی تھیں۔''

ریکھا، جو رمیش کو پرچے سمیٹتے دیکھ رہی تھی چونک پڑی۔ ''جی ہاں! آپ یقین کیجئے میں نے اس کی لاش دیکھی تھی۔''

''کب دیکھی تھی..... اور پھر تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو کہ یہ اُسی کی لاش رہی ہوگی۔''

''اگر وہ محض مشابہت تھی تو مجھے حیرت سے بھی زیادہ کچھ اور ہونا چاہئے۔''

''ہاں..... آں..... اکثر ایسی مشابہتیں بھی ہوتی ہیں۔ خود میرے تجربے میں ایسے واقعات آئے ہیں۔ میرے کئی کیسوں میں ایسی شکلیں سامنے آ چکی تھیں۔''

''مگر جناب! وہ مشابہت ہی سہی۔ میں نہ جانے کیا محسوس کر رہی ہوں۔''

''اس لائن میں آگے بڑھنے کی صلاحیت تم میں بدرجہ اتم موجود ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''ہم اسے چھٹی حس کہتے ہیں۔ خیر تم کیا محسوس کر رہی ہو۔''

''دیکھئے بتاتی ہوں۔'' ریکھا نے کہا پھر رمیش کیطرف دیکھ کر بولی۔ ''تم نے بھی اس مفلوج فقیر کو صدر کے علاقے میں کہیں کہیں ضرور دیکھا ہوگا، جو بڑی عجیب قسم کی دعائیں دیا کرتا تھا۔''

''جی ہاں..... میں نے دیکھا ہے۔'' رمیش نے جواب دیا۔

''ذرا یہ تصویر دیکھنا۔''

''رمیش اٹھ کر میز کے قریب آ گیا۔ کچھ دیر تک سر جھکائے تصویر کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ بڑی مشابہت ہے بلکہ بعض حالات میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دونوں میں سرمو فرق نہیں۔''

''مگر یہ فقیر تمہیں یاد کیسے رہ گیا۔ دن بھر سینکڑوں فقیر تمہاری نظروں سے گذرتے ہوں گے۔''

''جناب! وہ فقیر ہی عجیب ہے۔'' رمیش نے کہا۔

''ہے نہیں بلکہ تھا..... کیونکہ میں اس کی لاش دیکھ چکی ہوں۔''

''کب..... کیا وہ مر گیا۔'' رمیش نے پوچھا۔

''غالباً پچھلے ہفتے کی بات ہے۔ پھر میں نے اس آدمی کو۔'' ریکھا نے تصویر کی طرف اشارہ کیا۔ ''کل شام ایک کار سے اترتے دیکھا۔ اگر میں اس فقیر کی لاش نہ دیکھ چکی ہوتی تو.....

"آپ خود سوچئے۔"

"ہُم..... مجھے بتاؤ کہ وہ فقیر عجیب کیوں تھا۔"

ریکھا اور رمیش ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئے۔ پھر رمیش نے کہا۔ "حمید بھائی بھی اس فقیر کو دیکھا ہوگا۔ وہ بہت اچھی طرح بتا سکیں گے۔"

"حمید کو بلاؤ۔"

سارجنٹ رمیش باہر چلا گیا اور فریدی کچھ سوچنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے و جبرواکراہ اس معاملے میں دلچسپی لے رہا ہے۔ ریکھا نے جتنے جوش وخروش کے ساتھ تذکرہ چھ تھا اس کی مناسبت سے وہ توجہ بھی دے رہا تھا۔ اگر وہ اسے کوئی اہمیت نہ دیتا تو ریکھا کو خواہ شرمندگی ہوتی۔ وہ حمید کی آمد کا منتظر رہا۔

حمید رمیش کے ساتھ واپس آیا۔ شاید اس نے فریدی کی جھڑکیوں کا بُرا نہیں مانا تھا کیونکہ اُس وقت بھی بڑے اچھے موڈ میں نظر آ رہا تھا۔ حالانکہ ریکھا سے بول چال بند تھی اس نے آ ہی ریکھا سے کہا۔

"خواہ مخواہ..... بات کا بتنگڑ بنانے سے کیا فائدہ۔ میں نے بھی اخبار میں سعید بابر کی تق دیکھی تھی اور خاموش رہ گیا تھا۔"

"یہاں مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ وہ فقیر اتنی شدت سے لوگوں کے ذہنوں پر کیوں م تھا۔" فریدی نے کہا۔

"کیا ان لوگوں نے نہیں بتایا۔" حمید بولا۔

"ان کا خیال ہے کہ تم ان سے بہتر طریقے پر بتا سکو گے۔"

"ہا.....!" حمید سر کھجا کر بولا۔ "وہ کچھ اس انداز میں بھیک مانگتا تھا کہ لوگ کھڑے کھ شادیاں کرنے پر تل جاتے تھے۔ آپ سنتے تو اُسے گولی ہی مار دیتے۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"جی ہاں..... اس کی صدا ہوتی تھی دے جا بابا..... خدا تیری محبوبہ کو سلامت ر تندرست رکھے۔ وہ کبھی بوڑھی نہ ہو..... بچے نہ جنے..... وغیرہ وغیرہ۔"

فریدی نے رمیش کی طرف دیکھا اور رمیش نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ریکھا کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی تھی۔

"مگر کیا یہ کوئی کیس بن رہا ہے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر پوچھا۔

"شاید بن ہی جائے۔" فریدی نے تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوئے..... پن اپ کے پرچے کیا ہوئے۔" حمید نے رمیش سے پوچھا۔

"باہر پھینک دیئے۔"

"کیا.....؟" حمید نے آنکھیں نکالیں۔

"کرنل صاحب نے کہا تھا۔"

"تم یہاں آفس میں اس قسم کی لغویات مت لایا کرو۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

"ایک کیس کے سلسلے میں لایا تھا جناب۔" حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور ریکھا مسکرا پڑی۔ لیکن اس نے منہ بھی پھیر لیا کہ کہیں حمید کی نظر اس کی مسکراہٹ پر نہ پڑ جائے۔

"ہاں تو فقیر کی لاش بھی تم نے دیکھی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"جی..... جی ہاں..... غالباً وہ سردی سے اکڑ کر مر گیا تھا۔ اسکی دونوں ٹانگیں بیکار تھیں۔"

"اچھا..... اور کیا بتا سکتی ہو اس کے متعلق۔"

"اور کیا! اور تو کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں نے اس کی لاش سات جنوری کی شام کو دیکھی تھی۔"

"اچھا تو بس.....!" فریدی نے سگار کیس سے سگار نکال کر اس کا گوشہ توڑتے ہوئے کہا۔ "یہ ایک حیرت انگیز واقعہ ضرور ہے، مگر ایسا بھی نہیں ہو سکتا ہے کہ ہمارا محکمہ اس میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو۔"

"مگر یہ سعید بابر افریقہ سے آیا۔" ریکھا نے کہا۔

"تو کیا ہم پر احسان کیا ہے۔" حمید گردن جھٹک کر بولا۔ "آیا ہوگا۔"

"میں آپ سے بات نہیں کر رہی ہوں۔"

"میں بھی سن رہا ہوں..... بہرا نہیں ہوں۔"

فریدی کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر اخبار پڑھنے لگا تھا۔ ریکھا اٹھ کر چلی گئی اور حمید کی چال کی نقل اتارنے کے سلسلے میں لچکنے لگا۔ اس دوران میں رمیش بھی شاید کسی کام سے چلا گیا تھا۔

"تم سے میں عاجز آ گیا ہوں۔" فریدی نے اخبار رکھتے ہوئے کہا۔

"عاجزی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ یقیناً آپ مقبول بندے معلوم ہوتے ہیں۔"

"کیوں! آج کہیں سے بھیک مل رہی ہے۔ بہت چہک رہے ہو۔"

"حیلہ روزی بہانہ موت۔ آج کل قاسم کی دو تین خالہ زاد سالیاں مجھ پر بہت مہربان اور میں اب اس کا قائل ہو گیا ہوں، خواہ بیوی نہ ہو، لیکن ایک آدھ سالی ضرور ہونی چاہئے۔ نغمگی ہے اس لفظ میں "سالی"..... سا..... لی..... سا..... لی.....!"

حمید اس طرح سالی سالی کی ہانک لگانے لگا جیسے اپنی پالتو کتیا کو آواز دے رہا ہو۔

فریدی نے نہایت اطمینان سے اٹھ کر اس کے دونوں کان پکڑے اور اُسے درواز طرف گھما کر کمر پر ایک لات رسید کر دی۔ حمید سنسان برآمدے میں دور تک دوڑتا چلا گیا۔ اُسی رفتار سے لان کی طرف گھوم گیا اور اب وہ بڑے اطمینان سے ٹہلتا ہوا اُدھر جا رہا تھا فریدی کی کار کھڑی کی جاتی تھی۔ اُسے علم تھا کہ فریدی ڈیڑھ بجے کے بعد باہر جائے گا لیکن کے باوجود بھی وہ اُس کی کار لے اڑا۔ آخر اس لات کا بدلہ بھی تو ہونا چاہئے تھا۔

اس نے قاسم کے گھر کی راہ لی جہاں آج کل قاسم کی بیوی کی تین عدد خالہ اور ماموں بہنیں مقیم تھیں۔ یہ تینوں ہی بڑی زندہ دل اور خوش مزاج تھیں۔ ویسے قاسم جیسے شخص کی ہم نے ان صفات کو اور زیادہ چمکا دیا تھا۔

وہاں ہر وقت ہی کوئی نہ کوئی تفریح ہوتی رہتی تھی۔ مگر اس وقت کی تفریح قطعی خلاف تھی۔ اُس نے قاسم کو پورچ میں چت پڑا دیکھا جس کے پیٹ پر ایک بہت بڑا پتھر رکھا ہوا پتھر کیا چٹان کا ٹکڑا کہنا چاہئے جس کا وزن کم از کم پچاس من ضرور رہا ہو گا اور اس پتھر پر قاسم دو نوکر بڑے بڑے ہتھوڑے برسا رہے تھے۔

قاسم کی سالیاں اوپر برآمدے میں حیرت سے منہ کھولے کھڑی تھیں۔ ان کے قریب

بیوی بھی تھی مگر اس کا موڈ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ آج بھی وہی ننھی منی سی گڑیا لگ رہی تھی۔ ایسی خوبصورت عورت حمید کی نظر سے کم گذری تھیں۔ مگر بیچارہ قاسم کیا کرتا۔ اس کا تو پہاڑ اور گلہری والا معاملہ تھا۔ وہ تو کوئی اپنی ہی جیسی گرانڈیل لڑکی چاہتا تھا۔

حمید کار سے اُتر کر سیدھا پورٹیکو کی طرف چلا گیا۔ قاسم ہتھوڑا برسانے والے نوکروں پر بگڑ رہا تھا۔

"اور زور سے..... ابے سالو! کیا کھانے کو نہیں ملتا۔"

"ایک سر پر بھی جما دو..... دیکھا جائے گا۔" حمید نے کہا۔

"ارے خدا تمہیں غارت کرے تم آ گئے۔" قاسم نہ جانے کیوں بوکھلا گیا۔

"ہاں میں آ گیا ہوں اور اس پتھر پر کھڑا ہو کر ایک تقریر کروں گا۔"

"ہائیں..... آؤ اچھا..... تم بھی کیا یاد کرو گے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں کمزور ہوں۔" قاسم نے کہا اور پھر نوکروں کو مخاطب کر کے دہاڑا۔ "ہٹ جاؤ بے۔"

نوکر ہٹ گئے اور حمید پتھر پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ بڑی مشکل سے اُسے کامیابی ہوئی۔ قاسم کی سالیاں بے تحاشہ ہنس دی تھیں اور بیوی!..... وہ بیچاری تو حمید کی صورت دیکھتے ہی وہاں سے کھسک گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اب قاسم کی خیر نہیں۔ آخر کو بیوی ہی تھی۔ ویسے ہی وہ اس کی حماقتوں کی بناء پر دوسروں کے سامنے شرمندہ سی رہتی تھی۔ اب حمید صاحب بھی تشریف لائے تھے، جو کچھ نہ ہو جاتا کم تھا۔

حمید پتھر پر چڑھنے کو چڑھ تو گیا مگر ڈر رہا تھا کہ کہیں یک بیک قاسم کی ذہنی رو بہک نہ جائے۔ ایسی صورت میں اُسے شہادت ہی نصیب ہوتی پہلے اسکا ارادہ تھا کہ قاسم کا بخیہ ادھیڑے گا مگر اب یہ خیال ترک کر دینا پڑا۔ پتہ نہیں کب قاسم جھلا کر پتھر سمیت اُسے زمین پر پٹخ دے۔

حمید نے جھک کر تینوں کو سلام کیا اور چپ چاپ اتر گیا۔

"اماں..... وہ تقریر.....!" قاسم نے کہا۔

"تقریر وہاں سے کروں گا۔" حمید نے لڑکیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"چلو بے! توڑو پتھر!" قاسم نے نوکروں کو للکارا۔ "جب تک پتھر نہیں ٹوٹے گا چھٹی نہیں

ملے گی۔"

نوکر پہلے ہی سے پسینہ پسینہ ہو رہے تھے۔ انہوں نے بڑے ملتجیانہ انداز میں لڑکیوں کی طرف دیکھا اور ایک لڑکی نے کہا۔"اب اسے ختم کیجئے.....کوئی دوسرا کرتب۔"

"آؤ تم تینوں پتھر پر کھڑی ہو جاؤ۔" قاسم نے کہا۔

"ہاں..... یہ بڑی معقول بات ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔"بلکہ کہو تو اپنی بیوی کو بھی بلالوں۔"

"بلالو۔" قاسم نے جھونک میں کہا۔ پھر فوراً ہی سنبھل کر بولا۔"کون.....بیوی۔"

"کہاں ہے تمہاری بیوی۔"

"ابھی اندر گئی ہے۔"

"کیا.....!" قاسم حلق پھاڑ کر دھاڑا۔ پھر کروٹ لے کر پتھر کو ایک طرف دھکیل دیا اور اٹھتا ہوا بولا۔"کیا کہا تم نے۔"

"میں نے کہا تمہاری بیوی کو بھی بلالوں۔" حمید نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

"نائیں.....تم نے اپنی بیوی کہا تھا۔"

"تمہارے سننے میں فرق آیا ہے پیارے۔"

"تم خود ہو گے پیارے۔ میں گردن توڑ دوں گا تمہاری۔"

"اب ریکھا سیدھی ہو گئی ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا"تمہیں پوچھ رہی تھی۔"

"نہیں! الاقسم۔" قاسم کے ہونٹوں پر ایک شرمیلی سی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

"ہاں.....بس خاموش رہو" حمید نے جواب دیا۔ انکی سرگوشیاں لڑکیوں تک نہیں پہنچی تھیں۔ پھر دونوں ہنسنے لگے۔

"ہاں.....!" ایک لڑکی بولی۔"ابھی تو آپ حمید صاحب کو مارنے دوڑے تھے۔"

"ارے وہ.....وہ تو میں مذاخ کر رہا تھا۔" قاسم نے جواب دیا۔

"قاسم کے مذاق بڑے دلچسپ ہوتے ہیں۔" حمید نے اُن میں سے ایک لڑکی کو آنکھ مار کر کہا۔ ظاہر ہے کہ اُس آنکھ مارنے کا مقصد اپنی بات میں زور پیدا کرنا ہوتا تھا۔ وہ تینوں ہنس

پڑیں، لیکن قاسم نے حمید کو آنکھ مارتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے بوکھلا کر لڑکیوں کی طرف دیکھا مگر وہ بُرا ماننے کی بجائے ہنس رہی تھی۔ قاسم کی کھوپڑی یکلخت الٹ گئی اور حمید کو بھی دھیان نہیں رہا کہ اس نے کیا کیا تھا، کیونکہ یہ سب کچھ روا روی میں ہوا تھا۔

اچانک قاسم نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔"آؤ.....میرے ساتھ۔" گرفت اتنی سخت تھی کہ حمید کو اپنی کلائی ٹوٹتی ہوئی سی محسوس ہونے لگی۔ مگر وہ چپ چاپ اسکے ساتھ چلتا رہا۔ ہاتھا پائی میں اپنی ہی بےعزتی تھی۔ قاسم اُسے لڑکیوں کے سامنے ہی اٹھا کر پٹخ دیتا۔ وہ اُسے عمارت کے عقبی حصے کی طرف لے گیا اور گریبان پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوا بولا۔"تم نے سلیمہ کو آنکھ کیوں ماری تھی۔"

اب حمید کو یاد آیا اور اُس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ آسمان سر پر گرتا محسوس ہونے لگا۔ جس وقت قاسم غصے میں ہو اُسے کوئی بات سمجھا لینا آسان کام نہیں تھا۔ بہر حال حمید نے ہاتھ پاؤں مارے۔"ارے! یار تم بالکل ہی بھولے ہو.....کیا وہ بُرا مان گئی تھی۔"

"مانے یا نہ مانے.....لیکن تم نے کمینہ پن کیوں کیا۔"

"اگر یہ کمینہ پن ہوتا تو ضرور بُرا مانتی.....ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو۔"

"نہیں میں گرم دل سے سوچوں گا.....میری بات کا جواب دو۔"

"اس طرح اگر میں تمہارے باپ کو آنکھ ماروں تو وہ بھی بُرا نہیں مانیں گے۔"

"میرے باپ کو آنکھ مارو گے۔ ہڈیاں نہ چبا جاؤں گا تمہاری.....یہ مجال۔"

قاسم نے گریبان کو جھٹکا دیا اور حمید کی روح فنا ہو گئی۔

"اچھا ایک بات سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"دس سمجھنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن اگر تم نہ سمجھا سکے تو میں قبر کھود کر دفن کر دوں گا سمجھے! میرے باپ کو آنکھ ماریں گے، بڑے مارنے والے.....ہاں۔"

"تم کسی عورت کو ماں کہتے ہو۔"

"میری ماں بچپن ہی میں مرگئی تھی۔"

"پرواہ مت کرو! میں تو ایک مثال دینے جا رہا تھا تم کسی عورت کو ماں کہو تو وہ خوش ہو گی۔ لیکن اسکو باپ کی جورو کہہ کر دیکھ لو کیا حشر ہوتا ہے تمہارا۔ حالانکہ باپ کی جورو ہی ماں ہوتی ہے۔"

"اچھا میں سمجھ گیا.....آگے کہو۔"

"کیا کہوں..... تمہیں دنیا کا کچھ تجربہ ہی نہیں ہے۔ تم کچھ نہیں جانتے..... کی مطلب نہیں سمجھتے۔"

"ارے تم تو بڑے قابل ہو۔ پھر بتاؤ نا.....!" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔

"آنکھ مارنے کے انداز میں بھی فرق ہوتا ہے۔ ایک آنکھ اس طرح ماری جاتی ہے لوگ بُرا مان جاتے ہیں، لیکن اگر تم اپنا ایک گال پھلا کر آنکھ مارو تو کوئی بھی بُرا نہیں مانے گا سمجھ میں..... تم اس طرح کسی کو آنکھ مار کر دیکھنا۔"

قاسم کا ایک گال غیر ارادی طور پر پھولتا چلا گیا۔ لیکن پھر آنکھ مارنے کی گنجائش ہی نہیں گئی کیونکہ اس طرف کی آنکھ خودبخود بند ہوگئی تھی۔ قاسم چند لمحے کوشش کرتا رہا پھر بڑی بے بسی سے بولا۔ "نہیں بنتا۔"

"اچھا ادھر دیکھو.....!" حمید نے اپنا ایک گال پھلا کر اُسے آنکھ ماری۔

"تم سے تو بن جاتا ہے۔" قاسم نے بے بسی سے کہا۔ "مگر اپنا یہ سالا گال ہی ایسا ہے پھول کر آنکھ پر چڑھ جاتا ہے۔ اچھا اگر دوسری آنکھ ماری جائے تو.....!"

"کوئی حرج نہیں ہے۔" حمید نے بڑے خلوص سے کہا۔

قاسم نے پھر ایک طرف کا گال پھلایا اور دوسری طرف کی آنکھ مارنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ آنکھ صرف بند ہوگئی۔ ظاہر ہے کہ ایک آنکھ تو پہلے ہی بند تھی۔

"کیوں! بنا کہ نہیں۔" قاسم نے حمید سے پوچھا۔

"بننے لگے گا..... تھوڑی مشق کی ضرورت ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

قاسم نے حمید کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا اور وہیں دھوپ میں کھڑے کھڑے مشق شروع کر دی تھی۔ اب وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ حمید کو یہاں لایا کیوں تھا۔

"ابے نہیں بنتا حمید بھائی۔" قاسم نے پھر بڑی بے بسی سے کہا۔ اتنے میں وہ تینوں لڑکیاں وہاں آگئیں۔

"ارے بھائی صاحب۔" ایک نے قاسم سے کہا۔ "کیا سعید بابر کے یہاں نہیں چلنا ہے؟"

"ارے وہ خود ہی آجائے گا۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "مگر سعید..... سعید نہیں کلو..... میرے یار بر کا نام کلو ہے۔"

"ہائیں کیا کہہ رہے ہیں آپ۔" لڑکی بولی۔ "سعید بابر..... بابر نہیں۔"

سعید بابر کے نام ہی پر حمید کو جھرجھری سی آگئی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سالا کمبل ہی نہیں چھوڑتا۔ بھلا یہاں بھی سعید بابر کے تذکرہ کی کیا ضرورت تھی۔

"اچھا..... اچھا..... وہی جس کا تذکرہ کل کیا تھا۔" قاسم نے مسکرا کر کہا۔ "بڑا عجیب نام ہے، سعید بابر بالکل شیر ببر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ گلہری کا بچہ نکلا تو میں اس کی گردن مروڑ دوں گا..... ہاں یہ سالے نام بھی بڑا دھوکا دیتے ہیں..... نام پہاڑ خان اور خود مچھر کی اولاد۔"

"قاسم یار..... تم تو فلسفی ہوتے جا رہے ہو۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"اور کیا..... ہاں نہیں تو سالے۔"

پھر حمید نے اس لڑکی سے پوچھا۔ "آپ سعید بابر کو کیسے جانتی ہیں۔ وہ تو شاید افریقہ سے آیا ہے۔"

"میں اُسے افریقہ ہی سے جانتی ہوں۔ نیروبی میں میرے چچا کا بزنس ہے۔ میں بھی وہاں تین سال رہ چکی ہوں..... اوہو..... آپ بھی چلیئے..... بڑا لطف رہے گا۔ آپ یقیناً اُسے پسند کریں گے۔"

"ہم لوگ کسی کو بھی پسند نہیں کرتے۔" قاسم نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "کیوں حمید بھائی۔"

حمید نے قاسم کی بات پر دھیان دیئے بغیر کہا۔ "میں اُس سے ضرور ملوں گا۔ مجھے افریقہ بہت پسند ہے۔ مگر آج تک جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔"

"ارے تمہارے لئے کیا مشکل ہے حمید بھائی۔ کوئی کیس بناؤ..... بس چلے چلیں گے۔ ہی ہی..... وہاں کی یلا یلیاں کیسی ہوں گی..... ہی ہی ہی....." قاسم بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"یلا یلیاں کیا چیز۔" تینوں لڑکیوں نے حیرت ظاہر کی۔

"ارے وہ کچھ نہیں..... جی ہاں تو آپ کب جائیں گی وہاں۔" حمید جلدی سے بولا۔

"بس چل رہے ہیں۔" اس نے کہا اور لڑکیاں واپس جانے کے لئے مڑیں اور قاسم

بڑبڑانے لگا۔

"یار حمید بھائی..... بڑی بوریت رہے گی۔ کل میں نے یوں ہی وعدہ کرلیا تھا۔ کل اُس سالے کی تعریفوں کی پل باندھے جارہے ہیں۔"

"چلو دیکھتے ہیں..... ڈھب پر آ گیا تو مرغا۔"

"ہاہا.....!" قاسم حمید کے شانے پر ہاتھ مار کر ہنسا اور حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے اس شانے پر کوئی بڑی سی چٹان آ گری ہو۔ وہ دونوں پورچ کی طرف جارہے تھے۔ اچانک ا دماغ پھر سنک گیا اور چلتے چلتے رک کر غصیلی آواز میں بولا۔"تم اپنے گھر جاؤ۔"

"کیوں.....؟"

"تم آج کل یہاں روزانہ آرہے ہو..... میں خوب سمجھتا ہوں۔ نہیں تم اپنے گھر جاؤ۔"

"کیا سمجھتے ہو۔"

"تم ان تینوں کی وجہ سے آتے ہو۔"

"اچھا تو پھر.....!"

"اچھا تو پھر..... یہ کہ چپ چاپ چلے جاؤ۔"

"اچھا..... تو پھر میرا نام حمید ہے سمجھے! تمہارے گلے میں رسی ہوگی اور میں سارے ش ڈگڈگی بجاتا پھروں گا، اچھا میں چل دیا۔" حمید اپنی کار کی طرف بڑھا۔

اچانک سلیمہ نے برآمدے سے آواز دی۔"کیا آپ جارہے ہیں۔ آپ نے تو چلنے کو کہا تھا۔"

"انہیں جانے دو۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔"ان کے..... ان کے پیٹ میں درد ہو رہا

حمید کار میں بیٹھ چکا تھا، لیکن اسٹارٹ بھی نہیں کر پایا تھا کہ سلیمہ اس کے قریب پہنچ گئ

"کیا بات ہے۔" اُس نے پوچھا۔

"قاسم بھگا رہا ہے۔"

"کیوں.....؟"

"اُسکا خیال ہے کہ میں صرف آپکی وجہ سے یہاں آتا ہوں۔" حمید گلوگیر آواز میں

"ان کا بھی دماغ خراب ہے شاید..... آپ چلئے..... میں بھی چل رہی ہوں۔" سلیمہ دازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔

حمید نے کار اسٹارٹ کر دی اور قاسم۔"ہائیں ہائیں۔" کرتا ہوا دوڑا لیکن کار پھاٹک سے لزر چکی تھی۔ قاسم پلٹ کر اپنے گیراج کی طرف لڑھکنے لگا۔

دوسرے پر فائر

تنویر کبھی تنہا باہر نہیں نکلتی تھی۔ اس کے ساتھ ہمیشہ دو باڈی گارڈ ہوتے تھے اور دونوں اپنے پاس بھرے ہوئے ریوالور رکھتے تھے اور اب کچھ دنوں سے وہ عدنان کو بھی تنہا باہر نہیں نکلنے دیتی تھی۔ دو باڈی گارڈ اُس کے ساتھ بھی رہا کرتے تھے۔

یہ چاروں آدمی بظاہر سیدھے سادے اور بے ضرر تھے، لیکن ان کی حقیقت صرف تنویر کو معلوم تھی۔ یہ چاروں اول درجے کے بدمعاش، سازشی اور قاتل تھے۔ ویسے یہ تنویر سے بہت ڈرتے تھے۔ اس کے ایک اشارے پر اس طرح آگے بڑھتے تھے جیسے پالتو کتے ہوں۔

اس وقت وہ تنویر محل کے ایک کمرے میں بیٹھے شائد تنویر ہی کے منتظر تھے۔ وہ بالکل خاموش تھے اور فکر مند نظر آرہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد تنویر کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس کے ہاتھ میں آج کا اخبار تھا۔ اُسے دیکھتے ہی وہ کھڑے ہوگئے۔ تنویر نے سر کی جنبش سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ مؤدب بیٹھ گئے۔

"تم لوگوں کو شکایت تھی کہ میں تم سے کبھی کام نہیں لیتی۔" تنویر ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتی ہوئی بولی۔"مگر اب کام کا وقت آ گیا ہے۔"

وہ بڑی توجہ سے اس کی گفتگو سن رہے تھے۔ تنویر نے اخبار میز پر پھیلا دیا اور اخبار میں چھپی ہوئی ایک تصویر کی طرف اشارہ کرکے کہا۔"اس آدمی کو جہاں دیکھو گولی مار دو۔"

وہ باری باری سے اس تصویر کو دیکھنے لگے۔ پھر ایک نے پوچھا۔ ''یہ رہتا کہاں ہے۔''

''تلاش کرو۔'' تنویر نے کہا۔ ''اخبار میں اُس کا پتہ نہیں ہے۔''

''ہم جلد سے جلد اسے نپٹانے کی کوشش کریں گے۔''

''بس اتنا ہی کہنا تھا۔'' تنویر اٹھ گئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ بھی اٹھے اور اس وقت تک کھڑے رہے جب تک وہ باہر نہیں چلی گئی۔

پھر وہ بیٹھ کر ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے۔ آخر ان میں سے ایک نے کہا۔

''محترمہ تنویر بڑے دل گردے کی عورت ہیں۔ انہوں نے اس طرح اس قتل کا حکم صادر فرمایا ہے جیسے ہمیں سعید بابر کے سر میں تیل مالش کرنی ہے۔''

''کیا اس کے متعلق اخبار میں کوئی خبر بھی ہے۔'' دوسرے نے پوچھا۔

''ہاں ہے تو۔'' پہلے نے اخبار پر نظر جماتے ہوئے کہا۔ ''یہ نیروبی سے آیا ہے، وہاں کوئی بہت بڑا آدمی ہے۔ اس میں یہ تحریر ہے کہ وہ اپنے اعزہ سے ملنے کے لئے یہاں آیا ہے۔''

''اور مادام تنویر چاہتی ہیں کہ ہم اُسے گولی ماردیں۔'' تیسرا بولا۔

''ہمیں اس سے غرض نہ ہونی چاہئے۔'' چوتھے نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ''حکم.....حکم ہے۔''

''ہم کب کہہ رہے ہیں کہ حکم نہ مانیں گے۔''

اچانک عدنان کمرے میں داخل ہوا اور وہ پھر کھڑے ہوگئے۔ عدنان نے مسکراتے ہوئے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''آج کل تم لوگ بیکار ہو۔'' عدنان بیٹھتا ہوا بولا۔

''نہیں! ہم مادام کا ضروری کام کررہے ہیں۔''

''کون سا کام۔''

''اوہ..... جناب آپ کے زخم کا کیا حال ہے۔'' ایک نے دفعتاً پوچھا۔

''تم بڑے گدھے ہو..... جو کچھ میں پوچھ رہا ہوں، اُس کا جواب دو۔''

''جناب عالی..... آپ خود خیال فرمائیں..... ہم کیسے بتا سکتے ہیں۔''

''کیا! تمہیں بتانا پڑے گا۔''

''بہتر یہ ہوگا کہ آپ ہمیں شوٹ کردیں ورنہ مادام کا غصہ ہمارے لئے موت سے بھی زیادہ بھیانک ہوگا۔''

''میری کوئی وقعت نہیں ہے..... کیوں؟'' عدنان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''نہیں جناب..... ہم آپ کے لئے بھی جان دینے کو حاضر ہیں۔''

عدنان کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ''اچھا میرے لئے بھی ایک کام کرو۔''

''فرمایئے..... جناب۔''

''مجھے وہ کتا چاہئے جس نے شکار گاہ میں مجھ پر حملہ کیا تھا۔''

''کتا.....!'' چاروں نے حیرت سے دہرایا۔

''ہاں..... وہ کتا ہی تھا۔ سیاہ رنگ کا اونچا سا کتا..... جسم کی ساخت گرے ہاؤنڈ کی سی تھی اور شائد سر پر سفید دھاریاں بھی تھیں۔''

''ہم اُسے تلاش کرنے کی کوشش کریں گے جناب۔ مگر کیا وہ بہت خطرناک ہے۔''

''شاید خطرناک ہی ہے۔''

''آپ اُس کی لاش چاہتے ہیں۔''

''نہیں زندہ..... لاش کیا کروں گا۔''

''ہم انتہائی کوشش کریں گے۔''

عدنان بھی اٹھ کر چلا گیا۔ اُس کے چلے جانے کے بعد کافی دیر تک خاموشی رہی پھر ایک نے آہستہ سے کہا۔

''دونوں ہی عجیب ہیں..... ہم کتنے دنوں سے یہاں ہیں، لیکن ہمیں آج تک مادام کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہوسکا۔''

''مگر اس آدمی سعید بابر کو ہم کہاں تلاش کرتے پھریں گے۔ بڑا ٹیڑھا کام ہے۔''

''کچھ بھی ہو..... ہمیں یہ کام کرنا ہی پڑے گا۔'' اس معمر آدمی نے کہا جو کم بولتا تھا اور بقیہ تینوں اس کا احترام بھی کرتے تھے۔

"وہ تو ہے..... لیکن اگر ہم اس میں کامیاب نہ ہو سکے تو۔"

"بس یونہی خیال ہے..... ناکامی کی صورت میں ہمارا کیا حشر ہوگا۔"

"ناکامی کی بات ہی نہ سوچو۔ میں اسے شارع عام پر گولی مار سکتا ہوں۔" معمر آدمی نے کہا

"سوچ سمجھ کر دعویٰ کرو..... آج کل یہ سب کچھ بہت مشکل ہو گیا ہے۔ جب سے سادہ لباس والوں کا چارج کرنل فریدی نے لیا ہے، بہت کم جرائم ہو پاتے ہیں۔"

حمید کی کار فراٹے بھر رہی تھی اور سلیمہ پہلے پہل تنہا اس کے ساتھ باہر نکلی تھی۔ اُن تینوں میں یہی تھی بھی سب سے زیادہ زندہ دل۔ ایسی کہ حمید اس کی ہم نشینی میں بوریت نہیں محسوس کر سکتا تھا۔

"آخر آپ دونوں کے تعلقات کیسے ہیں۔" سلیمہ نے پوچھا۔

"بہت ہی دلچسپ۔" حمید بولا۔ "وہ خود ہی تعلقات قائم کرتا ہے، اور بگاڑ بیٹھتا ہے۔"

"مگر بیگم صاحبہ تو کہتی ہیں کہ آپ ہی نے انہیں بگاڑ رکھا ہے۔"

"غلط کہتی ہیں۔ میں نے اُسے بگاڑا نہیں بلکہ ہاتھی بنایا ہے۔"

سلیمہ پہلے تو ہنسی پھر آہستہ سے مغموم لہجے میں بولی۔ "دونوں کی زندگی برباد ہو گئی ہے میں تو لعنت بھیجتی ہوں ایسی شادی پر۔"

"مگر مجھے بے جوڑ شادیاں بہت پسند ہیں۔ اگر بیوی یا شوہر پسند کا مل جائے تو زندگی محدود ہو جاتی ہے۔ آدمی مطمئن ہو جاتا ہے۔ سمجھ بیٹھتا ہے کہ اس کی زندگی میں بس یہی ایک رہ گئی تھی، جو پوری ہو گئی۔ اب اُسے کچھ نہیں کرنا ہے۔"

"واہ.....! یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔"

"قاسم ہی کی مثال لے لیجئے۔ اگر بیوی پسند کی ملی ہوتی تو وہ اپنے پیٹ پر پتھر نہ تڑواتا منہ سے لوہے کے گولے نہ نکالتا..... موٹی موٹی سلاخیں نہ موڑتا۔"

سلیمہ پھر ہنسنے لگی۔ اُس کے ہنسنے کا انداز حمید کو بہت پسند تھا۔ بھرے بھرے سے ہونٹ

سے کھلتے اور چمکدار دانتوں کی قطار جھانکنے لگتی۔ آنکھوں میں شوخی عود کر آتی اور اس کا سارا جسم تھرکتا سا محسوس ہونے لگتا اور ایسا معلوم ہوتا جیسے ایوننگ ان پیرس کی لپٹیں اس کے ہونٹوں سے نکل رہی ہوں۔

"مگر ہم کہاں چل رہے ہیں۔" سلیمہ نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"ہم کیوں نہ افق کے پار چلیں۔"

"آہا..... آہا..... تو اب آپ مجھ سے رومانی قسم کی گفتگو کریں گے۔ اچھا چلئے میں شرما گئی۔ اب کیا کہیں گے آپ۔"

"اب میں یہ کہوں گا کہ دنیا کے ہر آدمی کو فرشتوں کی طرح زندگی بسر کرنی چاہئے۔"

"میں آپ کے متعلق بہت کچھ سن چکی ہوں۔"

"اور اب مجھ میں یہ جملہ سننے کی تاب نہیں رہ گئی۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"شہر کی جس نئی لڑکی سے ملاقات ہوتی ہے وہ میرا نام معلوم ہو جانے کے بعد یہی کہتی ہے۔ آخر آپ میرے متعلق کیا سن چکی ہیں۔"

"کچھ نہیں..... کوئی اور بات کیجئے۔"

"آپ ہی چھیڑیئے کوئی بات۔"

"نہیں آپ تو باتوں کے ماہر ہیں۔"

"خیر میں ہی شروع کرتا ہوں..... سعید بابر سے آپ پہلے بھی.....!"

"نو..... نو..... پلیز..... سعید بابر کی باتیں سنتے سنتے کان پک گئے ہیں۔ پتہ نہیں راحلہ کو اس میں کون سی خوبیاں نظر آئی ہیں۔ نہیں سعید بابر کے علاوہ اور کوئی بات۔"

"سراغ رسانی سے دلچسپی ہے آپ کو۔" حمید نے پوچھا۔

"بہت زیادہ..... حد سے زیادہ..... میرے لئے آپ میں صرف یہی ایک کشش ہے۔"

"ویسے میں بالکل اُلو کا پٹھا ہوں..... کیوں؟"

"نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ آپ کچھ اور نہ سمجھئے گا۔"

"اور کیا سمجھوں گا۔"

"اوہ.....آپ اپنی بات کیجئے۔ ہاں مجھے سراغ رسانی سے بہت دلچسپی ہے۔"

"اچھا تو اگر آپ کسی مفلوج فقیر کو بیمار جانوروں کی طرح رینگ رینگ کر بھیک ما دیکھتیں پھر اچانک ایک دن آپ اس کی لاش بھی دیکھ لیتیں.....اور کچھ ہی دنوں کے بعد ایک سعید بابر آپ کے سامنے آجاتا.....تو.....!"

"کیا بات ہوئی۔ میں خاک بھی نہیں سمجھی۔"

"کچھ دنوں بعد سعید بابر اس طرح آپ کے سامنے آیا کہ اُس مفلوج مردہ فقیر اور س بابر میں سرمو فرق نہیں تھا۔"

"کیا مطلب.....؟"

"دونوں کی شکلیں ایک تھیں۔"

"نہیں.....!"

"یہ حقیقت ہے.....میں سینکڑوں آدمیوں کی شہادت دلوا سکتا ہوں۔"

"اوہو.....تب میں یقیناً اُس کا تذکرہ سننا پسند کروں گی۔"

"کیا آپ کی عدم موجودگی میں وہ لوگ سعید بابر کے یہاں جائیں گے۔"

"پہلے سے وقت مقرر کئے بغیر وہ کسی سے نہیں ملتا۔"

"اُس کا باپ بھی ملے گا۔"

"کیسے.....!"

"اوہ.....کیپٹن حمید آف انٹیلی جنس بیورو سے ملنے سے کون انکار کرے گا۔"

"واہ.....یہ تو ٹھیک ہے مگر آپ اس سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔"

"کچھ نہیں بس ایک نظر دیکھوں گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی تصویر اس سے مختلف ہو۔ ایسا بھی ہوتا ہے مگر کیا آپ کو اس کا پتہ معلوم ہے۔"

"پتہ.....وہاں شاید وہ کنگس لین کی کسی عمارت میں مقیم ہے۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ کنگس لین میں اُسے کہاں تلاش کریں گے۔"

"آپ تو سراغ رساں ہیں۔"

"چلئے!" حمید ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "یہ بھی سہی۔"

اُسے اطمینان تھا کہ وہ کار میں بیٹھے ہی بیٹھے اس کی قیام گاہ کا پتہ لگا لے گا۔ وجہ یہ تھی کہ آج کل سادہ لباس والوں کا انچارج فریدی تھا اور اس نے انہیں کچھ اس انداز میں پھیلایا تھا کہ شہر کے ہر حصے میں دو ایک سادہ لباس والے ہر وقت موجود ملتے تھے۔

حمید نے کار کنگس لین کے موڑ پر روک دی اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ سڑک کی دوسری طرف ایک سادہ لباس والا موجود تھا۔ حمید نے اُسے اشارے سے بلایا۔ وہ بڑی تیزی سے کار کے قریب آیا۔

"یس سر.....!"

"پتہ لگاؤ کہ سعید بابر کہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ وہ افریقہ سے آیا ہے۔"

"سولہ نمبر کی کوٹھی میں جناب.....وہ موجود ہے۔ ایک انگریز سیکریٹری اور تین ملازم ایک چھوٹی سی بڑے بالوں والی کتیا بھی ہے۔"

"بہت خوب! تم لوگ بہت تندہی سے کام کر رہے ہو۔"

"یس سر.....!"

"اب تم جاسکتے ہو۔"

وہ سلام کرکے چلا گیا۔

"یہ سب کتنا سنسنی خیز ہے۔ میرے خدا.....!" سلیمہ نے پرمسرت لہجے میں کہا۔

"ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے۔" حمید نے کہا اور کار کنگس لین کے اندر موڑ دی۔

یہاں دونوں طرف بڑی شاندار عمارتیں تھیں۔ ان کی کار سولہ نمبر کی کوٹھی کے سامنے رک گئی۔ حمید کار کو کمپاؤنڈ کے اندر نہیں لے گیا۔ وہ دونوں اُتر کر پھاٹک میں داخل ہوئے اور برآمدے میں ایک صاف ستھرے ملازم نے ان کا استقبال کیا۔ حمید نے اُسے اپنا کارڈ دے کر کہا۔ "ضروری کام ہے۔"

"صاحب تو سو رہے ہیں.....میں مس صاحب کو اطلاع کئے دیتا ہوں۔"

"صاحب سے کام ہے.....خیر.....مس صاحب ہی سہی۔"

"آپ یہاں تشریف رکھیے۔" اُس نے نشست کے کمرے کی طرف اشارہ کیا
اندر چلا گیا۔

وہ اس کمرے میں آئے۔ سلیمہ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔

"آپ مس صاحب سے مل کر کیا کریں گے۔"

"یہ تو اُس سے ملنے کے بعد ہی سوچوں گا کہ کیا کرنا چاہئے۔"

سلیمہ خاموش ہوگئی۔ مگر شاید اُسے اس طرح انتظار میں بیٹھنا گراں گذر رہا تھا۔ حم
خاموش تھا۔ اچانک قدموں کی آواز سنائی دی۔ پھر دوسرے ہی لمحے میں حمید کو ایسا محسوس ہوا
وہ سچ مچ خواب دیکھ رہا ہو۔ کیونکہ دروازے میں کھڑے ہوئے آدمی اور اُس مفلوج فقیر م
کوئی فرق تھا تو یہی تھا کہ یہ اپنے پیروں پر کھڑا تھا اور وہ بیچارا پیروں سے معذور ہونے کی
گھسٹتا پھرتا تھا۔

• حمید فوراً ہی سنبھل گیا۔ اُس نے اپنے چہرے سے استعجاب نہیں ظاہر ہونے دیا۔

سعید بابر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے آگے بڑھا۔

"میری خوش قسمتی ہے کہ آپ تشریف لائے۔ میرے لائق کوئی خدمت۔" اس نے
گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔ "ایک ضمنی سی کاروائی ہے۔ مجھے اکثر با
آئے ہوئے لوگوں سے پوچھ گچھ کرنی پڑتی ہے۔ میں صرف آپ کے پاسپورٹ پر ایک نظر ڈالونگا

اچانک حمید کو قاسم کا قہقہہ سنائی دیا اور حمید کی روح فنا ہوگئی۔ دوسری طرف سعید با
نوکر کو بلانے کے لئے گھنٹی کا بٹن دبا رہا تھا۔

دوسرے ہی لمحے میں راحلہ، نجمہ اور قاسم کمرے میں داخل ہوئے۔

"ہائیں تم یہاں.....!" قاسم بھاڑ سا منہ کھول کر رہ گیا۔

"ہاں..... میں یہاں ایک سرکاری کام سے آیا ہوں۔" حمید نے جواب دیا۔

"اوہ آپ مس راحلہ.....!" سعید بابر راحلہ کی طرف بڑھا۔

نجمہ سلیمہ سے بولی۔ "یہ کیا حرکت تھی۔" بہر حال کمرے میں عجیب سی افراتفری مچ گئی

بوکھلایا ہوا سا معلوم ہو رہا تھا۔ شاید ایک منٹ بعد حالات اعتدال پر آئے۔

حمید راحلہ سے کہہ رہا تھا "آپ کے پاس سے میں یہیں آتا جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ
بھی یہیں آنے والی ہیں تو میں نے کہا کہ پہلے ہی اپنا کام نپٹاتا چلوں۔ مگر محترمہ سلیمہ
دنی میرے ساتھ چلی آئیں۔"

قاسم نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا اور بند کرلیا۔

"اوہو.....! یہ میری مزید خوش قسمتی ہے کہ آپ میرے دوستوں کے دوست ہیں۔"

سعید بابر نے دوبارہ حمید سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

اُس کا طلب کردہ نوکر آ گیا تھا۔ اُس نے اس سے کہا۔ "مس براؤن کو بھیج دو۔"

قاسم منہ چلانے لگا۔ پھر اُس کے ہونٹوں پر ایک شریری مسکراہٹ نظر آئی اور اس نے
براں کی نظر بچا کر حمید کو آنکھ ماردی۔

"ہم تین سال بعد ملے ہیں محترمہ راحلہ۔" سعید بابر نے راحلہ سے کہا۔ "آپ یہاں
ب سے مقیم ہیں۔"

"ہم ابھی حال ہی میں آئے ہیں۔"

"بڑی اچھی ملاقات رہی۔ خصوصاً آپ سے۔" اُس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں
بڑی شدت سے ایک ہمدرد آفیسر کی ضرورت محسوس کر رہا تھا اور اب تو آپ آفیسر ہی نہیں بلکہ
ست بھی ہیں۔ میرے دوستوں کے دوست! یعنی میرے بھی۔"

"میرے لائق کوئی خدمت....."

"اگر اس نشست کے بعد آپ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکیں تو شکر گذار ہوں گا۔"

"بات کوئی ایسی پوشیدہ بھی نہیں مگر دوسروں کے بور ہونے کا اندیشہ ہے۔"

"نہیں آپ ہر قسم کی گفتگو چھیڑ سکتے ہیں۔" راحلہ نے کہا۔ "بور ہونے کا سوال ہی نہیں
پیدا ہوتا۔"

اتنے میں نوکر نے آ کر اطلاع دی کہ مس براؤن موجود نہیں ہیں۔

"اوہو! وہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔" سعید نے کہا۔ "ٹھیک ہے..... وہ اندر نہ ہوگی۔"

پھر اُس نے اُن لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔ ''آپ سب اپنے ہی ہیں۔ میں بڑا ایک بہت بڑی اُلجھن میں گرفتار ہو گیا ہوں۔''

سب لوگ خاموشی سے اس کے دوسرے جملے کے منتظر رہے۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں یہ داستان کہاں سے شروع کروں۔'' اُس نے طرف دیکھ کر کہا۔ ''ویسے میں آپ سب سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہاں میری شکل و شباہت فقیر بھی آپ کی نظروں سے گذرا ہے۔''

''ارے ہی ہی ہی۔'' قاسم ہنسا۔ ''یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔''

سلیمہ نے حمید کی طرف دیکھا اور حمید نے اپنی بائیں آنکھ دبا دی۔

''آپ نے نہیں دیکھا۔'' سعید نے مایوسی سے کہا۔ ''خیر..... لیکن ایسا سننے میں آ رہا میں بہت پریشان ہوں۔''

''کیا سننے میں آ رہا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''ایسے ہی ایک فقیر کے متعلق..... خیر مشابہت ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔ اکثر ایسا ہوا ہے اور محض مشابہت کی بناء پر میں پریشان نہیں ہو سکتا..... مگر.....!''

حمید کو اُلجھن ہونے لگی۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ جائے۔ رک رک کر بول رہا تھا۔ سب لوگ بڑی توجہ سے سن رہے تھے۔ صرف قاسم ایسا تھا جو بار با بدلتا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بُری طرح اکتا گیا ہو۔

''خیر میں یہ بات وہیں سے شروع کرتا ہوں۔ جہاں سے شروع ہوئی تھی۔ میرا ایک بھائی تھا۔ تیرہ یا چودہ سال کی عمر میں وہ نیروبی سے نکل بھاگا۔ بچپن ہی سے اُس کی حالت تھی۔ وہ رات رات بھر گھر سے غائب رہتا۔ لیکن والد مرحوم اُس سے سختی کا برتاؤ کبھی نہ کر میں کہتا ہوں کہ اُسے اُن کے بے جا لاڈ ہی نے بگاڑا تھا۔ اُس کی ماں یعنی میری سوتیلی والدہ کے بچپن ہی میں مر گئی تھیں۔ محترمہ راحلہ آپ کو تو ان حالات کا علم ہو گا۔''

''نہیں میں نہیں جانتی۔''

''خیر آپ نہ جانتی ہوں گی۔ بہت پرانی بات ہوئی۔ شائد نیروبی والوں کو بھی یاد نہ ہو

ایسی اہم بات بھی نہیں تھی۔ بہر حال ایک رات وہ ہم لوگوں کیلئے ہمیشہ کیلئے غائب ہو گیا۔''

قاسم نے بھاڑ سا منہ پھیلا کر آواز کے ساتھ جماہی لی اور منہ چلاتا ہوا ایک ایک کی دیکھنے لگا۔ پھر اس طرح پلکیں جھپکائیں جیسے سوتے سوتے اٹھا ہو۔

''پھر اچانک مجھے اس کا ایک خط ملا، جو یہیں سے پوسٹ کیا گیا تھا۔ یہ پانچ سال پہلے کی ہے۔ اس نے اپنی خستہ حالی کی داستان لکھی تھی۔ میں نے اُسے لکھا کہ وہ نیروبی واپس لیکن اس نے وہاں آنے سے انکار کر دیا۔ اُس نے مجھے لکھا کہ وہ زیادہ کا مطالبہ نہیں کرتا انا ہی دیتا رہوں جس سے وہ بافراغت بسر اوقات کر سکے۔ میں اُسے تین ہزار ہزار الائیڈ بینک کی معرفت بھیجنے لگا۔ اس سے خط و کتابت بھی برابر رہتی تھی۔ ابھی پچھلے اس نے الائیڈ بینک سے تین ہزار روپے وصول کئے تھے۔ اتفاقاً میرا یہاں آنے کا ہو گیا۔ میں نے اُسے بھی اپنے ارادے سے آگاہ کر دیا تھا۔ اب جو میں اس کی قیام گاہ ہوں تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اس نام کا کوئی آدمی کبھی تھا ہی نہیں۔ اُس عمارت میں مسز خان تقریباً پچیس سال سے رہتی ہے۔ میں نے پڑوسیوں سے بھی اس کی تصدیق انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ رشید بابر نامی کسی آدمی کو نہیں جانتے۔''

''کیا آپ کے بھائی آپ کے ہم شکل تھے۔'' حمید نے پوچھا۔

''جی ہاں..... ہم میں بہت زیادہ مشابہت تھی..... خیر..... اب اپنے ہم شکل ایک فقیر کی رہا ہوں۔ میں بڑی اُلجھن میں ہوں کپتان صاحب۔ اگر رشید وہ رقم وصول کرتا رہا تو بھیک مانگنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر اُسے رقومات نہیں ملیں تو پھر انہیں کون وصول کرتا رہا۔ میرا ہم شکل تھا تو وہ رشید کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔''

''تو یقیناً آپ کا ہم شکل تھا۔'' حمید نے ایک طویل سانس لی۔

''کیا آپ نے اُسے دیکھا تھا۔'' سعید نے بیساختہ پوچھا۔

''جی ہاں..... میں عرصہ تک آپ کے ہم شکل ایک فقیر کو دیکھتا رہا ہوں۔''

''اب مجھے یقین آ گیا۔'' سعید نے آہستہ سے غمگین آواز میں کہا اور بیجان سا ہو کر صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کی پھٹی پھٹی سی آنکھوں میں ویرانی تھی۔ پھر اُس نے تھوڑی دیر بعد

کہا۔ ''میرے خدا!..... یہ کیا اندھیر ہے کہ وہ بھیک مانگتا پھر رہا ہے اور کسی نے پچھلے
کے نام سے تین ہزار روپے وصول کئے ہیں۔ میں نے الائیڈ بینک میں اچھی طرح
ہے۔ اس کا حساب بھی وہاں چلتا تھا۔ آخری رقم جو اس نے وہاں سے نکالی ہے وہ پچاس
اور تین ہزار تو ہر ماہ وصول کرتا رہتا تھا۔''

''وہ رقم کس تاریخ کو نکالی گئی تھی۔'' حمید نے پوچھا۔

''میرے یہاں پہنچنے سے تین دن پہلے یعنی..... سات جنوری کو۔''

''سات جنوری.....!'' حمید بے ساختہ چونک پڑا۔

''جی ہاں..... اسی تاریخ کو اُس نے پچاس ہزار روپے بینک سے نکالے تھے اور
بڑی رقم تھی۔ اب اس کے اکاؤنٹ میں صرف سات روپے پڑے ہوئے ہیں۔''

''سات روپے..... سات جنوری۔'' حمید بڑبڑایا۔ ''اور یہی سات جنوری اُس کی
بھی تاریخ ہے۔''

''موت.....!'' سعید بابر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ''یہ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''کسی نہ کسی سے تو آپ کو اس کی اطلاع ملی ہی تھی۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''جی ہاں..... سات جنوری کو اس کی لاش صدر کے ایک فٹ پاتھ پر دیکھی گئی تھی
وہ دھم سے صوفے میں گر گیا اور تینوں لڑکیاں اس کے گرد اکٹھا ہو گئیں۔ وہ بیہوش
تھا، لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے سکتہ ہو گیا ہو۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن پلکیں
متحرک نہیں تھیں۔

اچانک ایک فائر ہوا اور گولی راحلہ کے سر پر سے گذرتی ہوئی سامنے کی دیوار
کھڑکی کے شیشے میں ایک ناہموار سا سوراخ تھا۔ راحلہ تو دھڑام سے فرش پر آ رہی اور
لوگ بدحواسی میں اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ حمید اچھل کر برآمدے میں آ رہا۔ اُس نے اُس
طرف دیکھا جس سے گذر کر گولی اندر پہنچی تھی اور پھر اس کے سیدھ میں دوڑنے لگا۔ لیکن
سامنے والی مہندی کی باڑھ کے پیچھے اُسے کوئی بھی نہیں دکھائی دیا۔ سعید کے تینوں نوکر
کی آواز سن کر ہی باہر آئے تھے۔

فائر اور لڑکی

حمید نے کمپاؤنڈ کا چپہ چپہ چھان مارا، لیکن اُسے ایک بھی ایسا آدمی نہیں مل سکا جسے وہ
فائر کرنے کے الزام میں جکڑ لیتا۔ پھر اُس نے عمارت کے اندر بھی چھان بین شروع کی، لیکن
نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ سعید بابر بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔

''ہو سکتا ہے کہ یہ فائر میرے ہی لئے رہا ہو۔'' اس نے کہا۔

''آپ کے لئے کیوں؟''

''جو میرے بھائی کی موت کا باعث بنا ہے، وہ میری زندگی کا خواہاں بھی ہو سکتا ہے۔
ظاہر ہے کہ اس نے رشید کے نام پر ایک لاکھ اسی ہزار روپے وصول کئے۔ اب جب کہ میں
یہاں آ گیا ہوں، لازمی بات ہے کہ ان واقعات کی رپورٹ پولیس کو دوں گا۔ لہٰذا قبل اس کے
کہ میں ان کے خلاف کوئی کاروائی کروں، وہ مجھے بھی ختم کر دینا چاہتا ہے۔''

''نائیں..... نائیں۔'' قاسم حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر دھاڑا۔ ''یہ بڑا منحوس آدمی ہے۔
جہاں اس کے قدم جاتے ہیں، ٹھائیں ٹھائیں شروع ہو جاتی ہے۔''

''نہیں جناب یہ میری خوش قسمتی ہے کہ کپتان صاحب یہاں اس وقت تشریف رکھتے
تھے، ورنہ غیر ملکیوں کی شکایات پر کون کان دھرتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ انہوں نے اپنی
آنکھوں سے دیکھ لیا۔''

''بڑی خوش قسمتی۔'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''ذرا بلاؤ..... وہ کون ہے مس بلیک.....
اُسے بلاؤ پھر دیکھوں خوش قسمتی۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔'' سعید بابر نے کہا۔

''قاسم بھائی..... کیا بکواس لگا رکھی ہے آپ نے۔'' راحلہ نے اُسے ڈانٹا اور قاسم بُرا سا
منہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

سعید بابر حیرت سے ایک ایک کی صورت دیکھ رہا تھا۔ راحلہ نے اپنی داہنی کنپٹی کے

قریب انگلی لے جا کر اُسے چکر دیا۔ مطلب یہ تھا کہ قاسم کا اسکریو ڈھیلا ہے۔

''اوہ.....اچھا.....!'' سعید بابر پھر حمید سے مخاطب ہو گیا۔ ''ہاں تو..... جناب اب م
زندگی بھی خطرے میں پڑ گئی ہے، لیکن میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک
اُس مردود کا پتہ نہ لگ جائے جس کی بدولت میرا بھائی ایڑیاں رگڑ کر مر گیا۔''

''قدرتی بات ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔

اچانک ایک نوکر دوڑتا ہوا کمرے میں آیا۔ اُس کی سانسیں چڑھی ہوئی تھیں اور چہرہ
تھا۔ ''مس صاحب.....!'' وہ ہانپتا ہوا بولا۔ ''گودام میں..... بورے میں!''

''کیا بات ہے۔'' سعید بابر اُسے گھورنے لگا۔

''مس صاحبہ..... گودام میں بیہوش.....!''

''ارے.....!'' وہ دروازے کی طرف جھپٹتا ہوا بولا۔ ''کپتان صاحب۔''

''آپ لوگ یہیں ٹھہریں۔'' حمید نے دوسروں سے کہا اور اس کے پیچھے چلا گیا۔ ا
دروازے سے باہر بھی نہیں نکلا تھا کہ قاسم بڑبڑایا۔ ''کھالینا..... مس ساب کو..... ہاں۔''
راحلہ اُس پر برس پڑی۔

سعید بابر بڑی تیزی سے راہداری طے کر رہا تھا۔ پھر وہ ایک کمرے کے سامنے ر
جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ حمید نے محسوس کیا کہ سعید بابر اندر جاتے ہوئے ہچکچا رہا ہے۔
شاید اُس نوکر کا منتظر تھا جس نے اُسے اطلاع دی تھی۔

''کہاں مر گئے تھے۔'' وہ اچانک نوکر پر برس پڑا جو لنگڑاتا ہوا اسی طرف آ رہا تھا۔
شاید اس بھاگ دوڑ میں اس کے پیر میں چوٹ آ گئی تھی۔

''اندر جناب..... وہ اُدھر.....!''

''چلو.....!'' سعید بابر نے اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ نوکر کے پیچھے ہی پیچھے وہ دونوں
بھی اندر داخل ہوئے۔

حمید کو سامنے ہی دو ٹانگیں نظر آئیں جن پر کشمشی رنگ کے اسٹاکنگ تھے اور ٹاپ ہیل
جوتے..... آدھا دھڑ ایک بورے میں تھا۔

سعید بابر کے ہاتھ پیر بُری طرح کانپنے لگے تھے۔ آنکھیں
حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں اور وہ کسی اعصاب زدہ آدمی کی طرح مخبوط الحواس نظر آ رہا تھا۔

''یہ..... یہ کپتان صاحب..... میری سیکریٹری..... مس براؤن۔''

''تو پھر نکالئے نا..... پتہ نہیں یہ لاش ہے یا.....!''

''لاش.....!'' سعید بابر کے حلق سے چیخ سی نکلی اور لڑکھڑاتا ہوا دیوار سے جا لگا۔

''آپ بھی کمال کرتے ہیں۔'' حمید جھنجھلا گیا اور خود ہی اُسے بورے سے نکالنے کی
کوشش کرنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ایک بڑی خوبصورت انگریز لڑکی فرش پر چت پڑی ہوئی
تھی۔ وہ مردہ نہیں تھی۔ صرف بیہوش تھی۔ مگر اب سعید بابر خوفزدہ نہیں تھا۔ البتہ اُس کے چہرے
پر حیرت کے آثار ضرور تھے اور اس کا ملازم بھی متحیر ہی نظر آ رہا تھا۔

''کیا یہ یہیں پڑی رہے گی۔'' حمید نے کہا۔

''جی.....!'' سعید بیساختہ چونک پڑا۔ ''جی ہاں..... جی نہیں۔''

''مسٹر سعید۔'' حمید بولا۔ ''مجھے بڑی حیرت ہے۔ اُس فائر نے آپ کو اتنا زیادہ پریشان
نہیں کیا تھا۔''

''ٹھیک ہے۔'' سعید بڑبڑایا۔ ''یہ واقعہ اُس فائر سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے۔''

''نہیں میرے خیال سے یہ بھی اُسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ممکن ہے اس نے فائر
کرنے والے کو دیکھ لیا ہو۔ یعنی فائر کرنے سے قبل! اور وہ اپنی اسکیم کو ناکام ہوتے دیکھ کر یہ
حرکت کر بیٹھا ہو۔''

''مگر..... میں نہیں جانتا یہ کون ہے۔''

''کیا مطلب.....!'' حمید چونک کر اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ''کیا مس براؤن نہیں ہے۔''

''نہیں..... یہ مس براؤن نہیں ہے۔'' سعید نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

حمید نے نوکر کی طرف دیکھا اور نوکر بھی سر ہلا کر بولا۔ ''یہ اپنی مس ساب نہیں ہیں۔''

''آپ اسے پہچانتے بھی نہیں۔''

''نہیں جناب..... مجھے حیرت ہے۔ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔''

"مس براؤن کہاں ہے۔"

"وہ دو گھنٹے کے لئے باہر گئی ہے۔"

"مگر آپ کے ملازم نے تو کہا تھا کہ صاحب سو رہے ہیں۔ میں مس صاحب کو خبر کرتا ہوں۔"

"میری جگہ اگر آپ بھی ہوتے تو یہی کرتے۔"

"یعنی.....!"

"آپ خود سوچئے کپتان صاحب، ایسے آدمی کی حالت کیا ہوگی جس کا کوئی ہم شکل نہ بھی موجود ہو۔ تصویر شائع ہوتے ہی پریس رپورٹروں کا تار بندھ گیا۔ سینکڑوں آدمی بھی دیکھ کیلئے آئے۔ میرے خدا..... میں حیلہ نہ کرتا تو اور کیا کرتا۔ لسلی براؤن لوگوں سے گفتگو کر کرتے تنگ آ گئی اور اسے بھی ٹل جانا پڑا۔ ملازم کو شائد علم نہیں تھا کہ وہ باہر چلی گئی ہے۔"

"اوہ..... اچھا! مگر یہ واقعی بڑی حیرت انگیز بات ہے۔ گولی باہر سے چلائی گئی تھی۔ اس لڑکی نے حملہ آور کو دیکھ لیا تھا تو حملہ آور نے اسے بیہوش کر کے یہاں اندر لانے کا خطرہ کیوں مول لیا۔ وہ اُسے کمپاؤنڈ ہی میں کہیں بیہوش کر کے ڈال سکتا تھا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کپتان صاحب۔ آخر اسے یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔ میں یقیناً کسی بہت بڑی سازش کا شکار ہو گیا ہوں۔"

چند لمحہ خاموش رہ کر پھر حمید نے کہا۔ "کیا یہ یہیں پڑی رہے گی۔"

"جو کچھ آپ فرمائیں کیا جائے۔" سعید نے جواب دیا۔

"اسے کسی ہوادار کمرے میں لے چلنا چاہیئے۔"

"نہیں!" سعید بولا..... "بیرونی برآمدے میں..... نہ جانے یہ ہوش میں آ کر کون سا نیا کھڑا کرے۔ نہیں کپتان مجھے بہت محتاط رہنا چاہیئے۔"

"ہوں.....!" حمید نے سر ہلا دیا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ اُسے اُس کو اٹھانے میں پہل نہ کرنی چاہیئے۔ سعید بابر حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اسے اٹھایئے۔" حمید نے کہا۔

"میں کیوں اٹھاؤں۔" سعید بابر جھنجھلائے ہوئے سے لہجے میں بولا۔

حمید نے نوکر کی طرف دیکھا۔ وہ بھی کانپتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ پھر حمید نے بیہوش لڑکی کو اٹھا لیا اور بیرونی برآمدے کی طرف جانے والی راہداری طے کرنے لگا۔ سعید بابر اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

قاسم کی نظر اس جلوس پر پہلے پڑی اور وہ بیساختہ چنگھاڑا۔ "دیکھا..... میں نہ کہتا تھا..... ہاہا۔"

"چلو..... ایک صوفہ اٹھا لاؤ اندر سے.....!"

"اچھا..... اچھا.....!"

قاسم نے ڈرائنگ روم کا ایک صوفہ اس طرح اٹھا لیا جیسے وہ کوئی کھلونا ہو۔ صوفہ برآمدے میں ڈال دیا گیا اور بیہوش لڑکی اس پر ڈال دی گئی۔ قاسم منہ کھولے پلکیں جھپکا رہا تھا۔ کبھی وہ حمید کی طرف دیکھتا اور کبھی بیہوش لڑکی کی طرف۔ تینوں لڑکیاں بھی وہیں پہنچ گئی تھیں۔

تقریباً پندرہ یا بیس منٹ تک وہ مختلف تدبیریں عمل میں لاتے رہے لیکن اُسے ہوش نہیں آیا۔ مگر اس دوران میں نہ تو سعید ہی نے کسی ڈاکٹر کو بلانے کی تجویز پیش کی اور نہ ہی حمید نے اس کے متعلق سوچا۔

پورے آدھ گھنٹے کے بعد لڑکی کسمسائی۔ پپوٹوں میں متواتر جنبش ہونے لگیں اور پھر اس نے کروٹ لینے کی کوشش کی، لیکن سلیمہ اگر جلدی سے آگے بڑھ کر ہاتھ نہ لگا دیتی تو وہ صوفے کے نیچے چلی آئی ہوتی۔ سلیمہ کا ہاتھ لگتے ہی وہ اچھل کر بیٹھ گئی۔ چند لمحے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتی رہی پھر ہذیانی انداز میں چیخی۔

"میں یہاں نہیں رہوں گی..... میں اس ملک میں نہیں رہوں گی۔"

"وہ سب خاموش رہے۔"

"مسٹر بابر میں آپ سے کہہ رہی ہوں۔" وہ پھر اُسی انداز میں چیخی۔ "میں واپس جاؤں گی۔"

"آپ مجھے کیا جانیں..... آپ کون ہیں۔" بابر نے پوچھا۔

"کیا.....؟" لڑکی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"آپ کون ہیں! یہاں کیسے آئیں۔" بابر نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" لڑکی نے بُرا سا منہ بنا کر تلخ لہجے میں کہا۔ "میرا

سر چکرا رہا ہے۔ وہ کم بخت میرا گلا گھونٹ رہا تھا۔ یہ مکان بھوتوں کا مسکن ہے۔ میں اب یہاں نہیں رہوں گی۔"

"تم مجھے اُلو نہیں بنا سکتیں۔" دفعتاً سعید بابر گرجا۔ "یہاں ایک سرکاری آفیسر بھی موجود ہیں سمجھیں۔"

"مسٹر بابر.....!" لڑکی نے متحیرانہ آواز میں کہا۔

"تم کون ہو۔ کیا چاہتی ہو۔" سعید بابر نے سخت لہجے میں کہا۔

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" لڑکی ہاتھ ہلا کر رو دینے کے سے انداز میں بولی

"ہاں.....!" قاسم بڑے خلوص سے بڑبڑایا۔ "آپ خواہ مخواہ مذاق کر رہے ہیں۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"میں پوچھتا ہوں تم کون ہو۔" سعید بابر جھلا گیا۔ "سیدھی طرح بتاؤ، ورنہ میں پولیس کو رنگ کروں گا۔"

"مسٹر بابر کیا آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" لڑکی بھی چیخ پڑی۔ "آپ مجھے پہچانتے.....للی براؤن کو نہیں پہچانتے۔"

"للی براؤن....." بابر حلق پھاڑ کر چیخا۔ "تم مجھے اندھا بنا رہی ہو۔ پاگل بنا رہی ہو۔ تم للی براؤن ہو، دن دہاڑے میری آنکھوں میں دھول جھونکو گی۔"

"میں پاگل ہو جاؤں گی۔ تم مجھے جھٹلا رہے ہو۔" لڑکی اپنے بال نوچنے لگی اور حمید چکرا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کسے جھوٹا سمجھے اور کسے سچا۔

"اُمیں.....یہ تمہارے قدم کی برکت ہے.....ہاں۔" قاسم نے ہنس کر حمید سے کہا۔

حمید اس کی طرف دھیان دیئے بغیر بولا۔ "آپ سب براہِ کرم خاموش رہیں۔" پھر اس نے لڑکی سے پوچھا۔ "تم للی براؤن ہو۔"

"میں نہیں جانتی۔" لڑکی غرائی۔ "یہ اچھا مذاق ہے۔ لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا میں للی براؤن ہوں۔ مسٹر بابر اگر آپ نے مجھے اس طرح ذلیل کرنا تھا تو یہاں لائے کیوں تھے۔"

"مسٹر بابر..... تمہیں للی براؤن تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"تب تو پھر وہ نشے میں ہیں یا اُن کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ آپ ان نوکروں سے پوچھئے۔"

مگر نوکروں نے بھی اُسے للی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

"اب تم کیا کہو گی۔" حمید بولا۔ "یہ بھی تمہیں پہچاننے سے انکار کرتے ہیں۔"

للی براؤن غصیلی آنکھوں سے ایک ایک کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے سعید بابر سے کہا۔ "مسٹر بابر میں کیا سمجھوں۔ کیا آپ یہاں ایک اجنبی ملک میں مجھے ملازمت سے برطرف کرنا چاہتے ہیں۔"

"کپتان صاحب! میں سچ مچ پاگل ہو جاؤں گا۔" سعید بابر نے حمید سے کہا۔ "یہ کوئی بہت بڑی سازش ہے۔ اسے حراست میں لیجئے۔ مگر للی براؤن.....وہ یقیناً خطرے میں ہوں گی۔ یہ لڑکی نکل کر جانے نہ پائے ورنہ للی براؤن کی موت کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔"

"آپ نتائج اخذ کرنے میں جلدی کر رہے ہیں۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

پھر لڑکی سے بولا۔ "تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ للی براؤن تم ہو۔"

"ثبوت.....خدا کی پناہ.....ارے ثبوت میں میرے کاغذات موجود ہیں۔ میرا پاسپورٹ جس پر میری تصویر موجود ہے۔"

"میں پاسپورٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"میں ابھی لاتی ہوں.....!" وہ اٹھ کر عمارت کے اندر جانے لگی۔

"ہائیں..... ہائیں۔" سعید بابر متحیرانہ انداز میں چیخا۔ "اندر کہاں.....خبر دار۔"

لڑکی نے دروازے پر رک کر اُسے غصیلی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ میرا سامان بھی ہضم کر لیں گے۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ اپنے صندوق سے پاسپورٹ نکالوں گی۔"

"کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں۔" سعید بابر نے اپنے بازو میں زور سے چٹکی لی اور "سی" کر کے رہ گیا۔

"تم اور مسٹر بابر تمہارے ساتھ چلیں گے ٹھہرو۔" حمید نے کہا اور سعید کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا۔

"چلو گھر چلیں۔" قاسم نے لڑکیوں سے کہا۔ وہ کچھ بوکھلایا ہوا سا نظر آنے لگا تھا۔

انگریز لڑکی بڑی تیزی سے چلتی رہی۔ ایک کمرے کے دروازے پر رک کر اُس نے کنجی نکالی اور اُسے ہینڈل کے سوراخ میں ڈال کر دروازہ کھولا اور کمرے میں چلی گئی۔

"یہ غلط ہے..... یہ ناممکن ہے..... یہ لسلی کی چیزوں میں ہاتھ نہیں لگا سکتی۔" سعید بابر نے کہا اور حمید کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

"ٹھہریئے..... صبر سے کام لیجئے۔ زیادہ بے صبری اچھی نہیں ہوتی۔" حمید بولا۔

لڑکی پاسپورٹ لئے ہوئے کمرے سے نکل آئی۔ اُس کے چہرے پر شدید غصے کے آثار تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ذرا سی ٹھیس پر پھٹ پڑے گی۔

"یہ لیجئے..... یہ ہے پاسپورٹ..... مگر مجھے یقین ہے کہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

حمید پاسپورٹ لے کر دیکھنے لگا..... تصویر اسی لڑکی کی تھی۔ نام لسلی براؤن، سکونت نیروبی، پیشہ ملازمت اور پتہ سعید بابر ہی کا تھا۔ حمید نے پاسپورٹ سعید بابر کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ فراڈ ہے۔ کھلا ہوا فراڈ۔ میں دلدل میں پھنس رہا ہوں۔"

"تم خود فراڈ ہو۔" لڑکی ہذیانی انداز میں چیخی اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں گھسیٹ لے گئی۔ "یہ دیکھئے..... یہ ساری چیزیں میری ہیں۔ یہ جوتے میرے پیروں میں فٹ ہوتے ہیں، یہ ملبوسات میرے جسم پر فٹ ہوتے ہیں۔"

سعید بابر بھی کمرے میں گھس آیا تھا۔ لڑکی مختلف جوتے اور سینڈل پہن پہن کر حمید کو دکھانے لگی۔

"ان صندوقوں کی کنجیاں میرے پاس ہیں۔" اس نے کہا..... اور سعید بابر کو گھونسہ دکھا کر چنگھاڑی۔ "یہ کمینہ پن ہے..... تم مجھے اس اجنبی دیس میں ملازمت سے برطرف نہیں کر سکتے۔ اگر یہاں کا قانون میرا ساتھ نہیں دے گا تو میں تمہیں گولی مار دوں گی۔"

"آپ سن رہے ہیں۔" سعید بابر نے حمید سے کہا۔

"ہاں میں سن رہا ہوں مسٹر سعید بابر! لیکن فی الحال کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اس کے کاغذات پولیس کو مطمئن کر دینے کے لئے کافی ہوں گے۔ آپ یا آپ کے تین نوکروں کے

بیانات ان کاغذات کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتے..... یا پھر آپ کوئی ٹھوس ثبوت پیش کیجئے کہ وہ لسلی براؤن نہیں ہے۔"

"میں ڈوب گیا۔" سعید بابر آہستہ سے بڑبڑایا بلکہ اسی انداز میں جیسے خود سے مخاطب ہو۔ پھر اُس نے حمید سے کہا۔ "کیا آپ کی موجودگی میں مجھ پر فائر نہیں کیا گیا تھا۔"

"آپ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ فائر آپ ہی کے لئے تھا۔ ہو سکتا ہے نشانہ اور کوئی رہا ہو۔ آپ کے علاوہ کمرے میں پانچ افراد اور بھی تھے۔"

"ان حالات میں..... جبکہ..... میرا بھائی۔"

"اس کے لئے بھی آپ کے پاس کوئی واضح ثبوت نہیں ہے۔ محض شباہت کی بناء پر وہ فقیر آپ کا بھائی نہیں ہو سکتا۔ اپنے بھائی کی تلاش جاری رکھئے۔ ہو سکتا ہے وہ کسی بناء پر آپ کے سامنے نہ آنا چاہتا ہو۔"

"آپ تو میرا بیڑا ہی غرق کئے دے رہے ہیں۔" سعید بابر نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"فی الحال آپ اس لڑکی کا معاملہ طے کیجئے۔"

"معاملہ کیا طے کرنا ہے۔ مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا ہے کہ اسے اپنے ساتھ رہنے دوں۔ یہ حوالات میں رہے گی۔ اس وقت تک جب تک کہ میری سیکریٹری لسلی براؤن کا پتہ نہ بتا دے۔ اس کے پاس اُس کے صندوقوں کی کنجیاں تک موجود ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔" حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "آپ براہِ راست پولیس سے رابطہ قائم کیجئے۔"

"لیکن آپ میری مدد نہیں کریں گے۔" سعید بابر نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "حالانکہ آپ میرے دوستوں کے دوست ہیں۔"

"اور ایک ذمہ دار آفیسر بھی۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔

ڈرائنگ روم میں صرف راحلہ موجود تھی۔ قاسم وغیرہ جا چکے تھے۔ حمید سوچنے لگا کہ کم از کم لیکر کو تو اس کا انتظار کرنا ہی چاہئے تھا۔

"بکواس بند کرو۔ میرے کان نہ کھاؤ۔" فریدی نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔ حمید کو بڑی حیر
ہوئی۔ سعید بابر والا واقعہ ایسا ہی تھا کہ معمول کے مطابق فریدی کو اس میں کافی دلچسپی لی
چاہئے تھی۔ پھر حمید کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ فریدی بولا۔ "فی الحال صرف اتنی ہی بات میں ہ
دلچسپی لے سکتا ہے کہ سعید بابر کے ڈرائنگ روم میں کسی نے فائر کیا تھا وہ بھی اُس صورت م
جب سعید بابر اس کی اطلاع پولیس کو دے۔"

"بس اتنی سی بات۔" حمید نے مایوسی سے کہا۔ "مگر وہ اس لڑکی کا معاملہ۔"

"وہ بھی کچھ نہیں ہے۔ سعید بابر کو چاہئے کہ کیس کو اپنے سفارت خانے میں پ
کرے۔ ہم سے براہِ راست اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ویسے اگر تمہیں لڑکی کے معاملے
تفتیش تفریحاً کرنی ہو تو فارن برانچ میں جا کر اس کے ویزا کا انکوائری فارم نکلوا لو۔ اس پر لسلی
براؤن کی تصویر موجود ہوگی۔"

حمید اٹھ کر دفتر کے اُس کمرے میں آیا جہاں باہر سے آنے والوں کے کاغذات کا ریکا
رہتا تھا۔ اُس نے متعلقہ کلرک سے پچھلے ایک ماہ کے کاغذات نکالنے کو کہا۔ اُسے ان لوگوں
آمد کی صحیح تاریخ کا علم نہیں تھا۔ کلرک نے دو ہی چار فارم الٹے تھے کہ حمید کی نظر اُسی لڑکی
تصویر پر پڑی جو سعید بابر کے یہاں بیہوش ملی تھی۔ اس نے فارم کا ایک ایک کالم دیکھ ڈالا۔
پھر اُسے تسلیم کرلینا پڑا کہ لسلی براؤن اُس لڑکی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتی۔

حمید پھر فریدی کے کمرے میں واپس آیا۔ فریدی غور سے اس کی بات سنتا رہا۔ پھر بولا
"بس تو یہ سعید بابر کوئی فراڈ کر رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی وجہ سے وہ اُس لڑکی سے
پیچھا چھڑانا چاہتا ہو۔ مگر وہ بڑا احمق معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کاغذات کی موجودگی میں ا
کی بات کون سنے گا۔"

"نہیں جناب! وہ اتنا احمق نہیں ہوسکتا کہ اس قسم کی کوئی حرکت کرے۔ وہ کافی چالا
آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ خود ہی کسی سازش کا شکار ہوگیا۔ مگر کسی شکایت کے بغیر ہم کوئی کارروا

کر سکتے ہیں۔"

اچانک ریسیپشن روم کے اردلی نے کمرے میں داخل ہو کر کسی کا وزیٹنگ کارڈ حمید کو دیا۔

"اوہو.....سعید بابر۔" حمید بڑبڑایا۔ پھر اردلی سے پوچھا۔ "تنہا ہے۔"

"جی ہاں.....!"

"اچھا کہہ دو میں آرہا ہوں۔"

اردلی چلا گیا۔ حمید نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "پتہ نہیں اب وہ کیا سنانے آیا ہے۔"

"تم چلو! میں بھی آرہا ہوں۔ اس آدمی کو کم از کم دیکھ ہی لوں۔ لیکن تم اُس سے میرا
تعارف نہیں کراؤ گے۔"

"یعنی میں آپ سے گفتگو بھی نہیں کروں گا۔"

"نہیں قطعی نہیں۔"

حمید اٹھ گیا۔ ریسیپشن روم میں سعید بابر اس کا منتظر تھا۔ حمید نے اُس کے چہرے پر دلی
کیفیات پڑھ لیں۔ وہ بہت زیادہ پریشان معلوم ہوتا تھا۔

"کپتان صاحب! آپ خفا ہو کر چلے آئے تھے۔ حالانکہ میں مظلوم اور آپ کی امداد کا
مستحق ہوں۔ کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ میں کسی وجہ سے اس لڑکی کو لسلی براؤن تسلیم نہیں کرنا
چاہتا۔ کیا میں اتنا احمق ہوں کہ کاغذات کو جھٹلا کر خواہ مخواہ اپنی گردن پھنسانے کی کوشش کرونگا۔"

"یہی تو میں بھی نہیں سمجھ سکتا۔"

"اب میں آپ کو لسلی براؤن کا پاسپورٹ دکھانے لایا ہوں۔ اُس وقت میں بہت زیادہ
الجھن میں تھا اور یہ بھول گیا تھا کہ لسلی براؤن کا پاسپورٹ میرے ہی پاس موجود ہے۔"

اُس نے جیب سے ایک پاسپورٹ نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔ اس پاسپورٹ کی
تصویر اس لڑکی سے مختلف تھی۔ بہت فرق تھا۔ زمین و آسمان کا فرق.....اتنے میں فریدی بھی
ریسیپشن روم میں آ گیا۔

"اچھا تو آپ نے اور اس لسلی نے ساتھ ہی اپنی آمد یہاں یہاں درج کرائی تھی۔"
فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں..... ہم دونوں ساتھ آئے تھے۔ انکوائری فارم تو ہوگا آپ کے یہاں۔
اپنا اطمینان کر لیجئے۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی نے اُسے آنکھ ماری۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ اسے دوبا
انکوائری فارم کا تذکرہ کرنے سے روکنا چاہتا ہے۔

"اچھا جناب.....!" حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "آپ یہ پاسپورٹ میر
پاس چھوڑ دیجئے۔ میں دیکھوں گا۔"

"مگر میں لسلی کے لئے کیا کروں۔ وہ صرف دو گھنٹے کے لئے باہر گئی تھی لیکن چار
گذر چکے ہیں کپتان صاحب! پتہ نہیں وہ کس حال میں اور کہاں ہوگی۔ اُس کے لئے
کیجئے۔ آپ میرے دوستوں کے دوست ہیں۔ آپ پر میرا حق ہے۔"

"وہ کہاں گئی تھی۔"

"اس نے کسی جگہ کا نام نہیں لیا تھا۔ بس وہ پریس رپورٹروں کے ہجوم سے گھبرا کر چلی گئی تھی"

"میں دیکھوں گا کہ اُس کے لئے کیا کرسکتا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "اچھا وہ لڑکی ا
وقت کہاں ہے۔"

"میں اُسے نوکروں کی نگرانی میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ ویسے وہ لسلی براؤن اس لئے بنی
کہ ہر وقت میرے سر پر سوار رہے۔ یہ میرا اپنا خیال ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ لسلی براؤن
زندگی خطرہ میں ہوگی۔ کچھ کیجئے۔"

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جو سعید بابر کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"میں کچھ نہ کچھ ضرور کروں گا۔ آپ مطمئن رہئے۔" حمید آہستہ سے بولا۔

سعید بابر زیادہ دیر نہیں ٹھہرا۔ فریدی اس دوران میں خاموش ہی رہا تھا۔ سعید کے
جانے پر وہ اٹھا اور حمید سے مخاطب ہوئے بغیر ریسپشن روم سے چلا گیا۔

حمید ایک بار پھر ریکارڈ روم میں بیٹھا فارموں کا فائیل الٹ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ
پاسپورٹ کا ویزا انکوائری فارم فائیل میں موجود نہ ہوگا۔ مگر دوسرے ہی لمحے میں اس کی کھوپڑی
ناچنے لگی کیونکہ اس دوسری لسلی براؤن کا انکوائری فارم بھی فائیل میں موجود تھا اور اس لڑکی کی

بھی اسی تاریخ کو ہوئی تھی جس تاریخ کو دوسری لڑکی کی ہوئی تھی۔

وہ سناٹے میں آ گیا..... اپنی نوعیت کا واحد کیس..... وہ کافی دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا۔

حیرت انگیز نشانات

سعید بابر بے خبر سو رہا تھا۔ اچانک اُس کی آنکھ کھل گئی۔ پتہ نہیں وہ کسی قسم کی آواز تھی یا
بد بابر کی چھٹی حس..... جس نے اُسے جگا دیا تھا وہ اٹھ بیٹھا۔ کمرہ کی کھڑکیاں بھی بند تھیں۔
بدنے گھڑی کی طرف دیکھا دو بج رہے تھے۔ سردیوں کی پہاڑ سی رات کائنات پر مسلط تھی۔
دفعتاً اُسے داہنی طرف کی کھڑکی میں ہلکی سی سرسراہٹ سنائی دی، وہ دبے پاؤں بستر سے
ا۔ اُس کے چہرے پر ذرہ برابر بھی بے اطمینانی یا پریشانی کے آثار نہیں تھے۔ وہ پنجوں کے
چلتا ہوا میز کے قریب آیا۔ بہ آہستگی اس کی دراز کھینچی اور اندر ہاتھ ڈال کر ایک ریوالور نکالا
کا دستہ ہاتھی دانت کا تھا۔ اُس نے اُس پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔

کمرے میں مدھم سی نیلے رنگ کی روشنی تھی۔ اچانک وہی کھڑکی اپنے فریم سمیت ہلنے لگی
میں سرسراہٹ کی آواز ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ فریم سمیت دیوار سے نکل کر
اہر آ گرے گی۔ چاروں طرف کا پلاسٹر اُدھڑتا جا رہا تھا۔

پھر اچانک وہ فرش پر آ گری اور ساتھ ہی سعید نے دیوار کی خلاء میں فائر کر دیا۔

ایک چیخ دور تک سناٹے میں لہراتی چلی گئی۔ مگر وہ چیخ نہیں ہوسکتی تھی، وہ تو کسی ریلوے
کی سیٹی تھی۔ اُس کے فوراً بعد ہی ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے کوئی ریلوے انجن پے در پے
چھوڑ رہا ہو۔ پھر بھاگتے ہوئے بھاری قدموں کی آوازیں۔ سعید بابر نے ریوالور خالی کر دیا۔

ذرا ہی سی دیر میں پھر وہی پہلے کا سا سناٹا طاری ہوگیا، لیکن سعید بابر نے اپنے کمپاؤنڈ
کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ کار وہیں سے اسٹارٹ ہوئی۔

پھر وہ بڑی تیزی سے باہر نکلا۔ ساری عمارت سنسان پڑی تھی۔ لیکن اب وہ اتنا احمق بھی
تھا کہ کمپاؤنڈ میں ٹارچ روشن کرتا۔ نوکروں کے کوارٹروں میں بھی روشنی نہیں نظر آ رہی تھی۔
پڑے سو رہے تھے یا خوف کی وجہ سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں رہ گئی تھی۔ سعید تھوڑی دیر تک

برآمدے میں کھڑا رہا پھر اندر چلا گیا۔ ایک کمرے میں پہنچ کر اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا طرف گیا اور محض ہندسوں کی ترتیب کو ذہن میں رکھ کر اندھیرے ہی میں کسی کے نمبر کرنے لگا۔ دوسری بار ریسیور اٹھا لیا گیا۔

"ہیلو.....!" دوسری طرف سے ایک بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔

"میں کیپٹن حمید صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کون صاحب ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اُن سے کہیئے کہ سعید بابر فون پر ہے۔"

"وہ سو رہا ہے۔"

"آپ کون ہیں؟"

"فریدی.....!"

"اوہ..... کرنل صاحب..... معاف فرمایئے گا۔ میں نے ناوقت آپ کو تکلیف دی۔ خطرے میں ہوں جناب..... کسی نے میری خواب گاہ کی کھڑکی گرا کر اندر گھسنے کی کوشش کی میں نے فائر کر دیا۔ اب سناٹا ہے، لیکن مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ روشنی کر سکوں۔"

"کیا کہا آپ نے..... کھڑکی گرا دی گئی۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"جی ہاں..... فریم سمیت دیوار سے نکل آئی ہے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔"

"مجھے خود حیرت ہے جناب..... میں کسی قسم کی آواز سن کر جاگ پڑا تھا۔ میں نے کھڑ کے چاروں طرف کا پلاسٹر اُدھڑتے دیکھا۔ پھر فریم اپنی جگہ سے کھسکا اور پوری کھڑکی آ گری۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی آہستہ آہستہ اُس پر زور آزمائی کر رہا ہو۔ ہیلو..... ہاں..... آپ خود سوچئے..... مجھے بالکل تنہا سمجھئے۔ میں نے چھ فائر کیے تھے، لیکن نوکروں کان پر جوں تک نہ رینگی۔ وہ بدستور اپنے کوارٹروں میں ہیں۔"

"لڑکی کہاں ہے۔"

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ رات کا کھانا اُس نے زبردستی میرے ساتھ کھایا تھا اور

کے کمرے میں سونے چلی گئی تھی۔ اب ایک اور مصیبت آ گئی ہے، ہم اپنے یہاں کے کے دفتر میں گئے تھے، وہاں سے حکم ملا ہے کہ انکوائری کے درمیان میں میں اُسے نگرانی میں رکھوں۔"

"جی ہاں۔" دوسری طرف سے آواز آئی "میں آ رہا ہوں، آپ جہاں ہیں وہیں ٹھہریئے، کھڑکی باہر ہی کی طرف سے کھلتی رہی ہوگی۔"

"جی ہاں۔"

"کس طرف۔"

"بائیں بازو کی..... دیکھئے بتاتا ہوں، چوتھی..... نہیں پانچویں..... ہاں پانچویں ہی تو ہے بائیں بازو کی پانچویں کھڑکی ہے۔"

"اچھا..... آپ وہیں ٹھہریئے جہاں اس وقت ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور منقطع کر دیا گیا۔ سعید بابر چند لمحے وہیں کھڑا رہا پھر ٹٹولتا ہوا ایک طرف چل پڑا۔ ایسا ہو رہا تھا جیسے وہ بہت جلدی میں ہو۔ کئی جگہ تو لڑکھڑا کر گرتے گرتے بچا۔ لیکن وہ بڑھتا رہا تھا۔ پھر ایک کمرے میں گھس کر اس کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

لیکن زیادہ دیر تک اندر نہیں ٹھہرا۔ اب وہ پھر اُسی کمرے کی طرف جا رہا تھا جہاں نے کی فریدی نے تاکید کی تھی۔ اب کیا وقت تھا۔ سعید اندازہ نہیں کر سکا۔ لیکن اُسے اس کا اس تھا کہ فون کرنے کے بعد سے اب تک ایک گھنٹے کی مدت ضرور گذری ہوگی۔

اچانک اندر گھنٹی بجی۔ شاید برآمدے میں کوئی گھنٹی کا بٹن دبا رہا تھا۔ سعید نے سوچا آنے فریدی کے علاوہ اور کون ہوگا۔

وہ برآمدے کی طرف جھپٹا..... برآمدے میں اندھیرا تھا۔

"مسٹر بابر.....!" کسی نے برآمدے سے کہا۔

"کون..... اوہ..... کیا..... کرنل صاحب۔"

"ہاں..... میں ہوں..... اب آپ روشنی کر سکتے ہیں۔"

سعید بابر نے سوئچ بورڈ ٹٹول کر برآمدے میں روشنی کر دی۔ اس کے سامنے ایک دراز قد

آدمی سیاہ السٹر اور سیاہ فلٹ ہیٹ میں کھڑا تھا۔ روشنی ہوتے ہی اس نے فلٹ ہیٹ کو اوپر اٹھا دیا۔ سعید بابر کو ابھی تک فریدی سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ویسے اس نے شہرت بہت پہلے سنی تھی۔ افریقہ کے پولیس افسروں میں اکثر اس کے تذکرے رہا کرتے کیونکہ وہ بین الاقوامی شہرت کا مالک تھا۔

"خوش آمدید.....!" سعید بابر ہاتھ پھیلا کر آگے بڑھتا ہوا بولا۔ "ہم پہلی بار مل ہیں کرنل صاحب! آپ کے متعلق میرا اندازہ غلط تھا، آپ تو مجھ سے بھی کم عمر معلوم ہوتے ہیں

"میں آپ کی خواب گاہ دیکھنا چاہتا ہوں مسٹر بابر۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

اس دوران میں اس کی نظر ایک بار بھی سعید بابر کے چہرے سے نہیں ہٹی تھی۔

"اوہ..... جی ہاں..... آیئے۔" سعید بابر نے کہا اور آگے بڑھ کر ٹارچ کی روشنی اسے راستہ دکھانے لگا۔

وہ خواب گاہ میں آئے جہاں کھڑکی فریم سمیت اب بھی فرش پر پڑی ہوئی تھی اور کے دونوں طرف ادھڑے ہوئے پلاسٹر کے ڈھیر تھے۔ فریدی چند لمحے تیز نظروں سے کر جائزہ لیتا رہا پھر ایک طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آپ نے شاید وہاں سے فائر کیا تھا۔"

"جی ہاں وہیں سے۔"

"آپ کے فائر سے کوئی زخمی ہوا ہے، کیونکہ باہر دیوار پر خون ہے۔"

"اوہ..... میں نے ایک چیخ سنی تھی..... مگر.....!"

"مگر..... کیا.....!"

"میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ چیخ ہی تھی۔ جناب عجیب طرح کی آواز تھی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی ریلوے انجن کی سیٹی ہو۔ پھر ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے انجن کر تیزی سے اسٹیم چھوڑ رہا ہو۔"

"جناب میری معلومات میں کوئی نیا اضافہ ہونے والا ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"یقین کیجئے..... جو کچھ میں نے سنا تھا عرض کر دیا۔"

"اس کھڑکی کے نیچے کچھ بڑے عجیب قسم کے نشانات ہیں۔" فریدی نے دیوار کی طر

نے اشارہ کیا اور پھر سعید بابر کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"ان نشانات کا مطالعہ میرے لئے بڑا دلچسپ ثابت ہوگا۔" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"کیسے نشانات ہیں۔"

"اگر آپ دیکھنا چاہیں.....!"

"میں ضرور دیکھوں گا.....!" سعید بابر نے کہا اور فریدی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ کمپاؤنڈ میں آئے۔ ان کے ہاتھوں میں ٹارچیں تھیں۔ عمارت کے بائیں بازو کی طرف کر فریدی رک گیا اور بولا۔

"ذرا احتیاط سے..... میں روشنی دکھا رہا ہوں۔ کہیں وہ نشانات ضائع نہ ہو جائیں۔"

وہ پھر چلے۔ فریدی زمین پر روشنی ڈالتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ کہیں کہیں وہ سعید بابر سے ہٹ کر چلنے کو کہتا۔ کھڑکی کے سامنے وہ رک گئے۔

"یہ نشانات.....!" فریدی نے ایک جگہ روشنی ڈالی۔

یہاں زمین نرم اور نم آلود تھی اس لئے نشانات کافی گہرے تھے۔ سعید بابر جھک کر دیکھنے لگا لیکن شاید اُس کی سمجھ میں نہ آ سکا تھا۔ وہ سیدھا کھڑا ہو کر بے دلی سے بولا۔ "جی ہاں..... یہ نشانات.....!"

"شاید آپ نے غور سے نہیں دیکھا۔" فریدی مسکرایا۔ "ورنہ آپ کے چہرے پر حیرت کے آثار ضرور ہوتے۔"

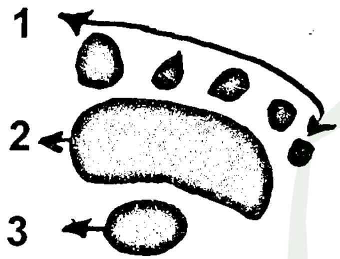
"یہ حقیقت ہے کہ میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔"

"یہ نشانات دور تک ہیں اور ان کی ترتیب بتاتی ہے کہ یہ کسی ایسے جانور کے پیروں کے نشانات ہیں جو صرف دو پیروں سے چلتا ہے۔"

"گوریلا.....!" سعید بابر بڑبڑایا۔

"نہیں گوریلے کے پیر سپاٹ ہوتے ہیں۔ تلووں میں اتنی گہرائی نہیں ہوتی..... یہ دیکھئے۔"

فریدی ایک تنکا اٹھا کر نشان کے مختلف حصوں کی طرف اشارہ کرنے لگا۔



’’یہ انگلیاں[1]..... یہ انگلیوں کے[2] نیچے کا ابھار..... اور یہ گول[3] نشان..... جو ایڑی ہ
ہوسکتا ہے۔ ایڑی اور انگلیوں کے نیچے کے اُبھار کا فاصلہ دیکھئے۔ تلوے کتنے گہرے ہ
گوریلے کے تلوؤں میں گہرائی نہیں ہوتی۔ یہ کسی آدمی کا پیر ہو ہی نہیں سکتا۔ مختلف قسم
جانوروں کے متعلق ’’میری معلومات کم نہیں ہیں۔ مگر یہ پیر..... یقیناً میری معلومات کے دائر
سے باہر ہے۔‘‘

’’پھر یہ کیا ہے۔‘‘ سعید بابر کی آواز حلق میں پھنسنے لگی تھی۔

’’خدا بہتر جانتا ہے.....!‘‘ فریدی سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ ’’میں اپنے فوٹو گرافر
بلانا چاہتا ہوں..... آپ کا فون استعمال کروں گا۔‘‘

’’اوہ..... ضرور..... ضرور.....!‘‘

فریدی نے دوبارہ عمارت میں داخل ہوکر اپنے محکمے کے فوٹو گرافر کو فون کیا
دونوں ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے۔

سعید بابر کا چہرہ زرد تھا اور ہونٹ خشک ہو گئے تھے۔ فریدی نے ایک بار پھر اُسے غور
دیکھا اور باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں گھورنے لگا۔ پھر اُس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

’’جتنی جلد ہوسکے آپ یہاں سے چلے جایئے۔‘‘

سعید بابر نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔

’’کرنل صاحب میرا بھائی اگر ایڑیاں رگڑ کر مر گیا۔ میں اُسے تین ہزار روپے بھجواتا

ن پاتھ پر گھسٹ گھسٹ کر بھیک مانگتا رہا۔ خواہ میری جان چلی جائے میں اس آدمی کو سزا دیئے
بغیر نہیں جاؤں گا، جو اس حرکت کا ذمہ دار ہے۔ آپ خود سوچئے۔ اگر آپ کا کوئی بھائی.....!‘‘

’’آپ نے الائیڈ بنک میں تحقیق کی تھی۔‘‘

’’جی ہاں..... ہر ماہ تین ہزار کا ڈرافٹ رشید بابر کے اکاؤنٹ میں جمع ہوتا رہا تھا اور
رشید بابر کے چیک پر ادائیگی ہوتی رہی تھی۔ میرے یہاں پہنچنے سے تین دن قبل آخری رقم
پچاس ہزار نکالی گئی اور اسی دن شام کو میرے بھائی کی لاش ایک فٹ پاتھ پر ملی۔ میرے
خدا..... کتنی زبردست ٹریجڈی ہے۔‘‘

’’پہلے ڈرافٹ پر کس نے تصدیق کی تھی کہ یہی رشید بابر ہے۔‘‘ فریدی نے سوال کیا۔

’’میجر داراب نے۔‘‘

’’یہ کون ہے۔‘‘

’’داراب اینڈ کمپنی کا پروپرائٹر..... اس کی فرم ہم سے لین دین رکھتی ہے۔ میں نے اُسے
لکھ دیا تھا کہ وہ اس ڈرافٹ کی تصدیق کر کے رشید بابر کا اکاؤنٹ کھلوا دے۔‘‘

’’آپ اس سلسلے میں اس سے ضرور ملے ہوں گے۔ قدرتی بات ہے۔‘‘

’’جی ہاں..... میں اُس سے بھی پوچھ گچھ کر چکا ہوں۔‘‘

’’وہ کیا کہتا ہے۔‘‘

’’اُسے کچھ یاد نہیں۔ بات پانچ سال پرانی ہے۔ میرے یاد دلانے پر اُس نے یہ تو تسلیم
کرلیا کہ اُس نے میرے لکھنے پر کسی کے ڈرافٹ کی تصدیق کی تھی۔ جب اسے اس کا نام بھی
یاد نہیں تو پھر صورت شکل یاد رکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔‘‘

’’داراب سے آپ پہلی بار کب ملے تھے۔‘‘

’’بس ابھی حال ہی میں۔ البتہ کاروباری تعلقات شاید پندرہ سال پرانے ہیں۔‘‘

’’یعنی اس ڈرافٹ کی تصدیق سے پہلے اُس نے آپ کو نہیں دیکھا تھا۔‘‘

’’جی نہیں..... میں نے عرض کیا نا کہ ابھی حال ہی میں ہم دونوں ایک دوسرے کے
صورت آشنا ہوئے ہیں۔‘‘

"تب تو وہ اس واقعہ کو بھلا دینے میں حق بجانب ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں.....؟ میں نہیں سمجھا۔"

"اگر وہ آپ کو پہلے دیکھ چکا ہوتا تو رشید بابر اُسے آج بھی یاد ہوتا۔ محض اتنی قری مشابہت کی بناء پر حیرت انگیز چیزیں ہمیشہ یاد رہتی ہیں۔ کیوں..... مثلاً یہ آپ کی سیکریٹری والا قصہ مجھے یاد رہے گا۔"

"اور شاید میں اُسے قبر میں یاد کر کے متحیر ہوتا رہوں۔" سعید بابر نے تلخ لہجے میں کہا۔

"یہ لڑکی لسلی براؤن کب سے آپ کے پاس ہے۔"

"تقریباً تین سال سے۔"

"آپ کو اچھی طرح یاد ہے۔" فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں..... مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

"تو پھر نیروبی سے آئی ہوئی اطلاعات غلط ہوں گی۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب.....!" سعید بابر بیساختہ چونک پڑا۔

"میں نے آج ہی بذریعہ وائرلیس ٹیلی گرافی یہ معلومات بہم پہنچائی ہیں کہ آپ کی فر سے تعلق رکھنے والا ایک فرد بھی لسلی براؤن نامی کسی لڑکی کو نہیں جانتا۔"

"اوہ.....!" سعید بابر ہنسنے لگا۔ فریدی استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"آپ نے یہی پوچھا تھا کہ وہ کب سے میرے پاس ہے۔"

"ہاں! یہی پوچھا تھا۔"

"یہ تو نہیں پوچھا تھا کہ وہ میری سیکریٹری کب سے ہے۔ اگر آپ یہ پوچھتے تو میں عر کرتا کہ وہ صرف کاغذات پر میری سیکریٹری ہے اور کاغذات پر بھی اُس وقت آئی جب پاسپورٹ بنوانے لگے تھے۔ ظاہر ہے کہ میرے اور اس کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہیں ہو سکتا سچ پوچھئے تو یہ سفر محض اسی کے اصرار پر ہوا تھا، مگر اب....."

سعید بابر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "اب میں نے اُسے کھو دیا ہے۔"

"محبوبہ.....!" فریدی مسکرایا۔

جواب میں سعید بابر نے پھر ایک ٹھنڈی سانس لی اور خاموش ہو گیا۔

عدنان اپنے گھر میں ایک طرح سے قید ہی تھا۔ وہ تنویر کی عدم موجودگی میں بھی گھر سے نہیں نکال سکتا تھا۔ اگر وہ ایسا کرتا بھی تو اُسے اپنی اس ناعاقبت اندیشی پر زندگی بھر پشیمانی کیونکہ یہاں تنویر کی حکومت تھی۔ اگر وہ گھر سے باہر جانے پر زور دیتا تو ملازمین اس کی بے نی تنگ کر بیٹھتے۔

وہ اپنی ماں کی سخت گیریوں سے تنگ آ گیا تھا۔ مگر قہر درویش بر جان درویش، اس میں ہمت نہیں تھی کہ اس کے خلاف آواز اٹھا سکتا۔ اُس کی دانست میں اس کی ماں کریک تھی۔ وہ اپنی ماں ہی کا بیٹا تھا۔ وہ زیادہ تر ایسی ہی حرکتیں کرتا جو تنویر کو ناپسند تھیں۔

آج صبح ہی تنویر کہیں گئی ہوئی تھی۔ دو باڈی گارڈ اس کے ساتھ تھے۔ عدنان کے باڈی گھر ہی پر موجود تھے۔ اس نے انہیں طلب کیا۔

"تم دونوں نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی بڑا کام بھی کیا ہے۔" عدنان نے بڑی حقارت پوچھا۔

وہ دونوں خاموش رہے۔

"کیا تم بہرے ہو۔" عدنان گرجا۔

"نہیں جناب! ہم آپ کا سوال ہی نہیں سمجھ سکے۔"

"تم بڑا کام نہیں سمجھتے..... کیوں؟"

"سمجھتے تو ہیں..... مگر سوال کا مقصد سمجھے بغیر جواب کیسے دیا جا سکتا ہے۔"

"آج تمہیں ایک بڑا کام انجام دینا ہے۔"

"فرمائیے۔"

"اُس کمرے کا تالا توڑیں گے جس میں مادام تنویر کے علاوہ اور کوئی نہیں جاتا ہے۔"

"ہم سے یہ نہیں ہو سکے گا جناب۔"

"کیا تم میرا حکم ماننے سے انکار کر رہے ہو۔"

"جہاں مادام تنویر کی کوئی بات آ پڑے وہاں ہم یقیناً انکار کر دیں گے۔"

"میں تمہیں گولی مار دوں گا۔" عدنان گرجا۔

"گولی مار دیجئے.....مگر یہ بڑا کام ہم سے نہیں ہو سکے گا۔"

عدنان خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد مسکرا کر نرم لہجے میں بولا۔ "مادام تنویر کو اس کا نہیں ہونے پائے گا۔ تم آخر اتنا ڈرتے کیوں ہو، تم میرے باڈی گارڈ ہو۔ تمہارے تعلق برا راست مجھ سے ہے۔ تمہارے افعال کے لئے میں جوابدہ ہوں۔"

"ہم مجبور ہیں جناب۔"

وہ دونوں منہ لٹکائے ہوئے چلے گئے۔ عدنان کچھ دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ تنویر کے نجی آفس کی طرف چلا گیا۔ یہاں تین لڑکیاں کلرک تھیں، جو تنویر کے نجی اخراجات دیکھ بھال کیا کرتی تھیں۔ عدنان نے ان میں سے ایک کو الگ بلایا، یہ لڑکی ابھی حال ہی آئی تھی اور شاید اُسے اس عمارت کے مکینوں کے متعلق کچھ نہیں معلوم تھا، تنویر کو بھی اُس ایک آدھ بار دیکھا تھا۔

"تم مجھے جانتی ہو۔ میں عدنان ہوں۔" عدنان نے اُس سے کہا۔

"جی ہاں.....!"

"میرا ایک کام کر دو گی۔"

"فرمائیے۔"

"اگر تم میری مدد کرو گی تو ہم ہمیشہ کے لئے گہرے دوست بن جائیں گے۔"

"ہاں..... ہاں..... بتائیے۔" لڑکی نے کہا۔ عدنان عورتوں کے لئے پُرکشش تھا۔

"میری ماں لیمو بہت پسند کرتی ہے، مگر مجھے نہیں کھانے دیتی۔ میں اس کے لیمو چاہتا ہوں۔"

لڑکی ہنسنے لگی اور عدنان بولا۔ "میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ ایک کمرے میں لیموؤں اسٹاک رہتا ہے۔ میں تمہارے لئے بھی نکال لاؤں گا۔ بس تم راہداری کے سرے پر کھڑ

بھی رہنا کہ کوئی اُدھر آ تو نہیں رہا ہے۔"

"چلئے.....!" لڑکی پھر ہنس پڑی۔ وہ دونوں اُس راہداری میں آئے جس کے دوسرے سرے پر اُس پُراسرار کمرے کا دروازہ تھا۔ لڑکی راہداری کے اسی سرے پر رک گئی۔

عدنان نے جیب سے ایک مڑا ہوا تار نکالا اور دروازے میں پڑے ہوئے قفل پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔ قفل کھلنے میں دیر نہیں لگی۔ اُس نے دروازے میں تھوڑا سا درہ کیا۔ کمرے میں گہری تاریکی تھی۔ اندر سے ایک عجیب قسم کی بدبو کا بھپکا آیا لیکن عدنان جو تنویر کا بیٹا تھا دروازہ کھول کر دھڑ دھڑاتا ہوا اندر گھس گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ راہداری میں تھا۔ اُس کے حلق سے ایک عجیب سی چیخ نکلی کسی نے اُسے اٹھا کر کمرے سے باہر پھینک دیا تھا۔ لڑکی تو یہ واقعہ دیکھتے ہی سر پر پیر رکھ کر بھاگ گئی۔ عدنان کے گھٹنوں اور سر میں کافی چوٹیں آئیں۔

دوسری طرف اُس کے باڈی گارڈ چیخ سن کر دوڑ پڑے تھے۔ سامنے والے کمرے کا دروازہ بند تھا لیکن قفل انہیں راہداری کے فرش پر پڑا دکھائی دیا۔ انہوں نے خوفزدہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے عدنان کو اٹھانے لگے۔ وہ اسے سہارا دیتے ہوئے راہداری سے نکال لائے۔

یہ اتفاق ہی تھا کہ ٹھیک اُسی وقت تنویر بھی آ پہنچی۔ عدنان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اُس نے باڈی گارڈوں سے اس کے متعلق پوچھا۔ پہلے تو وہ ہچکچاتے رہے، لیکن پھر انہیں بتانا ہی پڑا کہ عدنان نے اُس کمرے کا قفل کھول لیا تھا۔

تنویر بے تحاشہ دوڑتی ہوئی راہداری میں چلی گئی۔ عدنان ایک کرسی میں پڑا ہانپتا رہا۔

"میں تم دونوں کو جان سے مار دوں گا..... سمجھے!" وہ انہیں گھونسہ دکھا کر بولا۔

"ہم کیا کرتے جناب۔"

"شٹ اپ.....!"

دو چار منٹ بعد تنویر واپس آ گئی، لیکن اُس کا موڈ بہت خراب معلوم ہو رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں چمڑے کا چابک تھا۔

"عدنان! کھڑے ہو جاؤ" اُس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

عدنان چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ چاروں باڈی گارڈ وہیں کھڑے تھے۔

"تم لوگ جاؤ۔" عدنان نے اُن سے کہا۔

"نہیں.....وہ یہیں ٹھہریں گے۔" تنویر نے سرد لہجے میں کہا۔ "تم اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔"

عدنان نے ہاتھ بھی اٹھا دیئے۔ تنویر کا چابک والا ہاتھ حرکت میں آ گیا۔

"شائیں...شائیں۔" عدنان کے پشت پر چابک پڑ رہے تھے اور وہ ہونٹ بھینچے کھڑا رہا۔

"میں گن رہا ہوں۔" عدنان نے تلخ لہجے میں کہا۔

"گنتے رہو۔" تنویر کا ہاتھ تیزی سے چلنے لگا۔

"یہ پتھر پر نہیں.....میرے جسم پر پڑ رہے ہیں مادام تنویر.....مگر میرے سینے میں بھی پتھر کا دل ہے۔"

"تمہاری دھمکیاں مجھے اور زیادہ سنگدل بنا دیں گی۔" تنویر بولی۔ لیکن اس کا ہاتھ چلتا رہا۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اُسے روک دیتا۔ باڈی گارڈ کھڑے کانپتے رہے۔

"میں بس نہیں کہوں گا.....مادام تنویر۔" عدنان نے کہا۔ "اور نہ رحم کی درخواست کروں گا۔"

تنویر کا ہاتھ رک گیا۔ چابک فرش پر ڈال کر وہ کرسی میں گر گئی۔ اس کی آنکھیں بڑی خونخوار نظر آ رہی تھیں۔ اچانک عدنان نے چابک اٹھایا اور چاروں باڈی گارڈوں پر ٹوٹ پڑا۔

"اُلو کے پٹھو.....میں نے تم سے کہا تھا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔"

باڈی گارڈ ایک دوسرے پر گرتے پڑتے بھاگ نکلے۔

میجر داراب

حمید کے لئے یہ گتھی عجیب تھی۔ مگر اُسے اس گتھی میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ جس الجھاؤ میں کسی عورت کو بھی دخل ہوتا تھا، وہ کم از کم حمید کی ذہنی جمناسٹک سے بچا ہی رہتا تھا۔ کہنے کو حمید پھر حمید ٹھہرا.....ظاہر ہے کہ عورت اُس کے حصے میں آئی اور گتھی فریدی کے حصے میں۔

ثابت کرنا فریدی کا کام تھا کہ وہ لڑکی حقیقتاً لسلی براؤن تھی یا کوئی اور۔ حمید کے لئے تو وہ صرف لڑکی تھی۔ اگر اس کا نام لسلی براؤن کی بجائے کیوی بوٹ پالش براؤن ہوتا تب بھی وہ اس میں اتنی ہی دلچسپی لیتا۔

وہ سعید بابر کی کوٹھی کے چکر لگانے لگا۔ دن میں کئی کئی بار کوئی نیا سوال تیار کر کے جا پہنچتا اور سعید بابر اس بات پر بے تحاشہ خوشی کا اظہار کرتا کہ محکمہ سراغ رسانی کے دو بہترین دماغ اُس کے معاملے میں اتنی دلچسپی لے رہے ہیں۔

آج اچانک اس کی ملاقات اس لڑکی سے ہو گئی جسے سعید بابر کڑی نگرانی میں رکھتا تھا اور اسے باہر نہیں نکلنے دیا جاتا تھا۔ وہ حمید کو برآمدے ہی میں ملی اور اُس کے سر پر دو نوکر مسلط تھے۔ سعید بابر گھر میں موجود نہیں تھا۔

لڑکی نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا اور ایک تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "وہ شریف آدمی گھر پر موجود نہیں ہے۔"

"اوہ.....اچھا.....!"

"لیکن ٹھہریئے.....میں آپ سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔"

"اوہ.....ضرور.....!" حمید وہیں ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"مجھے یہ سزا کیوں دی گئی ہے۔ کیا آپ بتا سکیں گے۔"

"سزا تو تم نے آج کل ہم لوگوں کو دے رکھی ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"کیا آپ لوگ نیروبی سے براہِ راست نہیں معلوم کر سکتے۔ میں آپ کو اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے پتے دے سکتی ہوں۔"

"کیا وہ لوگ اس کی بھی تصدیق کر سکیں گے کہ تم سعید بابر کی سکریٹری ہو۔"

لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ اُس کے چہرے کی رنگت بڑی تیزی سے بدل رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے سر اٹھایا۔ اُس کی آنکھیں غمگین تھیں اور چہرے پر پہلے سے زیادہ نرماہٹ تھی۔ اُس نے آہستہ سے کہا۔ "نہیں اس کی تصدیق نہیں کر سکیں گے۔"

"اس کا جواب وہی ذلیل کتا دے سکتا ہے۔ لیکن اب تو وہ مجھے لسلی براؤن ہی تسلیم

کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ یہ مرد بڑے کتے ہوتے ہیں۔ کبھی تمہارے لئے ٹھنڈی آہیں بھریں گے..... روئیں گے۔ گڑگڑائیں گے اور کبھی اس طرح منہ پھیر لیں گے جیسے..... میں کہوں..... سعید بابر اور میں گہرے دوست تھے۔ ایک دوسرے کو بے حد چاہتے تھے لیکن یہ اُس سے چھپ کر ملتی تھی۔ کیونکہ افریقہ کے انگریز بہت متعصب ہیں۔ وہ کالوں سے نفرت کرتے ہیں حالانکہ سعید بابر بہتیرے انگریزوں سے بھی زیادہ حسین ہے مگر اس کا تعلق کالی نسل سے ہے۔ اور اب میں کہتی ہوں کہ افریقہ کے انگریز اپنے تعصب میں حق بجانب ہیں۔ سعید بابر مجھے یہاں اپنی سیکریٹری بنا کر لایا تھا اور اب یہاں آ کر ایک نئی مصیبت میں پھنسا دیا۔ مقصد میں نہیں جانتی کہ کیا ہو سکتا ہے۔ یہ ہمارا ایک تفریحی سفر تھا۔ ویسے وہ اپنے کسی بھائی سے بھی ملنا چاہتا تھا۔"

"سعید کے آدمیوں کو تو اس کا علم ہوگا کہ تم اس کی سیکریٹری کی حیثیت سے سفر کرنے والی ہو۔"

"کوئی نہیں جانتا۔ کسی کو بھی اس کا علم نہیں۔ میرے عزیز اور دوست یہی سمجھتے ہیں کہ سفر موماسہ ہی تک محدود ہوگا۔ میں نے اُن سے یہی کہا تھا کہ میں تین ماہ موماسہ میں بسر کروں گی۔"

"یہی وجہ ہے کہ سعید بابر.....!" حمید جملہ پورا کرنے سے پہلے ہی خاموش ہوگیا۔

"ہاں! ہاں..... کہئے..... سچی بات ہر حال میں کہہ دینی چاہئے۔ آپ کی زبان رک کیوں گئی۔ آپ یہی کہنا چاہتے ہیں نا کہ اسی لئے سعید اور زیادہ صفائی سے جھوٹ بول رہا ہے۔"

"خدا جانے..... میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"ہاں..... آپ مجھے اس قید سے رہائی نہیں دلا سکتے۔ میں اچھی خاصی قیدی ہوں۔ الامور کے دفتر سے سعید کو ہدایت ملی ہے کہ انکوائری کے دوران میں وہ مجھے اپنی نگرانی میں رکھے۔ مگر نگرانی کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ میں کہیں قید کر دی جاؤں۔ سعید کے علاوہ میں اور کسی کو یہاں نہیں جانتی۔ مگر تازہ ہوا اور کھلے آسمان پر تو ہر آدمی کا حق ہوتا ہے۔ ان دیواروں میں میرا دم گھٹ رہا ہے۔ میں مرجاؤں گی۔"

"آپ میرے ساتھ باہر چل سکتی ہیں۔"

"سچ.....!" لڑکی پُرمسرت انداز میں چیخی۔

"جی ہاں.....!"

"مگر یہ.....!" لڑکی نے نوکروں کی طرف دیکھا۔

"میں انہیں اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔" حمید نے نوکروں سے کہا۔

"صاحب کی اجازت نہیں ہے۔" ایک نوکر نے بڑے ادب سے جواب دیا۔

"ان سے کہہ دینا کپتان صاحب اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔"

"اُن کا انتظار کر لیجئے تو بہتر ہے۔"

حمید نے بات آگے نہیں بڑھائی۔ وہ سمجھتا تھا کہ لڑکی اس طرح باہر نہیں جا سکے گی۔ لہٰذا اُس نے بھی مناسب سمجھا کہ سعید کا انتظار ہی کرے۔

آج کل ہائی سرکل نائٹ کلب میں رقص کے پروگرام ہو رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہ لڑکی اس کے ساتھ ہوئی تو کلب میں اس کی خاصی دھوم رہے گی۔

اُسے تقریباً آدھے گھنٹے تک سعید بابر کا انتظار کرنا پڑا پھر جیسے ہی وہ آیا حمید اسے اپنے ساتھ لیتا ہوا اندر چلا گیا۔ لڑکی برآمدے ہی میں رہ گئی۔

"میں آپ کا بہت شکر گذار ہوں کپتان صاحب لیکن میری زندگی خطرے میں ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں ابھی تک آپ کے لئے کچھ نہیں کر سکا۔" حمید بولا۔

"میں ابھی تک دراصل اپنے ہی ایک معاملے میں ادھر کے چکر لگاتا رہا ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"بھئی بات یہ ہے کہ ویزا انکوائری سیکشن میرے ہی چارج میں ہے اور میں آج آپ پر یہ حقیقت واضح کر رہا ہوں کہ دونوں لڑکیوں کے انکوائری فارم ریکارڈ روم میں موجود ہیں۔ دونوں ہی لسلی براؤن اور مسٹر سعید بابر کی سیکریٹری۔"

"میرے خدا.....!" سعید بابر منہ کھول کر رک گیا۔

"جی ہاں..... یہ متعلقہ کلرک کی غلطی ہے کہ اس نے اس پر دھیان نہیں دیا۔ آپ خود

سوچ سکتے ہیں کہ سیکشن کی کتنی بدنامی ہوگی۔"

"یقیناً..... یقیناً.....!"

"بس یہی چکر ہے۔ میرا خیال ہے کہ آج سے میں اس لڑکی کو چکر دینا شروع کردوں اس طرح کام نہیں بنے گا۔ لہٰذا میں اسے اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔"

سعید بابر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ چند لمحے خاموش رہا، پھر تفکر آمیز لہجے میں بولا۔ "ناظم الامور کی دفتر سے.....!"

"مجھے معلوم ہے کہ وہ آپ کی نگرانی میں ہے، مگر آپ یہ نہ بھولئے کہ یہاں کے محکمہ سراغ رسانی کے ساتھ بھی فراڈ کیا گیا ہے۔"

"آپ جو مناسب سمجھئے کیجئے.....!" اس نے مردہ سی آواز میں کہا۔ "لیکن مجھے میری لسلی براؤن ضرور ملنی چاہئے۔ ورنہ میں اس لڑکی کو گولی ماردوں گا۔ بھائی سے تو ہاتھ دھو چکا..... پتہ نہیں کیا چکر ہے۔"

"مجرم بہت جلد سزا کو پہنچیں گے۔" حمید نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر محبت آمیز انداز میں کہا۔ "جس کام میں کرنل فریدی کا ہاتھ پڑ جائے اس کا بیڑا پار ہی سمجھئے۔"

جب حمید لڑکی کو ساتھ لے کر چلنے لگا تو سعید بابر نے اردو میں کہا۔ "بہت محتاط رہئے گا کپتان صاحب۔"

"مجھ سے زیادہ محتاط آج تک کوئی پیدا نہیں ہوا۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا اور وہ دونوں کار میں بیٹھ گئے۔

"وہ آپ کا کہنا مان گیا۔" لڑکی نے کہا۔

"میں ایک ذمہ دار آفیسر ہوں۔ اس لئے اس وقت تمہیں یہاں کی ایک بہترین تفریح گاہ میں لے جاؤں گا۔"

"اوہ..... آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

"تو سعید بابر نے تمہیں دھوکا دیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"یقیناً..... مگر اس کا مقصد میں ابھی تک نہیں سمجھ سکی۔ ہم دونوں ابھی تک محض دوست

رہے ہیں۔ میں بھی اُسے صرف اسی حد تک پسند کرتی ہوں۔ ہماری شادی کا بھی کوئی امکان نہیں رہا ہے۔ پھر اس کی اس حرکت کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔"

"تم اس کے اُس بھائی کے متعلق کیا جانتی ہو جس سے ملنے کے لئے وہ یہاں آیا تھا۔"

"کچھ بھی نہیں جانتی۔ اس نے بس یونہی روا روی میں اس کا تذکرہ کیا تھا۔ وہ بھی محض اس لئے کہ وہ اس سے بہت مشابہ تھا۔"

"تم دونوں نے ساتھ ہی اپنی آمد یہاں درج کرائی تھی۔"

"ہاں! ہم دونوں ساتھ گئے تھے۔"

اسکے بعد حمید نے کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ اس کے قریب ہی اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اُسکے جسم سے اٹھنے والی لیونڈر کی بھینی بھینی خوشبو حمید کے ذہن پر بُری طرح مسلط ہوگئی تھی۔ وہ بیداری میں خواب دیکھنے لگا تھا۔ ویسے اُسے اس کا ہوش تھا کہ کہیں ایکسیڈنٹ نہ ہوجائے۔

کار ہائی سرکل نائٹ کلب میں رکی، وہ دونوں ہال میں جانے سے پہلے منیجر کے کمرے میں گھس گئے۔ منیجر کمرے ہی میں موجود تھا۔ حمید کو دیکھ کر بڑے ادب سے کھڑا ہوگیا۔

"کرنل صاحب بھی تشریف رکھتے ہیں۔" اُس نے کہا اور لڑکی کو گھورنے لگا۔

"کہاں تشریف رکھتے ہیں۔" حمید بوکھلا گیا۔

"ہال میں..... ہوسکتا ہے انہیں علم ہوگیا ہو کہ آپ ایک سروِ گلزار شباب کے ساتھ یہاں قدم رنجہ فرمائیں گے۔"

"شٹ اپ.....!" حمید جھنجھلا گیا۔

"ارے نہیں کپتان صاحب"۔

دل بہت بلبلِ شیدا کا ہے نازک گلچیں
پھول گلزار میں یوں توڑ کہ آواز نہ ہو

"فرنیچر ٹوٹنے کی آواز پسند کرو گے۔" حمید آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"اررر..... دیکھئے..... بس دور ہی رہئے گا۔ بقول شاعر..... جی ہاں..... سراپا ناز آپ کے ساتھ ہے اور آپ مجھ سے دھول دھپا کرنے چلے ہیں۔"

حمید رک گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فریدی یہاں کیوں آیا۔ بھلا فریدی کو کسی

نائٹ کلب سے کیا سروکار۔

''میں فی الحال یہیں بیٹھوں گا۔'' حمید نے اس سے کہا۔ ''جب فریدی صاحب پلٹ جائیں تو مجھے اطلاع دینا۔''

''گویا میں وہاں جا کر یہ دیکھتا رہوں کہ وہ کب تشریف لے گئے۔''

''ہاں.....!''

''کیا آپ مجھے کوئی گرا پڑا آدمی سمجھتے ہیں۔'' منیجر نے اکڑ کر انگریزی میں کہا۔

''اگر تم نے انگریزی میں اپنی قابلیت کا اظہار کیا تو تمہاری گردن مروڑ دوں گا۔''

''آپ مجھے دھمکا رہے ہیں۔''

''تم بیٹھ جاؤ۔'' حمید نے لڑکی کی طرف مڑ کر کہا۔ مگر لڑکی غائب تھی۔ حمید دروازے کی طرف جھپٹا۔ مگر وہ برآمدے میں بھی نظر نہیں آئی۔ حمید ہال کی طرف دوڑا۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلا گیا۔ ریکریئیشن ہال میں بھی دیکھا لیکن وہ کہیں نہ ملی۔ پھر اُسے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ اُسے حقیقتاً کمپاؤنڈ ہی کی طرف جانا چاہئے تھا۔ اگر لڑکی اسے جل دے کر نکل گئی تھی تو ہال میں جانے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ حالانکہ اب یہ فضول ہی تھا لیکن پھر بھی اُس کے قدم کمپاؤنڈ کی طرف اٹھ گئے۔ وہ پھاٹک والی روش طے کر رہا تھا کہ کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ حمید جھنجھلا کر پلٹا۔

''کیوں پریشان ہو۔'' اُس نے فریدی کی آواز سنی۔

حمید خاموش ہی رہا۔ جواب کیا دیتا۔

''لڑکی کے غائب ہو جانے کا غم ہے۔'' فریدی چڑھانے کے سے انداز میں بولا۔

''اوہ.....تو یہ آپ تھے۔'' حمید چونک کر بولا۔

''بکواس مت کرو۔'' فریدی بگڑ گیا۔ ''تم اُسے لائے کیوں تھے؟''

''مجھے توقع تھی کہ میں اس سے کچھ معلوم کر سکوں گا۔''

''کیا معلوم کیا۔''

''یہی کہ کوئی خوبصورت لڑکی دیر تک نہیں ٹھہرتی۔''

''تم نے میری ساری اسکیم چوپٹ کر دی۔'' فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''پھر کوئی دوسری اسکیم بن جائے گی۔ مگر یہ تو فرمائیے کہ آپ کو اس کا علم کیسے ہوا۔''

''میں یہیں موجود تھا.....پھر مجھے کیسے علم نہ ہوتا۔''

''تو آپ نے اُسے نکل کیوں جانے دیا.....!''

''محض اس لئے کہ تم اپنا وقت نہ برباد کرو۔''

''میں سعید بابر کو کیا جواب دوں گا۔''

''اُسے جواب دینا تمہارے فرائض میں نہیں۔ تم اپنے روزنامچے میں نہایت اطمینان سے لکھ سکتے ہو کہ تم پوچھ گچھ کرنے کے لئے اُسے اپنے ساتھ آفس لا رہے تھے، ایک جگہ کار روک کر تم کسی کام سے اترے جب کار کی طرف واپس ہوئے تو وہ غائب تھی۔''

''آخر آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔''

''یہاں میجر داراب موجود ہے۔ اس کے ساتھ دو لڑکیاں ہیں ان میں سے ایک کے ساتھ تم رقص کرو گے۔''

''میں شاید ناچنے ہی کے لئے پیدا ہوا ہوں۔'' حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ''میں میجر داراب کو نہیں پہچانتا۔''

''میں بتاؤں گا۔'' فریدی اس کا ہاتھ پکڑ کر ہال کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

''مگر وہ لڑکی۔''

''اُسے جہنم میں جھونکو.....میجر داراب کے ساتھ دو لڑکیاں ہیں۔''

فریدی اُسے ہال کے صدر دروازے تک لایا۔

''وہ اُدھر.....بڑی پینٹنگ کے نیچے والی میز پر.....وہی میجر داراب ہے۔ اس کے قریب والی میز خالی ہے.....میں نے مخصوص کرائی ہے۔''

''کیا آپ کو علم تھا کہ میں یہاں آؤں گا۔''

''ہاں مجھے علم تھا اور یہ کوئی ایسی حیرت انگیز بات نہیں جس کے متعلق سوچنے میں تم اپنا وقت برباد کرو۔ آج صبح تم نے رمیش سے کہا تھا کہ تم لسلی براؤن کو یہاں رقص میں لانے کی

کوشش کرو گے.....بس اب جاؤ۔"

فریدی برآمدے سے کمپاؤنڈ میں اتر گیا۔ حمید پر اب بھی اُسی لڑکی کی گمشدگی کی فکر سوار تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر وہ اسطرح اور اتنی جلدی غائب کہاں ہوگئی۔ اب وہ پھر منیجر کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ منیجر نے اُسے دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس لی اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

حمید نے اس بار اُس سے کوئی بُرا برتاؤ نہیں کیا۔

"کیا تم نے اُسے کمرے سے نکلتے دیکھا تھا۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"پرواہ نہ کیجئے کپتان صاحب۔ یہ سنگدل ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

دیکھیں محشر میں اُن سے کیا ٹھہرے
تھے وہی بت وہی خدا ٹھہرے

"میں شعر سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میری بات کا جواب دو۔"

"جی ہاں.....میں نے اُسے باہر جاتے دیکھا تھا۔ ایک لڑکی نے اشارے سے اُسے بلایا تھا۔"

"لڑکی نے.....!"

"جی ہاں.....آپ مطمئن رہیے۔ وہ کوئی مرد نہیں تھا۔" منیجر معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

حمید مزید کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف مڑ گیا۔ اُس نے منیجر کے قہقہے کی آواز سنی۔ لیکن وہ اس وقت اس سے الجھنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

وہ ہال میں آیا اور سیدھا اُس خالی میز کی طرف چلا گیا جو فریدی نے غالباً اسی کے لئے مخصوص کرائی تھی۔ میجر داراب خاموش بیٹھا تھا اور اس کے ساتھ تھی دو لڑکیاں آپس میں اونچی آواز میں گفتگو کر رہی تھیں۔ میجر داراب ایک دبلا پتلا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ گال پچکے ہوئے تھے اور آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ سرد طبیعت آدمی معلوم ہوتا تھا۔ ظاہر ایسا ہو رہا تھا جیسے اُسے ان لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔ شاید وہ ان کی گفتگو بھی نہیں سن رہا تھا۔

حمید نے لڑکیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ایک طویل سانس لی اور سنکیوں کی طرح بڑبڑاتا ہوا چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ دونوں لڑکیاں سفید فام اور قبول صورت تھیں۔

اچانک ایک ویٹر میجر داراب کی میز کے قریب آ کر نہایت ادب سے جھکا اور آہستہ آہستہ کچھ کہنے لگا۔ لڑکیاں خاموش ہوگئیں۔ حمید نے میجر داراب کو اٹھ کر جاتے دیکھا۔ وہ اُس دروازے

ہری کمرے میں داخل ہو رہا تھا جو ہال میں کھلتا تھا ہو سکتا ہے کہ اُس کی کوئی ٹیلی فون کال رہی ہو۔

ابھی رقص شروع ہونے میں دیر تھی اور زیادہ تر لوگ ہال ہی میں تھے۔ کبھی کبھی ریکریئشن ہال کی طرف سے موسیقی کی ایک لہر آتی اور پھر سکوت طاری ہو جاتا۔ شاید آرپیٹر مائیک ٹسٹ کر رہا تھا۔ حمید بہت مغموم نظر آ رہا تھا۔ لڑکیوں نے اُس کی طرف دیکھا اور پھر گفتگو میں مشغول ہوگئیں۔ اتنے میں وہی ویٹر آیا پھر ان کی میز کے قریب آ کر بولا۔ "صاحب کسی ضروری کام سے باہر تشریف لے گئے ہیں۔ آپ کے لئے کہا ہے کہ آپ یہیں تشریف رکھیں گی۔"

"اوہ.....ٹھیک جاؤ۔" ایک لڑکی بولی۔ پھر اُس نے دوسری کی طرف جھک کر آہستہ سے کچھ کہا اور دونوں بیساختہ ہنس پڑیں۔ حمید نے بھی قہقہہ لگایا اور جیسے ہی لڑکیوں نے اُس کی طرف دیکھا اُس نے گویا اپنے قہقہے میں بریک سا لگا دیا اور کچھ پشیمان سا بھی نظر آنے لگا۔

لڑکیاں چند لمحے اُسے غصیلی نظروں سے دیکھتی رہیں، پھر انہوں نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھا اور ان کی میز کے قریب جا کر بولا۔ "میں معافی چاہتا ہوں۔"

لڑکیوں نے پھر اُسے گھور کر دیکھا اور حمید ہکلایا۔ "ایک بیوقوف آدمی سمجھ کر معاف کر دیجئے۔ میں دوسروں کو ہنستے دیکھ کر خود بھی ہنسنے لگتا ہوں۔ جو لوگ مجھ سے واقف ہیں فوراً معاف کر دیتے ہیں۔"

"تم ایسے ہو.....اسی لئے اپنی میز پر تنہا نظر آ رہے ہو۔" ایک لڑکی نے کہا۔

"نہیں اس کی وجہ تو دوسری ہے۔" حمید ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

ایک لڑکی کی آنکھوں میں احتجاج تھا لیکن دوسری بدستور مسکراتی رہی بلکہ حمید نے بھی یہ دیکھا کہ اُس نے اس لڑکی کو آنکھ ماری تھی۔

"تم شاید شیری پیتی ہو۔" اس نے دوسری لڑکی سے کہا۔ ایک لمحہ خاموشی رہی پھر بولی۔

"پورٹ پیتی ہوں۔"

حمید نے ویٹر کو اشارے سے بلا کر پورٹ اور شیری کے لئے کہا اور اپنے لئے کافی منگوا رہا تھا کہ ایک لڑکی بولی۔ "واہ.....تم کافی پیؤ گے۔ نہیں یہ غلط ہے۔ ویٹر! لارج وہسکی اور

سوڈا یا جو یہ پسند کریں۔"

"لارج وہسکی اور سوڈا۔" حمید شیخی میں آ کر بولا۔ اس نے سوچا ایک آدھ پگ میں کیا بگڑے گا۔ انکار کی صورت میں ہو سکتا ہے کہ یہ لڑکیاں اُسے بالکل ہی چغد سمجھ کر دھتکار دیں۔ اگر فریدی نہ کہتا تب بھی اُسے کم از کم ایک ساتھی کی ضرورت یقیناً محسوس ہوتی۔

مگر جب دور شروع ہو جائے تو معاملہ ایک ہی آدھ پگ تک محدود نہیں رہتا۔ لڑکیاں عادی معلوم ہوتی تھیں، مگر حمید اناڑی تھا۔ اس نے شاید زندگی میں دو ہی چار بار شراب پی تھی اور ہر موقع پر کھوپڑی سے باہر ہو گیا تھا۔ چنانچہ آج بھی یہی ہوا اور پھر کھوپڑی سے باہر ہونے کے بعد کہاں کی لڑکیاں اور کہاں کا رقص۔ حمید نے آگے پیچھے جھول کر کہا۔

"میں..... جھولا..... جھولوں گا.....!"

"پہلے بل ادا کر دو۔" ایک لڑکی بولی۔

حمید نے جھلا کر جیب سے پرس نکالا اور اُسے میز پر پٹختا ہوا بولا۔ "کیا غریب سمجھتی ہو مجھے..... میں..... لسل..... لسل..... لسلی براؤن ہوں..... ہاں۔"

لڑکی نے پرس سے کچھ نوٹ نکال کر ویٹر کی لائی ہوئی ٹرے میں ڈال دیئے اور پرس پھر حمید کی جیب میں ٹھونس دیا اور اس کے بعد وہ دونوں وہاں سے اٹھ ہی گئیں۔

"ہائیں..... میں..... بھی..... میں بھی۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ مگر وہ اتنی دیر میں ہال سے نکل چکی تھیں۔ حمید نے قریب سے گذرنے والے ایک ویٹر کی گردن پکڑ لی۔

"جی صاحب۔" ویٹر بوکھلا گیا۔ یہاں کے سارے ویٹر حمید کو پہچانتے تھے۔

"منیجر کو بھیج دو..... میں شعر سننا چاہتا ہوں۔"

"اچھا صاحب.....!"

حمید نے اس کی گردن چھوڑتے ہوئے کہا۔ "اگر تم اُسے نہ لائے تو..... میں تمہیں جہنم میں پہنچا دوں گا۔"

شامت اعمال کو منیجر خود ہی کسی کام سے اُدھر آ نکلا تھا۔ اُس نے حمید کو ویٹر کی گردن پکڑتے دیکھا اور قریب قریب دوڑتا ہوا اُس کی میز کی طرف آیا۔

"یہ کیا کر رہے تھے آپ.....!" وہ ہانپتا ہوا بولا۔

"ہائے..... تم آ گئے..... مری جان..... بیٹھو..... بیٹھو.....!"

"نہیں..... میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

"تمہیں بیٹھنا پڑے گا۔" حمید نے اسے جھنجھوڑ کر زبردستی بٹھا دیا۔

"ارے ارے..... یہ آپ کیا کر رہے ہیں..... ہائیں۔"

"مجھے اشعار سناؤ..... میری جان.....!" حمید جھک کر اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"میں اس وقت آپ سے بات نہیں کرنا چاہتا..... آپ نشے میں ہیں۔"

"تم کتے کے پلے ہو..... مجھے شعر سناؤ۔"

"آپ میری توہین کر رہے ہیں۔"

حمید نے میز پر جھک کر اُسے دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا اور منیجر اُٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے آس پاس قہقہے ہی قہقہے تھے۔ ویسے چونکہ وہاں اونچے ہی طبقے کے لوگ آتے تھے اس لئے ہڑبونگ صرف اسی میز تک محدود رہی۔

ابھی یہ دھینگا مشتی کسی فیصلہ کن منزل پر نہیں پہنچی تھی کہ میجر داراب آ گیا۔ یہ سیاہ سوٹ میں ملبوس تھا اور دبلا ہونے کی وجہ سے غیر معمولی طور پر دراز قد معلوم ہو رہا تھا۔ وہ چند لمحے حیرت سے دیکھتا رہا پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر میز کے قریب پہنچ گیا۔

"یہ میز میرے لئے مخصوص تھی۔" اس نے سرد لہجے میں منیجر سے کہا۔

"اب آپ دیکھ رہے ہیں جناب میجر صاحب..... یہ نشے میں ہیں۔" منیجر ہانپتا ہوا بولا۔ "میں ان سے یہی کہنے آیا تھا کہ یہ میجر صاحب کی میز ہے۔"

"کون ہے۔" میجر داراب نے حقارت سے پوچھا۔

"کیپٹن حمید.....!"

"گیٹ آؤٹ..... ہل وڈیو.....!" حمید نے منیجر کو جھنجھوڑ ڈالا۔

"کیپٹن پلیز..... میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ.....!" داراب غرایا۔

"خاموش رہو، کیچوے..... ورنہ میں تمہیں یہیں دفن کر دوں گا۔" حمید تن کر کھڑا ہو گیا۔

"دیکھا میجر صاحب۔" منیجر اچھل کر ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔ "دیکھا آپ نے حضرت نے کلب کو کباڑ خانہ بنا رکھا ہے۔ زبردست ٹھہرے..... اب آپ سے بھی بدتمیزی کر رہے ہیں۔ خدا ان پولیس والوں سے سب کو محفوظ رکھے..... آمین..... بقول شاعر.....!"

حمید اور داراب ایک دوسرے کو خونخوار نظروں سے گھور رہے تھے۔

اچانک داراب بڑی پھرتی سے جھکا اور حمید کو اپنے بازوؤں میں جکڑ کر اوپر اٹھا لیا۔ اس کی یہ حرکت معجزے سے کم نہیں تھی۔ وہ بہت دبلا تھا۔ اس کے چہرے پر ہر وقت مردنی چھائی رہتی تھی۔ گال پچکے ہوئے تھے اور آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ وہ کسی زندہ آدمی کا چہرہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ پھر بھی اُس نے حمید جیسے قوی ہیکل آدمی کو اٹھا لیا تھا اور حمید اس کی گرفت میں اس طرح ہاتھ پیر مار رہا تھا جیسے کوئی ننھا سا بچہ کسی بڑے کی گود سے اترنے کی کوشش کر رہا تھا۔

سنسان سڑک

وہ اُسے اسی طرح اٹھائے ہوئے چلتا رہا۔ ہال قہقہوں سے گونج رہا تھا اور حمید کا نشہ تو کبھی کا ہرن ہو چکا تھا۔

میجر داراب نے برآمدے میں پہنچ کر آہستہ سے اُسے اتار دیا۔

"اب تم گھر جا سکتے ہو.....!" اُس نے سرد لہجے میں کہا۔ "اگر کھوپڑی پر کنٹرول نہیں رہتا تو پیتے کیوں ہو۔"

حمید کی مٹھیاں بھنچ گئیں لیکن قبل اس کے کہ وہ کوئی اقدام کرتا، میجر داراب ایڑیوں پر گھوما اور ہال میں چلا گیا۔ وہاں سبھی نشے کی ترنگ میں تھے اس لئے کسی نے بھی یہاں تک آنے کی زحمت نہیں گوارا کی تھی۔ بس اپنی جگہوں پر بیٹھے ہنستے رہ گئے تھے۔

حمید آہستہ آہستہ منیجر کے کمرے کی طرف چلنے لگا۔ اس کی حالت ابتر تھی۔ سارا نشہ رخصت ہو گیا تھا۔ ایسی بے عزتی سے کبھی اس کا سابقہ نہیں پڑا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ خبر

سارے شہر میں اڑتی پھرے گی۔ ہو سکتا ہے کہ اخبارات بھی زہر اگلیں۔ انہیں تو بس پولیس والوں کے خلاف کچھ لکھنے کا بہانہ مل جانا چاہئے۔

وہ منیجر کے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرہ خالی تھا۔ وہ ایک آرام کرسی میں گر گیا۔ اُس کے چہرے پر پسینے کی بوندیں تھیں اور آنکھیں سرخ۔ سانسیں چڑھی ہوئی تھیں۔ وہ تقریباً ایک منٹ اسی طرح پڑا رہا تھا، پھر اٹھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ منیجر کمرے میں داخل ہوا لیکن وہ دروازے ہی کے قریب رک گیا تھا۔

اچانک وہ شور مچانے والے انداز میں کہنے لگا۔ "زیادتی آپ ہی نے کی تھی جناب! آج آپ نے میری بہت بے عزتی کی ہے۔ میں آپ کا بہت احترام کرتا ہوں۔ آپ مجھ پر ظلم کرتے ہیں۔"

حمید سیدھا بیٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے افسوس ہے۔"

منیجر ہکا بکا رہ گیا۔ اُسے حمید سے اس رویہ کی توقع نہیں تھی۔ شاید وہ سمجھا تھا کہ حمید میجر داراب کا غصہ اس پر اتارے گا۔

"دیکھئے نا کپتان صاحب۔" وہ آگے بڑھ کر ناصحانہ انداز میں کہنے لگا۔ "آپ ایک بہت بڑی پوزیشن کے مالک ہیں۔ آپ کو ہر وقت اس کا خیال رکھنا چاہئے آپ بعض اوقات عام آدمیوں کی سی حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ منیجر کہتا رہا۔ "اب آپ خود سوچئے.....اس وقت یہ بات کہاں تک پھیلے گی۔"

"ہاں.....آں.....تم اپنا کام کرو۔" حمید نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "میں تھوڑی دیر تک بیٹھوں گا۔"

"آپ زندگی بھر یہیں بیٹھئے..... مجھے خوشی ہوگی۔ مگر آپ کی رسوائی مجھے بھی گراں گزرے گی۔ میں اتنی قدر کرتا ہوں آپ کی۔"

"اب یہ گراموفون بند کرو..... یا باہر چلے جاؤ" حمید غرایا۔

منیجر چپ چاپ اپنی کرسی پر جا بیٹھا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ منیجر نے ریسیور اٹھا لیا۔ پھر حمید کی طرف بڑھ کر بولا۔ "آپ کا فون ہے۔"

"ہیلو.....حمید اسپیکنگ.....!" حمید نے ریسیور لے کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"اب مجھے اپنی شکل نہ دکھانا سمجھے۔" دوسری طرف سے فریدی کی غصیلی آواز آئی۔

"بہت بہتر.....!" حمید نے جھلا کر کہا اور ریسیور کو کریڈل پر پٹخ کر پھر اسی کرسی میں آ گرا۔ شراب کا اثر تو ابھی باقی ہی تھا۔ دماغ میں گرمی تھی۔ خون جوش کھا رہا تھا۔ اُسے فریدی پر غصہ آ گیا اور وہ سوچنے لگا کہ کل ہی اپنی پہلی فرصت میں استعفیٰ دے دے گا۔ مگر یہ رات کہاں بسر ہوگی.....اُس نے سوچا۔ کیوں نہ قاسم ہی کے گھر چلا جائے۔

یہ سوچ کر وہ باہر نکلا۔ اس وقت دوبارہ ہال میں واپس جانا ممکن نہیں تھا۔ بے خیالی میں وہ اس طرف چل پڑا جہاں کار کھڑی کی تھی۔ مگر کار وہاں موجود نہیں تھی۔ شاید فریدی اُسے لے گیا تھا۔ وہ کمپاؤنڈ سے باہر نکلا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک دوا فروش کی دوکان سے قاسم کو فون کر رہا تھا۔

"ہیلو.....!" دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز آئی۔

"میں حمید ہوں.....قاسم ہے گھر پر۔"

"میں سلیمہ ہوں.....کہیئے حضرت خوب غائب ہوئے۔"

"بہت مشغول تھا۔ ذرا قاسم کو فون پر بلایئے۔"

"ٹھہریئے.....ایک منٹ.....!"

حمید انتظار کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد آواز آئی۔ "واؤں.....واؤں..... ہالو.....واؤں واؤں.....میں خانا.....خارہا ہوں..... ہالو.....!"

"قاسم.....!" حمید نے کہا۔ "میں رات تمہارے یہاں بسر کرنے آ رہا ہوں۔"

"ہائیں.....واؤں.....واؤں.....قیا مطالب.....!"

"بس یونہی.....گھر نہیں جانا چاہتا۔"

"ہا چھا.....آ جاؤ.....آ جاؤ.....واؤں.....واؤں.....آ ہا ضارور آ جاؤ.....تم سے ایک ضاروری بات کرنی ہائے.....واؤں.....واؤں۔"

حمید نے ریسیور رکھ دیا۔ باہر آ کر ایک ٹیکسی کی اور قاسم کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ سردی بہت زیادہ تھی اور آج ہوا بھی بہت تیز تھی۔ شراب کا اثر ابھی زائل نہیں ہوا تھا۔

ہوا لگتے ہی حمید کی پلکیں بھاری ہونے لگیں۔ اُس نے پائپ میں تمباکو بھری، اور پشت سے ٹیک لگا کر ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی نے اسے میجر داراب کے پیچھے کیوں لگا دیا تھا۔ اتنا اُسے معلوم ہوا تھا کہ سعید بابر نے اپنے ہمشکل بھائی کے سلسلے میں داراب کا تذکرہ کیا تھا۔ اُس کے پہلے ڈرافٹ پر میجر داراب ہی نے تصدیق کی تھی اور الائیڈ بینک میں اس کا اکاؤنٹ بھی اسی کی سفارش پر کھولا گیا تھا۔ مگر کم از کم داراب کے متعلق یہ سوچا نہیں جاسکتا تھا کہ وہ تین ہزار روپے ماہوار پر اپنی نیت خراب کر بیٹھتا۔ وہ لاکھوں میں بھی نہیں کروڑوں میں کھیلتا تھا۔ اس کے لئے لاکھ ڈیڑھ لاکھ کی رقم اتنی کشش نہیں رکھتی تھی کہ وہ اس کے لئے ایسی پراسرار وارداتیں کرتا۔ فریدی نے تو اس کی لڑکیوں میں سے ایک کے ساتھ ...کرنے کو کہا تھا۔ مقصد کچھ بھی رہا ہو۔ حمید کو سب سی زیادہ حیرت اُس لاش نما آدمی کی ...ت پر تھی۔ اُس نے اُسے پھول کی طرح اٹھا لیا تھا۔

حمید کو ایک بار پھر اُس پر غصہ آ گیا اور اُس نے ایک بہت بڑی قسم کھائی کہ وہ اُس سے اس توہین کا بدلہ ضرور لے گا۔

حمید نے ٹیکسی کمپاؤنڈ میں لے جانے کے بجائے پھاٹک ہی پر رکوا دی۔ کیونکہ قاسم ...ک ہی پر ٹہل رہا تھا۔ اس کے ساتھ سلیمہ بھی تھی۔

"میں یہیں تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔" قاسم نے کہا۔ "گھر میں گھپلا ہو جائے گا۔"

"کیا بات ہے۔"

"یہ سالا.....سعید بابر.....مصیبت ہو گیا ہے۔" اور سلیمہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں.....یہ آدمی مجھے خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ نہ جانے کیوں میں ایسا محسوس کرتی ...بظاہر بڑا خوش اخلاق ہے، مگر کوئی چیز.....نہ جانے کیا چیز ہے اس میں.....جس کی بناء ...سے خوف معلوم ہوتا ہے۔"

"مگر وہ تم لوگوں کے لئے کیوں مصیبت ہو گیا ہے۔"

"میں نہیں پسند کرتا۔"

"کیا نہیں پسند کرتے۔"

"اُس کی اور راحلہ کی دوستی..... وہ دن میں کئی بار آتا ہے۔ دونوں میں سرگوشیاں ہوتی رہتی ہیں۔"

"سرپوشیاں..... کیا.....!"

"سرپوشیاں نہیں جانتے۔" قاسم نے قہقہہ لگایا۔ "بڑے قابل بنتے ہو، کان پکڑ تو بتا دوں"

حمید نے ہاتھ بڑھا کر قاسم کا کان پکڑ لیا اور قاسم مسکرا کر بولا۔ "ٹھیک ہے..... سرپوشیاں..... وہی آہستہ آہستہ باتیں کرنا۔"

سلیمہ بے تحاشہ ہنس پڑی۔

"ابے سرگوشیاں..... لم ڈھگ.....!"

"ہائیں..... تم نے میرا کان پکڑ رکھا ہے۔" قاسم اس کا ہاتھ جھٹکتا ہوا بولا۔ "دھوکے باز..... میں نے تم سے اپنا کان پکڑنے کو کہا تھا۔"

"ایک ہی بات ہے۔" حمید نے کہا۔ پھر وہ سلیمہ سے بولا۔ "کیا آپ کو بھی اُن دونوں کا ملنا ناگوار ہے۔"

"میں نے صرف یہ کہا تھا کہ بابر جو کچھ بھی نظر آتا ہے، حقیقتاً وہ نہیں ہے۔"

"آپ کے پاس کوئی ثبوت بھی ہے..... یا یہ محض قیاس ہے۔"

"میں محسوس کرتی ہوں۔"

"ان سے زیادہ میں محسوس کرتا ہوں۔" قاسم بولا۔ "اس سالے کو مرغا بنانا چاہئے۔ تم نے دیکھا نہیں وہ کتنا کمینہ..... اُس بیچاری پلپلی براؤن کو ساتھ لایا اور یہاں آ کر کہہ دیا کہ تو اُسے پہچانتا ہی نہیں۔"

"ٹلسلی براؤن....." حمید نے تصحیح کی۔

"میرے ٹھینگے سے وہ کوئی براؤن ہو۔ میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ وہ بڑا کمینہ آدمی ہے۔"

دفعتاً حمید کو خیال آیا کہ اُسے ٹلسلی براؤن کے متعلق سعید بابر کو فون کرنا چاہئے۔ اُس نے قاسم سے کہا کہ وہ سعید بابر کو فون کرنا چاہتا ہے۔ قاسم کے استفسار پر اُس نے بتایا کہ وہ خود سعید بابر کو ٹھیک کرنے کے چکر میں ہے۔ قاسم کی چھت کے نیچے رات بسر کرنے کے لئے:

تھا کہ وہ قاسم کی ہاں میں ہاں ملائے۔

قاسم نے مزید سوالات نہیں کئے۔ وہ تھوڑی دیر بعد ملنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ سلیمہ حمید کو ہی رہی۔ ساتھ ہی وہ دونوں اُس کمرے میں آئے جہاں فون تھا۔ اُس نے سعید بابر کے نمبر ڈائیل کئے، وہ گھر ہی پر موجود تھا۔ اُس نے اُسے وہ بُری خبر سنائی اور سعید بابر گرجنے لگا۔ "میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا..... اب بتایئے! میں ناظم الامور کے دفتر کو کیا جواب دوں گا۔"

"آپ نہایت اطمینان سے اس کا سارا بار یہاں کے محکمہ سراغ رسانی پر ڈال سکتے ہیں۔ یہ کہ یہاں کے محکمہ سراغ رسانی کے ساتھ بھی فراڈ کیا گیا ہے..... لہٰذا.....!"

"سب جہنم میں جائے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ٹلسلی مجھے واپس ملنی چاہئے۔ وہ براؤن جو میرے ساتھ آئی ہے۔"

"آپ پرواہ نہ کیجئے۔" حمید نے کہا۔ "اس کا اس طرح غائب ہو جانا آپ کے حق میں اچھا ہوا ہے۔"

"میرے حق میں کیا اچھا ہوا ہے۔" سعید غرایا۔

"محکمہ سراغ رسانی آپ کے معاملے میں پوری طرح دلچسپی لینے لگے گا۔ ویسے اُسے اس سے کوئی دلچسپی نہ ہوتی جو آپ کا ہم شکل تھا۔ آپ کے پاس اس کا کوئی ثبوت تو نہیں کہ وہ آپ کا بھائی ہی تھا۔"

"دوسری طرف سے کوئی آواز نہ آئی۔" حمید نے کہا۔ "ہیلو.....!"

"یس.....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ہاں آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر میری وہ بات کہ میری زندگی یہاں خطرے میں ہے۔ اس کے لئے آپ لوگ کیا کر رہے ہیں۔"

"بہت کچھ کر رہے ہیں آپ مطمئن رہئے۔" حمید نے کہا اور جواب کا انتظار کئے بغیر ریسیور رکھ دیا۔

سلیمہ نے پوچھا۔ "کیا وہ لڑکی آپ کے ساتھ تھی۔"

"ہاں..... میں اُسے ہیڈ کوارٹر لے جا رہا تھا..... راستے میں وہ دھوکا دے کر نکل گئی۔"

"یہ ٹلسلی براؤن والا واقعہ کیا حیرت انگیز نہیں ہے۔"

"اپنے لئے کچھ بھی حیرت انگیز نہیں ہے۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "میری زندگی کا حیرت انگیز دن وہ ہوگا جب کوئی لڑکی مجھ سے شادی کرنے پر آمادہ ہوجائے گی۔"

"مگر اُس دن آپ مغموم بھی ہوں گے۔" سلیمہ بولی۔ "کیونکہ کوئی زندہ لڑکی تو آپ سے شادی کرنے سے رہی۔"

"میرے لئے یہ موضوع بہت زیادہ المناک ہے۔ اس لئے اسے یہیں ختم کردو۔"

فریدی کی کار تاریکی کا سینہ چیرتی ہوئی سنسان سڑک پر تیرتی رہی۔ لیڈی انسپکٹر ریکھا اُس کے برابر بیٹھی ہوئی اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ رہی تھی۔ اُس نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے اور پھر بند کر لئے۔ فریدی کی نظر ونڈ شیلڈ پر تھی۔ اچانک وہ بولا۔

"ہماری یہ مہم خطرناک بھی ہوسکتی ہے۔ اسی لئے میں تمہیں ساتھ لانے سے احتراز کررہا تھا۔"

"آپ فکر نہ کیجئے..... اس کی تمام تر ذمہ داری خود مجھ پر ہے۔ آپ بتایئے کیا میں فائلوں میں سر کھپانے سے میں آگے بڑھ سکوں گی۔"

"اگر تم صرف تعاقب کرنے کے آرٹ پر زور دو تب بھی تمہارا مستقبل محفوظ ہی ہے۔ میں اس وقت جس مہم پر جارہا ہوں، وہ کم از کم کسی عورت کے بس کی نہیں۔"

"آپ کہاں جارہے ہیں۔"

"بالی کیمپ..... وہاں ایک آدمی رہتا ہے جس تک پہنچنے کے لئے کافی دشواریوں کا سامنا بھی ہوسکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تھوڑی سی ورزش بھی کرنی پڑے۔ ورزش کا مطلب غالباً سمجھتی ہی ہوگی۔ نہیں میں تمہیں وہاں تک ہرگز نہیں لے جاؤں گا۔ تم چڑھائی والے ہوٹل میں میرے فون کا انتظار کرنا۔ ہوسکتا ہے کہ میں تمہیں فون کرنے کی ضرورت محسوس کروں۔ ہوسکتا ہے کہ بات بڑھ جائے اور بالی کیمپ کے تھانے سے مدد طلب کرنی پڑے۔ یہ کام تم وقت پر انجام دے سکو گی۔"

"اگر وہ ایسی ہی خطرناک جگہ ہے تو آپ وہاں تنہا کیوں جائیں۔"

"یہ بہت ضروری ہے تنہا گئے بغیر اُس آدمی کو تلاش کرلینا آسان کام نہ ہوگا۔ میں اصل ابھی تک اُن نشانات کو نہیں سمجھ سکا جو سعید بابر کی کمپاؤنڈ میں ملے تھے۔ وہ کسی جانور کے پیر کا نشان تو ہرگز نہیں ہوسکتا۔ مجھے یقین ہے مگر اُسے کسی آدمی کے پیر کا نشان سمجھنے میں بھی دشواری پیش آئے گی۔ اُسے کسی آدمی کے پیر کا نشان سمجھنے میں مجھے تامل ہے۔"

"ہوسکتا ہے وہ نشان محض دھوکا ہی ہو۔ میں نے آپ ہی کے کسی کیس میں پرندوں کے پیروں کے نشانات کے متعلق پڑھا تھا۔ مگر وہ جوتوں کے تلے میں لگے ہوئے خاص قسم کے تلوں کے نشانات ثابت ہوئے تھے۔"

"ہوسکتا ہے..... یہی بات ہو۔" فریدی نے کہا۔ "وہ کسی جوتے کے سول کے نشانات بھی ہوسکتے ہیں مگر اتنے چوڑے جوتے بھی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ انگلیوں کے نیچے کے ابھار کی چوڑائی تقریباً سات انچ تھی۔ چلو میں یہ بھی مان لیتا ہوں کہ وہ اتنے ہی چوڑے جوتے ہونگے، لیکن پہننے والے کے پنجے اتنے چوڑے ہرگز نہیں ہوسکتے۔ جب پنجے اتنے چوڑے نہیں ہوسکتے تو پورے سول پر یکساں دباؤ ہرگز نہیں پڑسکتا۔ جب یکساں دباؤ نہیں پڑسکتا تو نشان کے بعض حصے یقیناً غیر واضح ہونگے۔ مگر ہمیں ایک نشان بھی ایسا نہیں ملا جس کا کوئی حصہ غیر واضح ہوتا۔"

ریکھا چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ "مگر آپ بالی کیمپ میں اس کے متعلق.....!"

"ہاں..... میں اسی کے متعلق وہاں معلومات فراہم کرنے کی توقع رکھتا ہوں۔ تمہیں چڑھائی والے ہوٹل میں چھوڑ دوں گا۔"

"مگر آج حمید صاحب کہاں ہیں۔"

"وہ ایک دوسرا کام انجام دے رہا ہے۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

لہجے کی تلخی ریکھا نے محسوس کرلی اور اس قسم کے سوالات کرنے لگی جن کے جواب ہی سے وہ اس تلخی کی تہہ تک پہنچ جائے لیکن فریدی سے کچھ معلوم کرلینا آسان کام نہیں تھا۔ حمید والے واقعے کی تشہیر نہیں چاہتا تھا اس لئے اس نے پہلے ہی انتظام کرلیا تھا کہ اس کی خبر اخبارات میں نہ آنے پائے۔ ریکھا کے سوالات کے جواب ایسے نہیں تھے جن سے وہ واقعات کا اندازہ کرسکتی۔ پھر وہ خاموش ہوگئی۔

"اچانک کار کی داہنی سمت سے ایک تیز رفتار موٹر سائیکل نکلی اور ٹھیک کار کے سامنے دوڑنے لگی۔ کار سے اس کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ دس گز رہا ہوگا۔ فریدی نے چاہا کہ اپنی کار داہنی طرف سے آگے لے جائے لیکن اس کی کار کی ہیڈ لائیٹس کا ڈائریکشن بدلتے ہی موٹر سائیکل اب بھی سامنے ہی تھی۔ فریدی نے بائیں جانب سے نکلنا چاہا لیکن اس بار بھی وہی واقعہ پیش آیا۔

"بالکل گدھا ہے کیا.....!" ریکھا بڑبڑائی۔

"نہیں شاید میں گدھا بننے والا ہوں۔ ٹارچ اور ریوالور سنبھالنا۔"

"خطرہ.....!" ریکھا بڑبڑائی۔

"یقیناً.....اب اس کی رفتار بھی کم ہوتی جارہی ہے۔ یا تو مجھے رفتار کم کرنی پڑے گی یا کار روکنی پڑے گی۔"

پھر فریدی نے عقب نما آئینے کی طرف دیکھا مگر پیچھے سڑک سنسان پڑی تھی۔ نزدیک یا دور کہیں بھی کسی کار کی ہیڈ لائیٹس نہیں دکھائی دے رہی تھیں۔

"کیا قصہ ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔

"کیا میں اس کے پچھلے پہیے پر فائر کروں۔" ریکھا نے پوچھا۔

"نہیں..... یہ کام میں ہی کروں گا۔"

"کیسے..... کیجئے گا۔"

"دیکھو! بتاتا ہوں..... مگر ٹھہرو..... میں ایک بار اُسے متنبہ کردوں۔"

پھر فریدی نے چیخ کر کہا۔ "اگر تم مرنا ہی چاہتے ہو تو اب کار میرے قابو سے نکلتی ہے۔"

لیکن موٹر سائیکل سوار کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ آخر فریدی نے جھلا کر رفتار بڑھائی لیکن موٹر سائیکل والا بھی غافل نہیں تھا۔ ساتھ ہی موٹر سائیکل کی رفتار بھی تیز ہوگئی۔

اب بھی دونوں کے درمیان پہلے ہی کا سا فاصلہ تھا۔

فریدی نے کوٹ کی جیب سے ریوالور نکالا۔ اس کا ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر تھا۔ ریوالور کو گود میں ڈال کر داہنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ گرانے لگا اور ریکھا کانپ گئی۔ اس کی سمجھ میں

ں آرہا تھا کہ وہ کس طرح فائر کرے گا۔ ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر ہوگا دوسرے سے وہ فائر کرے گا۔ اس کے لئے اُسے کھڑکی کی طرف اتنا جھکنا پڑے گا کہ اسٹیئرنگ والا ہاتھ بہک بھی ا ہے۔ لیکن وہ کچھ بولی نہیں کیونکہ فریدی نے روانگی کے وقت ہی اس مہم کے خطرناک جانے کے امکانات ظاہر کئے تھے۔ مقصد یہی تھا کہ ریکھا اُس کے ساتھ نہ جائے۔

فریدی نے ریوالور والا ہاتھ کھڑکی کے باہر نکالا۔ موٹر سائیکل، سوار سمیت کار کی اگلی نی میں نہائی ہوئی تھی۔ فریدی کھڑکی کی طرف جھکا۔ مگر ریکھا کی نظر اسٹیئرنگ پر رکھے ہوئے ر پر تھی۔ اچانک فریدی کے منہ سے ہلکی سی کراہ نکلی اور کار ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔ ریکھا رڈیش بورڈ سے جا ٹکرایا۔ فریدی نے پورے بریک لگائے تھے۔ موٹر سائیکل فراٹے بھرتی آگے نکل گئی۔ فریدی کا داہنا ہاتھ اب بھی کھڑکی کے باہر ہی تھا اور وہ کسی چیز کو باہر طرف لنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"انجن بند کردو.....!" اُس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

ریکھا بوکھلا گئی۔ کار کے اندر اندھیرا تھا۔ بہر حال اُس نے بڑی پھرتی سے انجن بند کیا۔

"روشنی.....!" فریدی نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔ ریکھا کی ٹارچ اس کے زانو کے ب ہی پڑی تھی۔ اُس نے کھڑکی میں اس کی روشنی ڈالی اور دوسرے ہی لمحے میں اُس کے ے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ فریدی کی داہنی کلائی ایک خوفناک کتے کے جبڑوں میں تھی۔ فریدی بائیں ہاتھ سے اس کے سر پر ایک گھونسہ رسید کیا اور وہ غراتا ہوا دوسری طرف پلٹ گیا۔ ما پر پوری طرح روشنی پڑ رہی تھی۔ یہ ایک غیر معمولی طور پر دراز قد کتا تھا۔ رنگت سیاہ تھی۔ جسم بناوٹ گرے ہاؤنڈ کی سی تھی..... سر پر تین سفید دھاریاں تھیں۔ کتے نے ایک بار پھر لانگ لگائی اور آدھے دھڑ سے کھڑکی میں گھس آیا۔ ریکھا پھر چیخی۔

اس بار فریدی نے اسے باہر دھکیل دیا۔

"تمہارا پستول..... ٹارچ جلاؤ۔"

ریکھا نے پھر ٹارچ روشن کی۔ بدقت تمام بلاؤز کے گریبان سے پستول نکالا۔ اس دوران میں فریدی نے کھڑکی کا شیشہ چڑھا دیا۔ کتا اچھل اچھل کر اس پر پنجے مار رہا تھا۔ فریدی

نے شیشے کو تقریباً ایک انچ نیچے کھسکایا اور پستول سے کتے پر فائر کر دیا۔ مگر اس نے یہ بھی د
کہ کتا بڑی پھرتی سے خود کو بچا گیا۔ اُس نے دوسرا فائر کیا لیکن اس بار بھی کامیابی نہیں ہوئی
تیسرے فائر پر کتے نے سڑک کے کنارے کی جھاڑیوں میں چھلانگ لگا دی۔ فریدی نے اُ
سمت دو فائر اور کئے لیکن جھاڑیوں میں جنبش تک نہ ہوئی۔

پھر تقریباً دو یا تین منٹ تک وہ بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔

سارا جنگل جھینگروں کی جھائیں جھائیں سے گونج رہا تھا۔ کبھی کبھی گیدڑوں کی آواز
بھی فضا میں ابھرتیں اور دور تک تیرتی چلی جاتیں۔

''ہمیں یہیں سے واپس ہونا چاہئے۔'' فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''میرا ہاتھ زخ
ہو گیا ہے۔ مجھے فوراً انجکشن لینا چاہئے۔ کتا غیر معمولی تھا۔''

وہ نیچے اترا اور اپنا ریوالور اٹھا کر پھر کار میں آ بیٹھا۔ انجن اسٹارٹ کیا اور کار شہر کی طرف
موڑنے لگا۔

''بڑا حیرت انگیز کتا تھا۔'' اس نے کہا۔ ''انتہائی پھرتیلا..... یقیناً بڑی محنت سے سدھا
گیا ہوگا۔ مگر میں نہیں جانتا کہ وہ کس نسل سے ہے۔''

''میں آپ کا ہاتھ دیکھوں۔'' ریکھا نے کہا۔

''پرواہ نہ کرو..... اس کے دانت ہڈیوں تک پہنچ گئے تھے۔ مگر آج تک میری نظروں سے
ایسا تیز رفتار کتا نہیں گذرا گویا وہ ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتا رہا تھا۔ وہ موٹر سائیکل ا
لئے سامنے آئی تھی کہ میں کار روک دوں اور کتا مجھ پر حملہ کر دے۔''

''آپ کو تو اسی موٹر سائیکل والے کو گولی مارنی چاہئے تھی۔''

''یہ کیسے ممکن تھا۔ میں نے اسی لئے تمہیں فائر نہیں کرنے دیا تھا کہ کہیں تمہارا ہاتھ
بہک جائے۔ اس وقت تک ہمارے پاس اُسے گولی مارنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔''

''پتہ نہیں وہ مردود تھا کون۔''

''تم نے نہیں دیکھا کہ اس کے چہرے پر سیاہ نقاب تھی۔''

''میں نے نہیں دیکھا تھا ورنہ آپ مجھے اس پر فائر کرنے سے باز نہ رکھ سکتے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ ریکھا بھی تھوڑی دیر تک خاموش رہی۔ پھر اُس نے کہا۔

''آپ کو کچھ اندازہ ہے..... وہ کون رہا ہوگا۔''

''خدا جانے..... میرے ایک نہیں ہزاروں دشمن ہیں مگر اس قسم کا کتا زندگی میں پہلی بار
نظر سے گذرا ہے۔''

''آپ کی کلائی سے خون بہہ رہا ہوگا۔'' ریکھا نے مضمحل آواز میں کہا۔

''پرواہ نہ کرو..... میرا جسم خون بہانے کا عادی ہے۔ شائد ہی اس کا کوئی حصہ زخم کے
سے خالی ہو۔''

ریکھا نے ایک طویل سانس لی اور خاموش ہو گئی۔

کچھ دیر بعد فریدی نے کہا۔ ''مجھ پر غشی طاری ہو رہی ہے۔ تم ڈرائیو کرو۔ میں پچھلی
ت پر جا رہا ہوں۔ شائد! میں شائد بیہوش ہو جاؤں گا۔ تم مجھے سیدھے سول ہسپتال لے جانا
ہسپتال نہیں...... سمجھیں۔''

فریدی نے کار روک دی اور پچھلی نشست پر جانے کے لئے اٹھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے
ہیں ڈھیر ہو گیا۔

اس کا آدھا دھڑ کار کے پچھلے حصے میں تھا اور پیر اگلی نشست پر۔

ریکھا ہسٹریائی انداز میں اُسے آوازیں دے رہی تھی۔

دوسرا سفر

''وہ خطرے سے باہر نہیں ہیں۔'' سول سرجن نے اس کمرے میں آ کر کہا۔ جہاں لیڈی
ریکھا اور سارجنٹ رمیش موجود تھے۔ دونوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

''کتا حیرت انگیز طور پر زہریلا معلوم ہوتا ہے۔'' سول سرجن نے پھر کہا۔

''میں آئی جی اور ڈی آئی جی کو فون کر چکا ہوں۔''

"رخ.....خطرے سے.....لک.....کیا مراد ہے آپ کی۔"

"یعنی.....وہ.....آپ کا ساتھ چھوڑ بھی سکتے ہیں۔"

"نہیں.....!" رمیش بے اختیار چیخا اور کسی بچے کی طرح پھوٹ پڑا۔ اُسے اپنے آفیسر سے بہت محبت تھی۔ وہ جو آفیسر سے زیادہ ایک بڑا بھائی تھا۔ ریکھا دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

اچانک ایک ڈاکٹر نے کمرے میں آ کر کہا۔ "وہ ہوش میں آ گئے ہیں۔"

"آہا.....!" سول سرجن یکلخت اچھل پڑا۔ "تب تو.....تب تو کوئی خطرہ نہیں ہے۔" اس نے کہا اور تیزی سے دروازے میں مڑ گیا۔

رمیش کی بیساختہ قسم کی سسکیاں ابھی تک جاری تھیں، لیکن اُس نے کسی نہ کسی طرح برآمدے میں آ کر ریکھا کو یہ خوشخبری سنائی۔ ریکھا بھی وہاں رو رہی تھی۔

کچھ انہیں دونوں پر منحصر نہیں تھا محکمے کا ہر وہ آدمی جو فریدی سے حسد نہیں رکھتا تھا اُسے بے حد چاہتا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں کئی آفیسر وہاں پہنچ گئے۔ اُن میں ڈی۔ آئی۔ جی بھی تھا۔ لیکن حمید.....اُسے اس کا علم ہی نہیں تھا۔ ریکھا نے کئی بار گھر پر فون کیا مگر وہ قاسم کے یہاں تھا۔

دوسری صبح اُس نے یہ خبر اخبار میں پڑھی لیکن خبر بھی مکمل نہیں تھی۔ اس جملے پر خبر اختتام ہوا تھا کہ دو بجے رات تک کرنل فریدی خطرے سے باہر نہیں تھے۔ ایک دوسرے اخبار میں لیڈی ریکھا کا بیان کردہ واقعہ بھی موجود تھا۔ حمید پریشان ہو گیا۔ پہلے اُس نے گھر کا رخ کیا۔ پھر وہاں سے سیدھا سول ہسپتال پہنچا۔ کمپاؤنڈ ہی میں اُسے معلوم ہو گیا کہ فریدی کی حالت بہتر ہے، لیکن حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اُس کے سامنے جائے۔ فریدی رات بھر موت و حیات کی کشمکش میں رہا تھا اور وہ قاسم کے یہاں میٹھی نیند سویا تھا۔ اُسے شرمندگی تھی۔ حالانکہ یہ سب کچھ اس کی نادانستگی میں ہوا تھا۔ مگر پھر بھی وہ فریدی کے سامنے جاتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

مگر جانا تو تھا ہی۔ اُس نے ڈرتے ڈرتے پرائیویٹ وارڈ کے اس کمرے میں قدم رکھا جہاں

فریدی تنہا موجود تھا۔ رمیش اور ریکھا بھی جا چکے تھے۔ اُن دونوں نے رات یہیں گذاری تھی۔

اس وقت فریدی بستر کی بجائے آرام کرسی پر تھا۔ مگر اُس کے چہرے سے یہ اندازہ کرنا بہت مشکل تھا کہ وہ پچھلی رات موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہ چکا تھا۔ صرف پٹی کے علاوہ جو اس کی کلائی پر چڑھی ہوئی تھی۔ حمید کو اور کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آئی۔

فریدی اُسے دیکھ کر مسکرایا اور حمید کے ہونٹ کپکپانے لگے۔

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے کہا۔ اُس کی آواز میں بھی اضمحلال نہیں تھا۔ حمید چوروں کی طرح بیٹھ گیا۔ سمٹا سمٹایا ہوا سا۔

"تم نے پچھلی رات بہت بہک کر کہا تھا کہ تم اب مجھے اپنی شکل نہیں دکھاؤ گے۔"

فریدی بدستور مسکراتا رہا۔

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی نظریں فرش پر تھیں۔ فریدی بھی خاموش ہو گیا۔ حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "میں نے رات قاسم کے یہاں بسر کی تھی۔ صبح کے اخبار میں خبر سے مجھے معلوم ہوا۔"

"ہاں! کتا بہت زہریلا تھا۔ مگر شاید میری قوت دافعہ میں ابھی انحطاط نہیں ہوا۔ بہر حال اب میں بالکل ٹھیک ہوں اور مجھے اُس کتے کی فکر ہے۔ ایسا کتا آج تک میری نظر سے نہیں گذرا۔"

"آپ گھر کب چلیں گے۔"

"ابھی اور اسی وقت ..... مجھے صرف تمہارا انتظار تھا۔ لیکن تم مجھے اس طرح لے چلو گے جیسے میں نقل و حرکت سے مجبور ہوں۔"

"کوئی خاص آئیڈیا.....!" حمید اُسے غور سے دیکھنے لگا۔

"ہاں..... قطعی.....!"

پھر حمید نے وجہ نہیں پوچھی۔ فریدی بستر پر جا لیٹا اور حمید باہر نکل کر ایمبولینس گاڑی کا انتظار کرنے لگا۔ چار آدمی ایک اسٹریچر لائے۔ فریدی کو بستر سے اٹھا کر اسٹریچر پر ڈالا گیا، اس طرح وہ ایمبولینس گاڑی تک پہنچا۔

حمید متحیر تھا کہ آخر فریدی کیا کرنا چاہتا ہے۔

عدنان نے اخبار میز پر رکھ کر ایک طویل سانس لی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ پھر اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس کے اندر اضطراب ظاہر ہو رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اخبار اٹھا کر کوئی خاص خبر دوبارہ پڑھی اور اخبار کو توڑتا مروڑتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔

راہداری میں ایک نوکر سے اس نے تنویر کے متعلق پوچھا اور یہ معلوم کر کے کہ تنویر لائبریری میں ہے وہ اسی طرف چلا گیا۔

تنویر بھی اخبار ہی دیکھ رہی تھی۔ عدنان کی آہٹ پر چونک کر اُسے استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''تم نے وہ خبر پڑھی ممی..... کرنل فریدی کے متعلق۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے تم نے اس رات مجھ سے پوچھا تھا کہ کتے کے سر پر سفید دھاریاں تو نہیں تھیں۔''

''ہوں.....تو پھر.....!'' تنویر نے اُسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا اور ہونٹ بھینچ لئے۔

''کچھ نہیں.....کرنل فریدی بڑا شاندار آدمی ہے۔ اگر وہ مر گیا تو مجھے بڑی کوفت ہوگی۔ ہم دونوں میں یونہی معمولی سی جان پہچان ہے۔ ایک بار ہمیں ایک ساتھ شکار کھیلنے کا اتفاق ہوا تھا.....کیا کہنے ہیں اس کے نشانے کے۔ خدا کی قسم ہاتھ چوم لینے کو دل چاہتا ہے۔ ممی وہ بندر کی طرح پھرتیلا.....لومڑی کی طرح چالاک اور شیر کی طرح نڈر ہے۔''

''ہوں.....تو پھر.....!''

''میں اُسے دیکھنے جاؤں گا۔''

''تم گھر سے باہر قدم نہیں نکال سکو گے.....ویسے اگر نوکروں کے ہاتھوں بے عزتی پسند ہے تو میں کچھ نہیں کہتی۔''

''ممی.....تم مجھے خودکشی پر مجبور کر رہی ہو۔'' عدنان جھنجھلا گیا۔

''میری اجازت کے بغیر تم وہ بھی نہیں کر سکو گے۔'' تنویر نے انتہائی سرد لہجے میں کہا۔

''تم مجھے نہیں روک سکو گی۔ اگر فریدی زندہ ہے تو ہم دونوں مل کر اس کتے کو تلاش کریں گے۔''

''اس سلسلے میں میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔''

''تو پھر تم ہی مجھے اس کتے کے متعلق کچھ بتا دو۔''

''میں کچھ نہیں جانتی۔''

''پھر تم نے سفید دھاریوں کے متعلق کیوں پوچھا تھا۔''

''یونہی.....عدنان.....یہاں سے جاؤ۔ میں اخبار دیکھ رہی ہوں۔''

''تم مجھے باہر نہیں نکلنے دو گی.....کیوں؟''

تنویر دوبارہ اخبار دیکھنے لگی تھی۔ اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''میں فریدی کو فون کرنے جا رہا ہوں۔'' عدنان بولا۔

''دفع ہو جاؤ.....یہاں سے۔'' تنویر نے اخبار سے نظر ہٹائے بغیر جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

عدنان چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر لائبریری سے چلا گیا۔ جیسے ہی وہ باہر نکلا تنویر اخبار پھینک کر کھڑی ہو گئی۔ میز کی دراز سے ایک قلم تراش چاقو نکالا اور باہر نکل کر بڑی تیزی سے اس طرف چلنے لگی جدھر ٹیلی فون کے تار کا کھمبا تھا۔

اس نے ادھر اُدھر دیکھا اور چاقو سمیت ٹیلی فون کے تاروں پر جھک پڑی۔ ذرا ہی سی دیر میں تار کٹ گئے۔ اب وہ پھر لائبریری ہی کی طرف واپس جا رہی تھی۔

لائبریری میں پہنچ کر اُس نے کال بل کا بٹن دبایا اور دوسرے ہی لمحے میں ایک باوردی آدمی اندر آ گیا۔

''باڈی گارڈ کو یہاں بھیج دو.....!'' اُس نے اس سے کہا اور پھر اخبار اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگی۔ مگر اس کے چہرے سے یہ نہیں ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے ابھی کوئی غیر معمولی کام انجام دیا ہے۔

تھوڑی دیر بعد چاروں باڈی گارڈ لائبریری میں داخل ہوئے۔

''بیٹھ جاؤ.....!'' تنویر نے سامنے پڑی ہوئی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا اور ان کے بیٹھنے تک خاموش رہی.....پھر بولی۔ ''میں عدنان کو یہاں سے ہٹانا چاہتی ہوں۔''

''مگر آپ نے فرمایا تھا۔''

"پوری بات سنو۔" تنویر نے بولنے والے کو ڈانٹ دیا۔

ایک لمحے کے لئے وہاں موت کی سی خاموشی طاری ہوگئی۔ تنویر کی کرخت آواز دیوار اور چھت سے ٹکرا کر ایک قسم کی جھنکار سی پیدا کرنے لگی۔ "تم لوگوں کو صرف باتیں بنانا آتی ہیں۔ عملی حیثیت سے صفر ہو۔ تم سے ابھی تک اتنا نہ ہو سکا کہ سعید بابر کو ٹھکانے لگا دیتے۔"

"محترمہ! ہم تین بار کوشش کر چکے ہیں۔" معمر آدمی نے کہا۔ "لیکن شاید ابھی اس کے ستارے گردش میں نہیں آئے۔"

"بکواس مت کرو..... تم سب نکمے ہو۔ وہ تو دور کی بات ہے۔ تم سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ عدنان کو نگرانی میں رکھو۔ اسی عمارت میں رہ کر وہ خلاف حکم حرکتیں کر جاتا ہے اور تم آنکھیں بند کئے بیٹھے رہتے ہو۔"

"محترمہ وہ بھی مالک ہیں۔"

"جب میں اُسکے خلاف کوئی حکم دوں تو اُسے میرا بیٹا نہ سمجھو۔" تنویر آنکھیں نکال کر بولی۔

"اب ایسا ہی ہوگا۔" معمر آدمی نے کہا۔ "مگر وہ بے تحاشہ ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر اپنے بچاؤ کے سلسلے میں ہم سے کوئی گستاخی ہو جائے..... تو.....!"

"گستاخی ہو جانے دو.....!"

"تو پھر اب اطمینان رکھئے کہ وہ آپکے حکم کے خلاف ایک قدم بھی نہ اٹھا سکیں گے۔"

تنویر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔ "میں اُسے یہاں سے ہٹانا چاہتی ہوں۔ مگر ٹھہرو! تم نے فریدی کے متعلق پڑھا۔"

"جی ہاں.....!" معمر آدمی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اور ہمیں افسوس ہے کہ وہ اب خطرے سے باہر ہے۔"

"کیا خبر ہے۔"

"اُسے اسٹریچر پر ڈال کر گاڑی میں رکھا گیا اور کیپٹن حمید اسے گھر لے گیا۔"

"جب وہ اپنے پیروں سے چل بھی نہیں سکتا تو اُسے ہسپتال سے کیوں ہٹایا گیا۔"

"خدا ہی جانے۔"

"خیر مجھے اس سے بحث نہیں۔" عدنان اور فریدی ایک دوسرے کے شناسا ہیں۔ عدنان ایک کتے ہی نے حملہ کیا تھا اور اتفاق سے وہ کتا بھی اسی قسم کا تھا جس کے متعلق اخبارات یا ہے۔ لہٰذا عدنان فریدی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ فی الحال میں نے ٹیلی کے تار کاٹ دیئے ہیں۔ مگر یہ طریقہ زیادہ دیر تک کامیاب نہیں ثابت ہو سکتا۔"

"وہ فریدی سے رابطہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔" معمر آدمی نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.....!"

"تو کیا آپ انہیں اپنے حالات سے بالکل ہی لاعلم رکھتی ہیں۔"

"شٹ اپ..... تمہیں اس سے کوئی بحث نہ ہونی چاہئے۔"

"میں معافی چاہتا ہوں..... محترمہ.....!" معمر آدمی گڑگڑایا۔

"آج رات اُسے یہاں سے ہٹا دو۔"

"جو حکم ہو۔"

"قریب آؤ..... اپنی کرسیاں قریب کھسکا لاؤ۔"

رات اندھیری تھی اور کیپٹن حمید سارجنٹ رمیش کے ساتھ سعید بابر کی کوٹھی کے گرد منڈلا مگر سارجنٹ رمیش کو اسکیم نہیں معلوم تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اندھیرے میں سر مارنے کا کیا ہے۔

"یہ چکر کیا ہے بڑے بھائی۔" رمیش بڑبڑایا۔

"بدنصیبی.....!" حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "گدھے بھی اس وقت گھاس رہے لیکن ہم سردی کھا رہے ہیں۔ رمیش کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟"

"ہاں..... کیوں؟"

"تمہاری شادی بھی نہیں ہوئی۔ پھر تم اس محکمے میں کیوں جھک مار رہے ہو۔"

"تو تمہارے ساتھ کون سی مصیبت ہے۔ تم بھی تو آزاد ہو۔ تم کیوں یہاں جھک مار

رہے ہو۔" رمیش نے کہا۔

"میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میری شادی نہ ہو جائے۔ اُس وقت کیا ہوگا۔"

"آپ کو شادی کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

"میں مار بیٹھوں گا تمہیں..... تم بھی یہی کہتے ہو۔"

"میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ درجنوں لڑکیاں تو تمہارے ساتھ ماری ماری پھرتی ہیں۔"

"آہا..... یہی تو تم نہیں سمجھتے۔ اس راز سے واقف نہیں ہو۔ نہ سمجھو تو بہتر ہے۔"

"آخر پھر بھی۔"

"چھوڑو..... ہم اس وقت ڈیوٹی پر ہیں۔ ہمیں لڑکیوں کی باتیں نہ کرنی چاہئیں۔"

"انسپکٹر ریکھا کی بات کرو..... وہ تو اپنے محکمے ہی کی ہیں۔" رمیش نے قہقہہ لگایا۔

ٹہلتے ہوئے عمارت کی پشت پر جا نکلے۔

"ریکھا.....!" حمید کہہ رہا تھا۔ "اس نے شائد فریدی صاحب سے پریم اسٹارٹ کر رکھا ہے۔"

"میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔ دن میں کم از کم دس بار صاحب کے کمرے میں آتی ہیں۔"

"ہائے..... ریگ زاروں میں کہیں ہوتی ہے پانی کی نمود..... آپ بھگتے گی..... کرنل ہا اسٹون کو مجھ سے زیادہ اور کوئی نہیں سمجھتا۔ دنیا کی ڈیڑھ درجن حسین ترین عورتوں کو میں جا ہوں جو آج بھی کرنل ہارڈ اسٹون کو سافٹ کوک بنانے کے چکر میں ہیں۔"

"واقعی حمید بھائی..... سمجھ میں نہیں آتا کہ کرنل صاحب عورتوں سے اتنا بدکتے کیوں ہیں۔"

"نہیں ایسا بھی نہیں ہے۔ کیا تم نے انہیں کبھی کسی عورت کے ساتھ ناچتے نہیں دیکھا۔"

"نہیں.....!" رمیش نے حیرت سے کہا۔

"آہا..... تم نے نہیں دیکھا۔ اُس وقت وہ حضرت پرانے کھلاڑی اور پرلے سرے عیاش معلوم ہوتے ہیں۔ مگر حقیقت..... میرا دعویٰ ہے کہ اس شخص میں عورت کے حسن محظوظ ہونے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ اگر ضرورتاً انہیں کسی بھینس کے ساتھ ناچنا پڑے تب وہ اتنے ہی ہشاش بشاش نظر آئیں گے۔"

"کمال ہے..... یہاں تو یہ عالم ہے کہ اگر کبھی کسی لڑکی نے مسکرا کر بات کر لی تو ہفتوں

ہیں حرام..... بس یہ معلوم ہوتا ہے جیسے وہ سچ مچ مجھ پر عاشق ہو گئی ہو اور ایسے میں دل لگتا ہے دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔ یقیناً وہ بھی اپنے فراق میں اسی طرح تڑپ رہی ہوگی۔"

"ہائیں.....!" حمید نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ "رمیش! تم مادر زاد عاشق معلوم ہوتے ہو ں کے باوجود بھی کرنل ہارڈ اسٹون کی نظر میں اچھے کے اچھے۔"

"میں لڑکیوں کی دم میں تو نہیں بندھا رہتا۔" رمیش نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"لڑکیوں کے متعلق سوچتے رہنا اس سے بھی بُرا ہے فرزند.....!"

"مارو گولی.....!" رمیش نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔ "سردی لگ رہی ہے۔ آخر ہم کب تک رح جھک مارتے پھریں گے۔"

جب تک کہ سعید بابر کے دشمن اُسے ختم نہ کر دیں۔ یہ لوگ غیر ممالک سے اسی لئے آتے ہم کام چور اور نکمے نہ ہونے پائیں۔"

"کیا اس کے کچھ دشمن بھی ہیں۔" رمیش نے پوچھا۔

حمید اثبات میں جواب دے کر ایک دیوار سے ٹک گیا۔ رمیش سعید بابر کے ہم شکل فقیر کو چکا تھا لیکن اُسے اُن واقعات کا علم نہیں تھا، جو اس کے بعد ظہور پذیر ہونے والے تھے۔ نے شروع سے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ سعید بابر کی ذات سے تعلق رکھنے والے کسی اقعہ کا ذکر اخبارات میں نہ آنے پائے اور اس نے سعید بابر کو تاکید بھی کر دی تھی کہ ان ات کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتائے۔ سعید بابر نے اس پر حیرت بھی ظاہر کی تھی۔ لیکن فریدی ے سمجھا دیا تھا کہ بات پھیلنے پر پریس رپورٹر اُس کی زندگی تلخ کر دیں گے۔

"تو وہ یہاں مقیم کیوں ہے۔" رمیش نے پوچھا۔

"پتہ نہیں! اگر وہ مرنا ہی چاہتا ہے تو ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" حمید دیوار سے اپنی الگ کرتا ہوا بولا۔

او پھر ٹہلتے ہوئے سڑک کی طرف چل پڑے۔ سعید بابر کی کمپاؤنڈ اب تاریک ہو چکی برآمدہ بھی تاریک تھا۔ حمید اور رمیش سلاخوں دار پھاٹک کے قریب آکر رک گئے۔ یہ

کوٹھی ایک ایسی جگہ پر واقع تھی جس کے آس پاس کوئی الیکٹرک پول نہیں تھا اس لئے باہر کے قریب و جوار میں تاریکی ہی رہتی تھی۔

پھاٹک اندر سے بند تھا لیکن اس کی اونچائی زیادہ نہیں تھی۔ پہلی ہی کوشش میں وہ دوسری طرف پہنچ گیا۔ رمیش باہر ہی رہا۔ حمید نے آہستہ سے کہا۔

"چلے آؤ۔"

رمیش نے اس کی تقلید کی۔ اندر چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

"کراٹا کی باڑھ کی اوٹ ہی میں رہنا" حمید نے آہستہ سے کہا۔

عمارت میں کہیں بھی روشنی نظر نہیں آ رہی تھی۔ حمید نے اپنی ریڈیم ڈائیل والی گھڑی طرف دیکھا۔ بارہ بج چکے تھے۔ وہ دونوں آہستہ آہستہ پورچ کی طرف بڑھتے رہے۔

ادھر تین دنوں سے برابر سعید بابر شکایت کرتا رہا تھا کہ چند نامعلوم آدمی عمارت میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ جاگ کر راتیں گذارتا ہے۔ آج یہاں ان دونوں موجودگی کی یہی وجہ تھی۔

وہ تقریباً ایک بجے تک سرگرداں رہے لیکن سعید بابر کے بیان کی تصدیق نہ ہو سکی۔

"کیوں نہ اب میں ہی حملہ کر دوں۔ اس اُلو کے پٹھے پر۔" حمید نے جھلائے ہوئے میں کہا اور رمیش ہنسنے لگا۔

"نہیں یار.....!" حمید پھر بولا۔ "کچھ نہ کچھ کرنا ہی چاہئے۔ مجھے یہ آدمی بھی بڑا پُراسرار معلوم ہوتا ہے۔ سنو! کیوں نہ ہم اندر چلیں۔ میرا خیال ہے کہ کوئی کھڑکی آزمانی چاہئے۔"

"اگر تم نے ایسی کوئی حماقت کی تو بھگتو گے۔" حمید نے اپنے پیچھے ایک تیز قسم کی سرگو سی اور بیساختہ اچھل پڑا۔ رمیش بھی بوکھلا گیا۔

"چلو اب یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ میں اپنا اطمینان کر چکا ہوں۔" وہی آواز پھر آئی لیکن اس بار حمید نے پہچان لیا۔ یہ فریدی کی آواز تھی اور اب وہ کراٹا باڑھ پھلانگ کر ان قریب پہنچ چکا تھا۔

"عمارت خالی ہے۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔ "سعید بابر اندر موجود نہیں ہے۔"

"مگر آپ کیوں چلے آئے۔" حمید بڑبڑایا۔ "آپ تو خود کو صاحب فراش ظاہر کرنا چاہتے تھے۔"

"وہ تو میں اب بھی ہوں لیکن اُجالے میں تم مجھے پہچان نہ سکو گے۔"

"میک اپ.....!" حمید نے کہا۔

"ہاں..... اب اس کے بغیر کام چلتا نظر نہیں آتا۔"

"تو آپ آرام نہیں کریں گے۔ آپ کی کلائی بُری طرح زخمی ہو گئی ہے۔"

"پرواہ نہ کرو..... اب یہاں سے نکلو۔ ہمیں بالی کیمپ کی طرف چلنا ہے۔"

حمید جھلا گیا۔ مگر کچھ بولا نہیں۔ وہ سمجھا تھا کہ اب یہاں سے گھر ہی کی طرف جانا ہوگا۔ شدید سردی کے احساس کے باوجود بھی اس کی پلکیں نیند سے جھکی آ رہی تھیں۔ وہ کمپاؤنڈ سے باہر آئے۔ تھوڑی دور پیدل چلنے کے بعد فریدی اپنی گاڑی کے قریب پہنچ گیا۔

"تم کار ڈرائیو کرو گے۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"اس وقت مجھ سے یہ کام نہ لیجئے ورنہ کار سمیت کسی درخت ہی پر بسیرا ہوگا۔"

"بکواس مت کرو۔"

"نیند کا یہی عالم ہے جناب۔"

"رمیش تم ڈرائیو کرو..... کیا تمہیں بھی نیند آ رہی ہے۔"

"جی نہیں..... میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

رمیش اور حمید اگلی نشست پر جا بیٹھے اور فریدی نے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا۔ کچھ دیر بعد کار سنسان سڑکوں پر چکراتی ہوئی بالی کیمپ کی طرف جا رہی تھی اور حمید کھڑکی پر بازو ٹیکے بڑے اطمینان سے سو رہا تھا۔

"رمیش ہمیں جلد پہنچنا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "رفتار اور تیز کرو۔"

"بہت بہتر جناب۔" رمیش نے کہا اور رفتار تیز کر دی۔

اس وقت وہ اسی سڑک پر تھے جس پر چند روز قبل فریدی کو ایک حیرت انگیز تجربہ ہوا تھا۔

فریدی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ریوالور کے دستے پر اُس کی گرفت بہت مضبوط تھی مگر آج وہ بخیرو

خوبی اس سڑک سے گذر گیا۔

جب کار بالی کیمپ والی سڑک پر مڑ رہی تھی۔ فریدی نے حمید کو جھنجھوڑ کر اٹھا دیا۔

''تم جھولے پر نہیں ہو فرزند.....!'' اُس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

حمید کچھ نہیں بولا۔ چپ چاپ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ویسے اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ کار سے چھلانگ لگا دے۔ آنکھوں میں جلن سی محسوس ہونے لگی تھی اور کھوپڑی ہوا میں معلق معلوم ہو رہی تھی۔

''رمیش کار روک دو۔'' فریدی نے کہا اور رمیش نے رفتار کم کر کے کار کو سڑک کی کنارے لگا دیا۔ فریدی حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرم لہجے میں بولا۔ ''یہ کام بہت اہم ہے۔ ورنہ میں ایسی صورت میں بستر مرگ سے اٹھنے کی زحمت کیوں گوارا کرتا۔''

حمید خاموش ہی رہا۔ بہر حال وہ اب ذہن کو نیند کے پیچ و خم سے آزاد کرانے کی کوشش کر رہا تھا اور خود اُسے بھی احساس ہو چلا تھا کہ اس وقت جھلاہٹ کا مظاہرہ قطعی بے تکا رہے گا۔

''اس کام کا سارا دارومدار تم پر ہے۔'' فریدی بولا۔

''ہاں.....اچھا.....پھر.....!''

''ہاں.....اچھا.....پھر کیا؟ کیا ابھی تک نیند سوار ہے۔''

''نہیں.....میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

''تمہیں وہ نیگرو شکاری زغالی یاد ہے نا جو کبھی نواب وجاہت مرزا کے یہاں میر شکاری کی حیثیت سے ملازم تھا۔''

''ہاں مجھے یاد ہے۔''

''اس وقت ہم اُسی کے پاس جا رہے ہیں اور ہمیں اُس سے اُن نشانات کے متعلق معلومات حاصل کرنی ہیں جو سعید بابر کی کمپاؤنڈ میں ملے تھے۔''

''وہ کیا بتا سکے گا۔''

''مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک بار اس نے ایسے ہی حیرت انگیز نشانات کا تذکرہ کیا تھا اور بات غالباً افریقہ نیروبی ہی کی تھی.....البتہ وہ واقعہ یاد نہیں آ رہا ہے جس کے سلسلے میں اس نے

چھیڑی تھی۔''

''زغالی کہاں ہے۔''

''بالی کیمپ کی ایک بستی میں۔ میں تمہیں وہیں لے چل رہا ہوں۔ خطرناک آدمیوں کی بستی ہے۔ ہر وہ آدمی جو رات میں نظر آئے اُس کے سامنے زغالی کا نام ضرور لینا ورنہ جسم پر کپڑے بھی نظر نہ آئیں گے۔''

''یہ آپ کہہ رہے ہیں؟'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''ہاں میں کہہ رہا ہوں..... یہ موقع ہی ایسا ہے کہ میں بات نہیں بڑھانا چاہتا.....سمجھے.....زغالی تمہیں یقیناً پہچان لے گا۔ میرے متعلق تم کہہ سکتے ہو کہ میں علم الاجسام کا ایک پروفیسر ہوں اور میرے پاس کسی حیرت انگیز جانور کے پیروں کے نشانات کے فوٹو ہیں اور تم مجھے اس کے پاس اسی لئے لائے ہو کہ وہ مجھے اپنی معلومات سے فائدہ پہنچائے۔''

اس کی درندگی

چاروں طرف پکے کچے مکانات کے سلسلے بکھرے ہوئے تھے۔ بستی میں گھسنا دشوار ہو گیا تھا۔ چاروں طرف کتوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔ پھر ذرا ہی سی دیر میں ایسا معلوم ہونے لگا جیسے ساری بستی جاگ پڑی ہو۔ دروازوں کے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں آنے لگیں۔ اچانک ایک گلی میں چار آدمی ان کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ ایک نے ان پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔

''ہم زغالی کے پاس جا رہے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''اوہ جائیے.....جائیے.....!'' ٹارچ والا ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔ ''کیا آپ اندھیرے میں جائیں گے۔ آپ کے پاس ٹارچ نہیں ہے۔''

''نہیں.....ہم سے غلطی ہوئی۔ لانا بھول گئے۔'' حمید بولا۔

''چلئے.....میں آپ کو راستہ دکھاتا ہوں۔!'' ٹارچ والے نے کہا۔

وہ لوگ پھر چل پڑے۔ ایک آدمی ٹارچ کی روشنی میں انہیں نہ صرف راستہ دکھا رہا تھا بلکہ ان کتوں کو ڈانٹتا بھی جا رہا تھا جو ادھر اُدھر کی گلیوں سے نکل کر بھونکنے لگتے تھے۔

پھر وہ ایک پختہ عمارت کے سامنے رک گئے جو سرخ اینٹوں سے بنائی گئی تھی۔عمارت بہت پرانی تھی اور اس کی اینٹوں میں لونا لگنے لگا تھا۔

ان کا راہبر وہاں پہنچ کر رخصت ہو گیا۔

حمید نے صدر دروازے کی زنجیر کھٹکھٹائی اور اُس وقت تک کھٹکھٹاتا رہا جب تک کہ اندر سے ایک غصیلی آواز نہیں آئی۔

"کون ہے.....!" کسی نے دھاڑ کر پوچھا۔

"ایک ضرورت مند.....دروازہ کھولو.....!" حمید نے کہا۔

"کیا صبح نہ ہوتی۔" کسی نے دروازے کے قریب آ کر کہا۔"تم کون ہو!"

"میں کیپٹن حمید ہوں.....مرکزی سی آئی ڈی کا ایک آفیسر۔"

دوسری طرف سے ایک ہلکی سی غراہٹ سنائی دی اور ساتھ ہی دروازہ چرچراہٹ کے ساتھ کھل گیا۔

اندر زرد رنگ کی ہلکی سی روشنی تھی اور ان کے سامنے ایک چوڑا چکلا عمر رسیدہ نیگرو کھڑا تھا اُس کی گردن شانوں میں دھنسی ہوئی تھی۔وہ بڑے غور سے حمید کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"بے شک آپ وہی ہیں.....مگر مجھے حیرت ہے اتنی رات گئے۔"

وہ اُن کے آگے چلنے لگا۔اس کی چال عجیب تھی۔اس طرح اچھل اچھل کر چل رہا تھا جیسے ٹانگیں چھوٹی بڑی ہوں۔

وہ انہیں ایک ایسے کمرے میں لایا جہاں بید کی تین چار میلی سی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں دیوار سے ایک رائفل لٹکی نظر آ رہی تھی۔یہاں مٹی کے تیل کا ایک لیمپ تھا جسے زغالی نے آتے ہی روشن کر دیا تھا۔

"آپ لوگ بیٹھئے.....!" اس نے قدرے جھک کر کہا۔

یہ تینوں بیٹھ گئے۔رمیش حیرت سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔کبھی کبھی وہ اُس نیگرو کی طرف بھی دیکھتا لیکن کچھ اس انداز میں کہ فوراً ہی دوسری طرف دیکھنے لگتا جیسے وہ اُس سے خوفزدہ نہ ہونے کی کوشش کر رہا ہو۔

"ہاں.....اب بتایئے.....میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"یہ پروفیسر دیال ہیں۔علم الاجسام کے ماہر۔" حمید نے فریدی کی طرف اشارہ کیا جو ...اپ میں تھا۔

"علم الاجسام کیا۔" زغالی نے سوال کیا۔

"آپ ہی بتایئے جناب۔" حمید نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بات یہ ہے کہ میں پہلے کرنل فریدی کے پاس گیا تھا۔" فریدی نے کہا۔"انہوں نے ...آپ کے پاس بھیج دیا۔میرے پاس دراصل چند حیرت انگیز نشانات کے فوٹو ہیں۔میرا ...ل ہے کہ وہ کسی جانور کے پیروں کے نشانات ہیں مگر اس قسم کا کوئی جانور میرے علم میں نہیں ...۔مجھے معلوم تھا کہ کرنل فریدی بھی لامحدود معلومات رکھتے ہیں اسی لئے میں اس سلسلے میں ...کے پاس گیا تھا مگر انہوں نے بھی لاعلمی ظاہر کی۔پھر آپ کا پتہ بتایا کہ آپ ضرور با ضرور ...پر روشنی ڈال سکیں گے۔"

"مگر اس کے لئے آپ دن کو بھی آ سکتے تھے۔" زغالی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

"دیکھئے بات دراصل یہ ہے۔" فریدی جلدی سے بولا۔"یہ نشانات کئی دنوں سے ...نیورسٹی میں زیرِ بحث ہیں۔ہم میں سے کئی پروفیسران کے متعلق تحقیقات کر رہے ہیں۔کل صبح ...اپنی رپورٹیں پیش کرنی ہوں گی۔بس اسلئے دوڑا آیا کہ شاید آپ سے کچھ مدد مل جائے۔"

زغالی تھوڑی دیر تک اُسے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔"لایئے.....وہ نشانات کہاں ہیں؟"

فریدی نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر اسکی طرف بڑھا دیا جس پر دو نشانات کا عکس تھا۔

"یہ نشانات کہاں ملے تھے۔" زغالی نے آہستہ سے پوچھا۔

"لڑکال جنگل میں۔" فریدی نے جواب دیا۔

زغالی خاموشی سے نشانات کو دیکھتا رہا پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔"نہیں میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایسے نشانات نہیں دیکھے۔اگر اس قسم کا کوئی جانور لڑکال جنگل میں موجود ہے تو اُس کا شکار بڑا دلچسپ رہے گا۔"

پھر حمید کیطرف دیکھ کر اس نے کہا۔"کرنل صاحب تو یقیناً اس جانور کی تلاش میں ہوں گے۔"

"میں نے آج ہی اُن سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

زغالی نے سر جھکا لیا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں تھیں۔ کمرے میں گہرا سکوت مسلط ہوگیا۔ لیمپ کی مدھم روشنی میں زغالی کا چہرہ بڑا بھیانک لگ رہا تھا۔

اچانک حمید بولا۔ "مگر کرنل صاحب نے تو کہا تھا کہ تم ان نشانات کے متعلق کچھ بتا سکو گے۔"

"یہ کس بناء پر کہا تھا، انہوں نے۔" زغالی نے سر اٹھا کر پوچھا۔ لیکن اب وہ ان میں سے کسی کے بھی چہرے کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھیں چہرے کی جھریائی ہوئی کھال میں ایسی ہی لگ رہی تھیں جیسے وہ کسی سالخوردہ مگر خونخوار گینڈے کی آنکھیں ہوں۔

"تم نے شاید کبھی اُن سے اس قسم کا تذکرہ کیا تھا۔ ایسے نشانات غالباً افریقہ میں کہیں تمہاری نظروں سے گذرے تھے۔"

"مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی اس قسم کی گفتگو کی ہو۔ ویسے میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ کرنل غلط کہتے ہیں۔ اب دیکھئے نا میں کتنا بوڑھا ہوں اسی لئے بھلکڑ بھی ہوگیا ہوں۔ آپ سمجھتے ہیں نا۔"

"تو پھر..... گویا..... مجھے یہاں بھی ناکامی ہوئی۔" فریدی بڑبڑایا۔

زغالی کچھ نہ بولا۔ بدستور سر جھکائے بیٹھا رہا۔

دفعتاً فریدی اٹھ گیا۔ "اچھا تو میں نے ناحق آپ کو تکلیف دی۔"

"کوئی بات نہیں ہے جناب۔ میں کرنل صاحب اور اُن کے دوستوں کا خادم ہوں۔"

حمید اور رمیش بھی اٹھ گئے۔ صدر دروازے تک وہ خاموشی سے آئے پھر زغالی نے حمید سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہر خدمت کے لئے مجھے ہر وقت یاد رکھئے۔"

ان کے باہر نکلتے ہی دروازہ آواز کے ساتھ بند ہوگیا۔ وہ چل پڑے۔ فریدی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

گلی کے موڑ پر انہیں رک جانا پڑا کیونکہ گلی پتلی تھی اور دوسری طرف سے چار آدمیوں کا ایک جلوس اس گلی میں داخل ہو رہا تھا۔ چاروں ایک لائن میں تھے اور انہوں نے ایک بہت لمبا بنڈل اپنے کاندھوں پر سنبھال رکھا تھا۔

وہ اُن کے قریب ہی سے گذر گئے۔ فریدی رک گیا تھا۔ حمید نے آگے بڑھنا چاہا لیکن

ں نے اس کا ہاتھ دبا دیا۔

وہ چاروں آدمی زغالی کے مکان کے سامنے رک گئے تھے اور اب دروازے کی زنجیر ہلا ہے تھے۔

فریدی چند لمحے وہیں کھڑا رہا پھر گلی میں مڑ گیا۔

وہ سڑک پر نکل آئے۔ ٹھیک گلی کے سامنے ہی انہیں کار نظر آئی۔ فریدی رک گیا۔ کار الی تھی۔ وہ چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر سگار لائٹر جلا کر روشنی میں ڈیش بورڈ پر نظر ڈالنے لگا۔

اچانک اس نے مڑ کر حمید سے کہا۔ "حمید اس کار کے نمبر نوٹ کرلو۔ غالباً انہیں لوگوں کی ہے جو ابھی گلی میں ملے تھے..... اور تم دونوں واپس جاؤ۔"

"کیا ہمیں کار چھوڑنی پڑے گی۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں کار لے جاؤ۔" فریدی نے کہا اور بڑی تیزی سے اسی گلی میں چلا گیا۔

"چلو مری جان.....!" حمید رمیش کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ایک طویل سانس لیتا ہوا بولا۔

"نمبر تو نوٹ کرلو۔"

"ہاں..... نمبر.....!" حمید نے کہا اور دیا سلائی جلا کر کار کے نمبر دیکھے اور انہیں ذہن ین کرتا ہوا سیدھا ہوگیا۔

"آؤ چلیں..... ذرا سی دیر میں میں بھی مرغوں کی طرح بانگ دینے لگوں گا۔ صبح تو ہو ہی ئی ہے۔"

وہ اپنی کار میں آ بیٹھے۔ حمید نے اس بار بھی رمیش ہی سے ڈرائیو کرنے کی استدعا کی۔ انے بہت دیر سے پائپ نہیں پیا تھا۔

سردی بے تحاشہ بڑھ گئی تھی۔ پائپ کے دو تین گہرے کش لینے کے بعد اس نے کچھ کون محسوس کیا۔

"پتہ نہیں وہ چاروں کیا اٹھائے ہوئے تھے۔" رمیش نے کہا۔

"یار جہنم میں ڈالو۔ ہمیں اس سے کیا کہ لقا کبوتر دم کیوں اٹھائے رہتا ہے۔ مگر تم کیا ۔اس محکمے کی ملازمت ہی ایسی ہے۔ چوبیس گھنٹے سراغ رساں بنے رہئے۔"

"نہیں حمید بھائی..... وہ بنڈل عجیب تھا۔ اتنا لمبا بنڈل آخر اس میں تھا کیا۔"

"آئس کریم.....!"

رمیش خاموش ہو گیا..... کار سڑک پر دوڑتی رہی۔

صبح کے نو بجے تھے۔ دھوپ اچھی طرح پھیل چکی تھی۔ تنویر اپنی لائبریری میں بیٹھی اخبار دیکھ رہی تھی۔ وہ صبح کی چائے لائبریری ہی میں پیتی تھی۔ یہ اُس کا معمول تھا۔ چائے کے دوران میں اخبار دیکھتی رہتی۔ کھانا بھی تنہا ہی کھاتی۔ کم از کم اس کے بیٹے عدنان کو تو یاد نہیں تھا کہ کبھی وہ دونوں کھانے کی میز پر ساتھ بیٹھے ہوں۔ اُس کی کوٹھی میں آئے دن دعوتیں بھی ہوتی رہتی تھیں لیکن وہ کبھی مہمانوں کے ساتھ نہ بیٹھتی۔ میزبانی کے فرائض عدنان کو انجام دینے پڑتے۔ وہ تو اپنی ماں کو نیم دیوانی ہی سمجھتا تھا۔

تنویر اخبار ایک طرف میز پر پھینک کر کھڑی ہو گئی۔ وہ باہر ہی جا رہی تھی کہ ایک ملازم نے آکر اس کو فون کال کی اطلاع دی۔

تنویر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کمرے میں آئی جہاں فون تھا۔ اس نے لاپروائی سے ریسیور اٹھالیا اور نڈھال سی آواز میں "ہیلو" کہا۔

ذرا ہی سی دیر میں اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ دوسری طرف سے بولنے والا کوئی ایسی ہی بات کہہ رہا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا "کچھ اندازہ ہے تمہیں کہ یہ حرکت کس کی ہو سکتی ہے۔"

پھر وہ دوسری طرف سے بولنے والے کا جواب سنتی رہی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا صحت مند چہرہ کسی پرانے مریض کا چہرہ معلوم ہونے لگا تھا۔

"ہوں..... اچھا.....!" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "تم بالکل پرواہ نہ کرو۔ میں دیکھوں گی۔ ویسے یہ میرا مشورہ ہے کہ تم اب وہاں سے ہٹ جاؤ۔ کیوں کیا خیال ہے۔"

جواب میں پھر کچھ کہا گیا اور تنویر سر ہلا کر بولی۔ "جہاں بھی جاؤ مجھے اپنی جائے قیام سے

رکھنا..... اچھا..... ہاں دیکھو..... مجھے تم پر ہمیشہ سے اعتماد رہا ہے۔ تم مر جاؤ گے لیکن کسی ایک لفظ بھی نہیں کہو گے۔ اچھا.....!"

اُس نے ریسیور رکھ دیا۔ چند لمحے کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر بیرونی برآمدے میں آکر نے سارے ملازمین کو اکٹھا کیا۔ نجی دفتر کی کلرک لڑکیوں کو بھی وہیں بلوالیا۔

"تم سب.....!" وہ انہیں مخاطب کر کے بولی۔ "بیس منٹ کے اندر اندر کوٹھی خالی کر دو۔ آج چھ بجے شام تک کیلئے تم سبھوں کو چھٹی ہے۔ میں ہیڈ آفس فون کر رہی ہوں۔ وہاں آج کیلئے تمہیں تفریح الاؤنس ملے گا۔ بیس منٹ کے اندر اندر یہاں سے چلے جاؤ۔"

پھر وہ انہیں وہیں چھوڑ کر اندر چلی آئی۔ ملازمین کی اس بھیڑ میں اس کے چاروں باڈی ڈ شامل نہیں تھے۔

بیس منٹ کے اندر ہی اندر کوٹھی میں اُلو بولنے لگی۔ نوکروں کو اس کے رویہ پر ذرہ برابر حیرت نہیں ہوئی تھی۔ وہ اس قسم کی انہونی باتوں کے عادی ہو چکے تھے ان کا بھی یہی خیال کہ تنویر ایک نیم دیوانی عورت ہے۔

کمپاؤنڈ کا پھاٹک تنویر نے خود اپنے ہاتھوں سے بند کیا۔ چاروں باڈی گارڈ بھی متحیر نہیں ئے۔ اُن کی مجال نہیں تھی کہ وہ تنویر کے کسی کام میں دخل دے سکتے۔ خاموشی سے یہ سب کچھ کھتے رہے۔ آخر تنویر نے تھوڑی دیر بعد اُن چاروں کو طلب کیا۔

"تم کل اُسے لے کر وہاں کس وقت پہنچے تھے۔"

"شاید تین بجے تھے۔" معمر آدمی نے جواب دیا۔

"کیا اُسے ہوش آ گیا تھا۔"

"جی نہیں..... وہ زغالی کے مکان پر پہنچ کر بھی بیہوش ہی رہے تھے۔"

"تمہاری موجودگی میں اُسے ہوش آ گیا تھا۔"

"نہیں محترمہ..... ہم زغالی کو سب کچھ سمجھا کر واپس آ گئے تھے۔"

"ہوں.....!" وہ انہیں غور سے دیکھتی ہوئی سرد لہجے میں بولی۔ "مگر اب عدنان وہاں گیا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا محترمہ.....!" معمر آدمی نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"سمجھنے کی کوشش کرو۔" تنویر آہستہ سے بولی۔ "تمہارے وہاں پہنچنے سے تھوڑی ہی دیر قبل کیپٹن حمید وہاں دو آدمیوں کے ساتھ پہنچا تھا۔"

"وہ وہاں کس لئے گیا تھا۔" معمر آدمی نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"پتہ نہیں.....!" تنویر نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔ "بہرحال چار اور پانچ کے درمیان عدنان غائب ہو گیا جس کمرے میں اُسے رکھا گیا تھا اس کا قفل ٹوٹا ہوا ملا اور صدر دروازہ کھلا ہوا تھا۔ زغالی اُسے کمرے میں بند کر کے سو گیا تھا۔ اب تم بتاؤ کہ یہ حرکت کس کی ہو سکتی ہے۔"

"کیپٹن حمید وہاں کیوں گیا تھا۔" معمر آدمی بڑبڑایا۔

"تو تمہارا خیال ہے کہ یہ حرکت انہیں لوگوں کی ہے۔"

"جی ہاں..... پھر ایسی صورت میں یہی کہا جا سکتا ہے۔ اسکے علاوہ اور کیا سمجھیں گے۔"

"میں نے اُسے وہاں کیوں بھجوایا تھا۔"

"تا کہ وہ فریدی تک نہ پہنچ سکیں۔"

"پھر.....!" تنویر اُسے گھورنے لگی۔

"محترمہ آپ یقین کیجئے۔" معمر آدمی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "ہم نے اُس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا تھا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اُن لوگوں کو کیسے خبر ہو گئی۔"

تنویر کچھ نہیں بولی۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر اُس نے کہا۔ "اب ایک دوسری اسکیم ہے لیکن تم زیادہ محتاط رہو گے۔"

"فرمائیے محترمہ.....! ہم شاید اسی بار آپ کا کام صحیح طور پر انجام دے سکیں۔ ویسے آج کل شاید ہمارے ستارے ہی گردش میں ہیں جس کام میں ہاتھ لگاتے ہیں بگڑ جاتا ہے۔"

"پرواہ مت کرو..... اکثر ایسا بھی ہوتا ہے۔" تنویر مسکرا کر بولی اور وہ چاروں بیساختہ چونک پڑے۔ انہوں نے اپنے ہوش میں پہلی بار تنویر کو مسکراتے دیکھا تھا۔

"میں فی الحال تمہیں اپنے ایک راز میں شریک کرنا چاہتی ہوں۔ مگر اس کی کیا ضمانت

کہ وہ راز ہمیشہ تم چاروں ہی تک محدود رہے گا۔"

"ہماری وفاداری میں شبہ نہ کیجئے۔ ہم نے ہر موقع پر آپ کیلئے جان کی بازی لگائی ہے۔ ن میں ہم صرف اپنی وفاداری ہی پیش کر سکتے ہیں کیونکہ وہ ہماری سب سے بڑی قسم ہے۔"

"اچھا تو آؤ..... میں تمہیں عمارت کے اس حصے میں لے چلوں گی جہاں آج تک ے علاوہ اور کوئی نہیں جا سکا۔"

"ہم اسے اپنی سرفرازی سمجھیں گے۔" معمر آدمی نے قدرے جھک کر کہا۔

"تم کبھی کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کرو گے۔"

"کبھی نہیں محترمہ..... آپ ہم پر اعتماد کیجئے۔"

"اچھا تو آؤ میرے ساتھ۔"

وہ اُس راہداری میں چل رہے تھے جس کے سرے پر وہ دروازہ تھا جس کی دوسری طرف ال تنویر کے علاوہ اور کسی کو نہیں معلوم تھا۔

تنویر نے دروازے کا قفل کھول کر دونوں پٹ کھول دیئے۔ کمرہ تاریک تھا۔

"چلو.....!" تنویر ایک طرف ہٹتی ہوئی بولی۔ معمر آدمی سب کے آگے تھا۔ وہ کسی ہٹ کے بغیر اندر چلا گیا۔ اُس کے ساتھیوں نے بھی اس کی تقلید کی۔ تنویر کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اُن چاروں کے بعد کمرے میں چلی جائے گی۔ مگر اُس کا رویہ خلاف تھا۔ اُس نے دوسرے ہی لمحے میں دروازے کے پٹ کھینچ کر باہر سے بند کر لئے۔

"محترمہ.....!" اندر سے آواز آئی۔ مگر تنویر قفل چڑھا چکی تھی۔

پھر اُس نے چیخ کر کہا۔ "منڈونگا تیرے شکار۔ تیری بہت پرانی خواہش پوری ہو گئی۔ آدمی شت۔"

"محترمہ..... محترمہ.....!" چاروں بیک وقت چیخے اور پھر اچانک ان کے حلق سے عجیب ی آوازیں نکلنے لگیں۔

"بچاؤ..... بچاؤ۔" کے شور کے ساتھ ہی ریلوے انجن کی سیٹیاں بھی گونج رہی تھیں۔

"محترمہ..... تنویر.....!"

"تنویر.....حرامزادی.....کتیا۔"

"او تنویر.....سُور کی بچی۔"

"ذلیل کمینی.....دروازہ کھولو۔"

باہر تنویر کے ہونٹوں پر ایک سفاک سی مسکراہٹ تھی اور آنکھیں کسی بھوکے سانپ کی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

فریدی صبح ہی سے بہت زیادہ متفکر تھا۔ آج صبح اس کے چار بہترین کتے پراسرار طور پر مردہ پائے گئے تھے۔ چاروں رکھوالی کرنے والے السیشن تھے۔

علامات سے فریدی اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ موت زہر سے واقع ہوئی تھی اور یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جسے حیرت انگیز کہا جاسکتا۔ کوئی بھی باہر سے گوشت کے چند زہریلے ٹکڑے کمپاؤنڈ میں پھینک کر ان کی جانیں لے سکتا تھا۔

دو ٹکڑے ملے بھی تھے اور فریدی نے انہیں کیمیاوی تجزیے کے لئے بھجوا دیا تھا ویسے جمن کا بیان تھا کہ ساڑھے چار بجے جب اس کی واپسی ہوئی تھی کتے زندہ تھے۔

فریدی نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ ایک ملازم اندر داخل ہوا۔

"حمید کو بھیج دو۔" فریدی نے کہا۔ ملازم چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد حمید دروازے میں نظر آیا۔

"تم نے کیا کیا؟" فریدی نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"معاملہ بالکل گول ہے۔ کوتوالی سے معلوم ہوا کہ فقیر کی لاش سول ہسپتال روانہ کردی گئی تھی اور سول ہسپتال والے کہتے ہیں کہ وہ طلباء کی مشق کے لئے میڈیکل کالج بھیج دی گئی تھی۔"

"میڈیکل کالج والے کیا کہتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"میڈیکل کالج والے کہتے ہیں کہ اس تاریخ کو تین لاوارث لاشیں انہیں موصول ہوئی تھیں اور اب یہ بتانا مشکل ہے کہ کس کے ٹکڑے کہاں دفن کئے گئے تھے۔ مگر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ سول ہسپتال کا رجسٹر بتاتا ہے کہ اس تاریخ کو وہاں سے چار لاشیں میڈیکل کالج

بھیجی گئی تھیں مگر میڈیکل کالج کے رجسٹر میں صرف تین لاشوں کی وصولیابی درج ہے۔"

"اوہ....." فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"مگر اب آپ اُس لاش کے چکر میں کیوں پڑ گئے ہیں۔ یہ تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ سعید بابر کے ایک ہمشکل کی لاش صدر میں پائی گئی تھی۔"

"یہ کھلی ہوئی حقیقت میری آنکھوں کے سامنے ہے۔"

"پھر.....!" حمید نے اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھا۔

"کچھ نہیں..... میں فی الحال کچھ اور سوچ رہا ہوں۔ ویسے یہ ضروری نہیں کہ وہ آدمی سعید بابر کا بھائی ہی رہا ہو۔"

"اگر رہا بھی تو اب کیا ہوسکتا ہے۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"اس مسئلے کو یہیں چھوڑ دو.....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "فی الحال میں زغالی میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہا ہوں۔ تم نے پچھلی رات کیا محسوس کیا تھا۔"

"یہی کہ وہ ان نشانات کے متعلق کچھ جانتا ہے لیکن بتانا نہیں چاہتا۔"

"ٹھیک ہے.....لڑکال جنگل کے نام پر اُسے کتنی حیرت ہوئی تھی..... یاد ہے۔"

"جی ہاں..... مجھے یاد ہے۔ لڑکال جنگل کا نام سن کر وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا تھا۔"

"اچھا خیر..... چھوڑو..... مجھے اطلاع ملی ہے کہ زغالی آج ہی صبح کو بالی کیمپ والی بستی سے ہٹ گیا ہے۔ اس وقت وہ راجن پورے کی شاپور بلڈنگ کے ساتویں فلیٹ میں ہے۔ میری بلیک فورس کے کچھ آدمی تو دیکھ بھال کر ہی رہے ہیں لیکن تم بھی خیال رکھنا اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ وہ بالی کیمپ سے کیوں ہٹا ہے۔"

پُراسرار سایہ

حمید خاموشی سے سنتا رہا۔ پھر فریدی بھی خاموش ہوگیا۔

"ایک بات مجھے سمجھایئے۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "دلسلی براؤن آپکی موجودگی ہی میں ہائی سرکل نائٹ کلب سے غائب ہوگئی تھی۔ لیکن آپ نے اُسکی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کی۔"

"غیر ضروری چیزوں کی پرواہ مجھے کبھی نہیں ہوتی۔"

"حالانکہ آپ پہلے ہی سے اسکی ٹوہ میں رہے تھے کہ حمید اُسے کب اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔"

"ہاں! ہاں.....تو کیا ہوا۔"

"خط استوا خط سرطان میں گھس گیا۔" حمید جھلاہٹ میں ناچتا ہوا بولا۔ "میں پاگل ہو جاؤنگا۔"

"اللہ کی مرضی.....!" فریدی نے ایک طویل سانس لی اور مغموم لہجے میں بولا۔ "مگر اس صورت میں بھی تم میری نگرانی میں رہو گے۔ پاگل خانوں میں آج کل بڑی بدنظمی رہتی ہے۔"

"قبر میں بھی ہم دونوں لپٹ کر ہی سوئیں گے اور آپ وہاں بھی فاؤل فاؤل چلائیں گے..... مجھے یقین ہے۔"

"خیر اب کام کی باتیں کرو.....!"

"میں کبھی بیکار باتیں نہیں کرتا۔"

"کل رات تم نے اس کار کا نمبر نوٹ کیا تھا۔"

"جی ہاں کیا تھا.....!"

"مجھے دو۔"

حمید نے جیب سے نوٹ بک نکالی۔ اُس نے وہ ورق پھاڑا جس پر کار کے نمبر تحریر تھے اور اُسے فریدی کے سامنے ڈالتا ہوا بولا۔ "آپ وہاں کیوں رکے تھے۔"

"اب تمہیں اس کی پرواہ نہیں ہونی چاہئے کیونکہ میں وہاں سے صحیح وسلامت واپس آ گیا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔ میں زغالی ہی سے پوچھ لوں گا۔ مگر ایک بات تو صرف آپ ہی بتا سکیں گے۔"

"پوچھو.....!"

"اس کیس کے سر پیر کا بھی کہیں پتہ ہے۔ بات سعید بابر کے بھائی سے شروع ہوئی تھی۔ سعید بابر پر حملہ..... اُس کے کمپاؤنڈ میں عجیب وغریب نشانات کا پایا جانا۔ لسلی براؤن کا کیس آپ پر ایک کتے کا حملہ۔ مگر اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا تعلق بھی اسی کیس سے ہے پھر لسلی براؤن نقلی کا غائب ہو جانا۔"

"پھر تمہارا اور میجر داراب کا عشق.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اس کی تو میں ہڈیاں توڑے بغیر نہیں رہوں گا۔"

"کیا تمہیں اب بھی اُس کی قوت کا صحیح اندازہ نہیں ہوا۔"

"ٹریگر کو انگلی سے کھینچتے وقت زیادہ قوت نہیں صرف ہوتی۔" حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

"اور پھانسی کا پھندا گلے میں پڑ جانے کے بعد تو کسی بات کا ہوش ہی نہیں رہتا۔" فریدی نے کہا۔

"پھانسی.....!" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "شاید پھانسی کا خوف بھی مجھے اس سے باز نہ رکھ سکے۔"

"نہیں! تم فی الحال ایسا نہیں کر سکتے۔ میرا کھیل بگڑ جائے گا۔"

"تو کیا وہ بھی اس کیس میں کہیں نہ کہیں موجود ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"بہت زیادہ حمید صاحب۔"

"آہا.....تب تو.....!"

"نہیں ٹھہرو..... یہ میرا شبہ ہے۔ فی الحال ہم اس کے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہیں کر سکتے۔"

"مجھے نہیں یاد پڑتا کہ کبھی آپ کا شبہ غلط نکلا۔"

"یہ اور بات ہے، لیکن مکمل شہادت فراہم کئے بغیر میں کوئی عملی قدم نہیں اٹھاتا۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"ویسے مجھے یقین ہے کہ تمہیں میجر داراب کی ہڈیاں توڑنے کا موقع ضرور نصیب ہوگا۔ فی الحال تم زغالی پر نظر رکھو۔"

"آخر آپ اُس بیچارے کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "وہ تو انتہائی برخوردار قسم کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"تم اُسے نہیں جانتے۔ وہ انتہائی خطرناک آدمی ہے۔ بہت عرصہ سے ہمارے یہاں مقیم ہے اس لئے اب اُس میں تہذیب کے بھی کچھ آثار پائے جانے لگے ہیں ورنہ پہلے کبھی وہ

ایک کنکھنے کتے کی طرح لوگوں پر جھپٹ پڑتا تھا۔ تہذیب نے اُسے مکاری بھی سکھا دی ہے۔

اچھا بس اب جاؤ۔ اس کی نگرانی بہت ضروری ہے۔ تم اگر بھول چوک بھی گئے تو پرواہ نہ کرنا۔ بہر حال مجرموں کو اس کا علم ہو جانا چاہئے کہ تم زغالی کی نگرانی کر رہے ہو۔''

اس سے کیا فائدہ ہوگا۔''

''اب یہ بات مجرموں کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہی کہ ہم زغالی میں دلچسپی لیتے رہے ہیں۔''

''تو کیا آپ کو یقین ہے کہ زغالی بھی مجرموں کا ساتھی ہے۔''

''ہاں کسی حد تک...... بہر حال اب جاؤ حمید...... فضول وقت نہ برباد کرو۔''

حمید چلا گیا۔ فریدی تھوڑی دیر تک کمرے میں ٹہلتا رہا۔ پھر اُس نے فون کا ریسیور اٹھا کر کوتوالی کے نمبر ڈائیل کیئے۔

''ہیلو......!'' اُس نے کہا۔ انسپکٹر جگدیش کی آواز سنائی دی۔

''ایک منٹ توقف کیجئے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

پھر جلد ہی دوسری طرف سے جگدیش کی آواز سنائی دی۔

''ہیلو......! جگدیش میں فریدی ہوں۔ ذرا دیکھو تو آج کسی مسز تنویر نے کوئی رپورٹ تو نہیں درج کرائی ہے۔''

''اوہ جناب! اُس عورت نے تو پوری کوتوالی کو ہلا کر رکھ دیا ہے مگر آپ...... کیا قصہ ہے۔''

''رپورٹ کیا ہے جگدیش......!''

''کل رات سے اس کا لڑکا عدنان اور اُس کے چاروں باڈی گارڈ غائب ہیں۔ اس کا خیال ہے باڈی گارڈوں نے اُسے اغوا کیا ہے اور اب وہ تنویر سے کسی بھاری رقم کا مطالبہ کریں گے۔ اُس نے اپنے لڑکے اور باڈی گارڈز کی تصویریں بھی دی ہیں۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ یہ شہر کے چار بدمعاشوں کی تصویریں ہیں کئی بار کے سزا یاب بدمعاش......!''

''اوہ...... ذرا مجھے بھی تو ان کے نام بتاؤ۔''

جگدیش نام بتاتا رہا اور فریدی ایک کاغذ پر نوٹ کرتا گیا۔ پھر اس نے کہا۔ ''یہ لوگ تو واقعی اُس سے کسی بڑی رقم کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔''

''مگر......!'' جگدیش نے کہا۔ ''تنویر کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ انہیں ایک بھی نہ دے گی خواہ اُسے اپنے بیٹے ہی سے کیوں نہ ہاتھ دھونے پڑیں۔ بڑی شاندار عورت

جناب...... ایس۔ پی صاحب اُس سے......!''

''ہیلو......!''

''جی ہاں......!'' جگدیش ہنستا ہوا بولا۔ ''میں ادھر اُدھر دیکھنے لگا تھا کہ کہیں کوئی سن تو نہیں ہے۔ ایس۔ پی صاحب اُس سے گفتگو کرتے وقت ہکلا رہے تھے۔ بڑی شاندار عورت ہے۔ چالیس اور پچاس کے درمیان ہوگی۔ مگر صحت بڑی شاندار ہے۔ بڑا شاندار جسم ہے۔''

''سب کچھ شاندار......!'' فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''اوہ...... کیا آپ اُس سے کبھی نہیں ملے۔''

''نہیں...... صرف نام سنتا رہا ہوں۔''

''ضرور ملئے جناب...... آپ اُسے بے حد پسند کریں گے۔''

''ہاں...... پسند ہی کرنے کے لئے میں اس سے ضرور ملوں گا۔ تم مطمئن رہو۔''

''میں کیا بتاؤں...... میں تو اُس سے آنکھیں ملا کر گفتگو نہیں کر سکا۔'' جگدیش بولا۔ لیکن یدی نے بُرا سا منہ بنا کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب وہ پھر کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر لکیریں ابھر آئی تھیں۔ ایک بار اُس نے پھر ریسیور اٹھایا اور اپنے ڈی۔ آئی۔ جی کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔ ڈی۔ آئی۔ جی گھر ہی پر جود تھا۔ فریدی نے اُس سے تنویر کی رپورٹ کے متعلق بتا کر استدعا کی کہ وہ تنویر والا کیس نے محکمے میں ٹرانسفر کرالے۔

''ابھی یہ کیسے ممکن ہے۔'' ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

''یہ بہت ضروری ہے جناب۔ براہِ راست میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔''

''کیوں...... میں نہیں سمجھا۔''

''مجھ پر ایک زہریلے کتے نے حملہ کیا تھا۔ بعض حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے میں یہ نہیں وچ سکتا کہ وہ محض اتفاق تھا۔''

"ہاں..... حالات سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کسی موٹر سائیکل سوار نے تمہارا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی۔"

"جی ہاں..... اور اس سازش کی جڑیں تنویر کی موجودہ رپورٹ میں ملتی ہیں۔ میں نے یہی اندازہ کیا ہے۔"

"اوہو..... کیا قصہ ہے.....!"

"قصہ تو ابھی خود میرے ذہن میں بھی صاف نہیں ہے لیکن آپ مجھ پر اعتماد کیجئے۔"

"اچھا میں کیس منتقل کرالوں گا۔ تم مطمئن رہو۔"

"آج ہی جناب۔"

"اچھا بابا..... ایک طرف تم کان کھا رہے ہو اور دوسری طرف میرا نواسا۔"

"میں بھی تو آپ کا بچہ ہوں آخر۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"مگر ضدی..... بچے..... اچھا..... اور کچھ.....!"

"نہیں جناب..... بس اتنا ہی شکریہ۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو جانے پر فریدی نے بھی ریسیور رکھ دیا۔ لیکن ریسیور رکھتے ہی گھنٹی بجی۔

"ہیلو.....!" اس نے دوبارہ ریسیور اٹھا لیا۔

"میں ریکھا بول رہی ہوں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "آپ کی طبیعت اب کیسی ہے۔"

"ٹھیک ہوں۔"

"زخم..... کیسے ہیں۔"

"اب زیادہ تکلیف نہیں ہے۔"

"مجھے بڑی بے چینی ہے۔"

"کیوں.....!"

"وہ دیکھئے..... میں سوچتی ہوں..... آپ کے زخموں میں تکلیف ہوگی اور مجھے نیند نہیں آتی۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ زخم میری کلائی پر ہوں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" فریدی کے ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ "شاید وہ کتا کوئی خبیث روح تھی۔ تب ہی تو تم ایسا محسوس کر رہی ہو۔"

"میرا مطلب ہے۔"

"کیا مطلب ہے۔"

"وہ..... وہ..... دیکھئے..... خدا کرے آپ جلدی سے اچھے ہو جائیں۔ کیا میں آپ کو دیکھنے کے لئے آ سکتی ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ آج کل کسی سے نہیں ملتے۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ میری ذہنی حالت اچھی نہیں ہے۔ زہر کا اثر کچھ نہ کچھ ذہن پر بھی ہوا ہے۔ کبھی کبھی بُری طرح بہک جاتا ہوں۔"

"خدا رحم کرے۔"

"اور کچھ.....!" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں..... بس خدا کرے آپ جلد اچھے ہو جائیں۔"

"شکریہ.....!" فریدی نے کہا اور بُرا سا منہ بنا کر فون رکھ دیا۔

اُسے بعض اوقات اپنے محکمے پر غصہ آنے لگتا۔ خواہ مخواہ ایک لیڈی انسپکٹر بھی مہیا کر لی حالانکہ اس کی قطعی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

وہ سگار سلگا کر ایک آرام کرسی میں نیم دراز ہو گیا۔

بمشکل تمام دو یا تین منٹ گذرے ہوں گے کہ فون کی گھنٹی پھر بجی۔ فریدی نے اٹھ کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے حمید کی آواز سنائی دی۔

"میں نگرانی کر رہا ہوں جناب۔"

"وہ تو مجھے معلوم تھا۔ اتنی سی بات کے لئے فون کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" فریدی نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں یہ پوچھتا ہوں کہ اگر وہ میرے سوالات کا جواب نہ دے تو میں کیا کروں۔"

"سوالات کرنے کو تم سے کس نے کہا تھا۔" فریدی کی آواز تیز ہو گئی۔

"میں اُس سے صرف ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔"

’’تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہوگیا۔ بکواس کئے جا رہے ہو۔‘‘

’’اچھا جناب.....!‘‘ حمید نے مردہ سی آواز میں کہا۔ ’’میں تو اُس سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تیری کھوپڑی میں سوراخ ہوگیا مگر وہ میری بات کا جواب ہی نہیں دیتا۔ اس سے یہی سوال کرنے کے لئے بے شمار آدمی اکٹھا ہوگئے ہیں۔‘‘

’’اوہ.....تو زغالی قتل کر دیا گیا۔‘‘

’’جناب والا.....!‘‘

’’فوراً واپس آجاؤ.....اب وہاں تمہاری ضرورت نہیں ہے۔‘‘

’’کیا میں یہ نہ معلوم کروں کہ اس کا قتل کن حالات میں ہوا۔‘‘

’’نہیں..... مجھے رپورٹ مل جائے گی۔ تم واپس آجاؤ۔‘‘

فریدی نے ریسیور رکھ کر بجھا ہوا سگار سلگایا اور پھر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ لیکن اس کے چہرے پر تشویش کے آثار نہیں تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے پہلے ہی سے علم رہا ہو کہ زغالی مار ڈالا جائے گا۔‘‘

جلد ہی پھر فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔ لیکن اس بار وہ ایک عجیب و غریب زبان میں گفتگو کر رہا تھا، بس ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی زبان ہل نہیں رہی ہے بلکہ کنکروں اور پتھر کے ٹکڑوں پر سڑک کوٹنے والا انجن چل رہا ہو۔ یہ سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا۔ کبھی کبھی وہ خاموش ہو کر دوسری طرف سے بولنے والے کی بات سننے لگتا تھا۔ اس کے چہرے پر اب پھر گہرے تفکر کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

ریسیور رکھتے وقت اُس نے ایک طویل سانس لی اور دروازے کی طرف مڑا۔ حمید بڑی دیر سے دروازے میں خاموش کھڑا اُسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

’’کیا میں ڈاکٹر کو بلاؤں۔‘‘ حمید نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا اور فریدی ہنس پڑا۔ حمید نے کچھ ایسے انداز میں یہ جملہ کہا تھا کہ اُسے جیسے فریدی کے صحیح الدماغ ہونے میں شبہ ہو۔

’’بیٹھو.....!‘‘ فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ’’میں تمہیں بتاؤں کہ اُس کی موت کیسے واقع ہوئی۔‘‘

...بیٹھ گیا۔ فریدی چند لمحے خاموش ہو کر بولا۔ ’’ایک طویل قامت برقعہ پوش عورت ...نگ کے ساتویں فلیٹ کے سامنے رکی۔ فلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے سائیلنسر ...اور نکالا اور پھر بقول تمہارے زغالی کی کھوپڑی میں سوراخ ہوگیا۔ شاپور بلڈنگ میں ...زینے ہیں اور ساتواں فلیٹ دوسری منزل پر ہے۔ نیچے سے سامنے کے فلیٹوں کے ...دکھائی دیتے ہیں۔ ہاں تو زغالی کو ختم کرنے کے بعد وہ پچھلے زینوں سے نیچے اُتر گئی ...وقت اپنا برقعہ زینوں ہی پر پھینک گئی تھی۔‘‘

’’...ب تو وہ گرفتار بھی ہو چکی ہوگی۔‘‘

’’کیوں.....نہیں تو.....وہ نکل گئی۔‘‘

’’اور آپ کی بلیک فورس کے جیالے منہ دیکھتے کر رہ گئے۔‘‘ حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

’’نہیں وہ بیچارے کچھ سمجھ ہی نہیں سکے تھے۔ وہ تو تھوڑی دیر بعد ہلڑ ہونے پر انہیں قتل کا ...ورنہ یہ حقیقت ہے کہ وہ گرفتار کر لی گئی ہوتی۔ فلیٹ کا دروازہ پہلے ہی سے کھلا ہوا تھا ...ی کی نظر لاش پر پڑ گئی اور اس نے ہسٹریا کی مریض کی طرح چیخنا شروع کر دیا۔ بلیک ...الے نیچے تھے اور اس فلیٹ کی نگرانی کر رہے تھے۔ بہرحال اُس آدمی کی چیخیں سن کر ہی ...کی طرف متوجہ ہوئے۔‘‘

’’تب پھر آپ وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ کوئی عورت ہی تھی۔ برقعہ میں مرد بھی تو ...ہے۔‘‘

’’...برقعے کے ساتھ عورت ہی کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ ویسے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا ...ورت ہی تھی۔ بہرحال بلیک فورس حرکت میں آگئی ہے۔‘‘

’’زغالی کیوں مارا گیا.....؟‘‘ حمید نے پوچھا۔

’’زغالی.....!‘‘ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ’’کئی وجوہات ہو سکتی ہیں جن میں سے ایک ...ہے کہ زغالی اُن نشانات کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور جانتا تھا۔ خیر ختم کرو۔ بالی کیمپ ...لوگ آج چین کی نیند سوئیں گے۔ زغالی ایسا ہی آدمی تھا۔ میرا خیال ہے کہ اگر ...طور پر اُس کی لاش دفن نہ کی گئی تو جنازہ یونہی پڑا رہ جائے گا۔ کیونکہ اس کے ساتھی اُس

سے صرف ڈرتے تھے۔ انہیں اُس سے محبت نہیں تھی۔"

فریدی تھوڑی دیر کیلئے خاموش ہوگیا۔ پھر اٹھتا ہوا بولا۔ "میں صبح سے صرف دوسروں کی کالز ریسیور کرتا رہا ہوں۔ اب ایک فون میں بھی کروں گا۔" اُس نے کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔

"ہیلو..... کون سعید بابر صاحب۔ میں فریدی ہوں۔" فریدی کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔

"بھاگئے..... جتنی جلد ممکن ہوسکے..... وہ عمارت چھوڑ دیجئے۔ آپ بہت بڑے خطرے میں ہیں۔" پھر کسی جواب کا انتظار کئے بغیر فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔

"کیا مطلب.....!" حمید بوکھلا کر کھڑا ہوگیا۔

"بیٹھو..... بیٹھو..... اس کی فکر نہ کرو۔"

"آپ مجھے کچھ نہیں بتائیں گے۔"

فریدی نے آرام کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔

حمید سارا دن گھر میں رہا۔ آج اتوار تھا اور دوپہر ہی سے مطلع ابر آلود ہوگیا تھا اس وہ باہر نہیں گیا۔

وہ دن بھر فریدی کو فون کرتے یا کالیں ریسیور کرتے دیکھتا رہا۔ حمید کے مکرر استفسار پر اُس نے اتنا ہی کہا کہ وہ بستر مرگ پر بھی کام کرسکتا ہے۔

شام کو اُس نے خاص طور پر نوکروں کو ہدایت دی کہ کوئی کتا کھلا نہ چھوڑا جائے۔ ؟ اس پر بھی حیرت ہوئی لیکن اب اُس نے کچھ نہ پوچھنے کی قسم کھالی تھی۔

ایک بار جب فریدی لیبارٹری میں تھا۔ حمید نے اس کی ایک کال ریسیو کی۔ دوسری طرف سے بولنے والی کوئی عورت تھی۔ یہ بات ذرا دیر میں سمجھ آئی کہ بولنے والی لیڈی انسپکٹر ریکھا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتی۔

"فریدی صاحب کا انتقال ہوگیا۔" حمید نے بڑی دردناک آواز میں کہا۔

"نہیں.....!" ریکھا اتنے زور سے چیخی کہ ریسیور جھنجھنا اٹھا۔

"یہاں کفن دفن کا انتظام ہو رہا ہے لیکن انہوں نے مرتے وقت کہا تھا کہ ریکھا کو بھی ساتھ ہی دفن کرنا۔"

بڑے کمینے ہیں آپ۔" ریکھا جھلا گئی۔ "اس قسم کے فضول مذاق کرتے ہوئے آپ کو آتی۔ بتایئے فریدی صاحب کیسے ہیں۔"

بس ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سو رہے ہوں۔ عرصہ سے اس قسم کی بارونق لاش دیکھنے کی "

نٹ اپ.....!" ریکھا حلق کے بل چیخی اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

ہراندھیرا پھیلنے لگا۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور آسمان اَبر آلود ہونے کی وجہ سے فضا ہاروشنی سے بھی محروم ہوگئی تھی۔

کروں کے لئے فریدی کا سخت آرڈر تھا کہ وہ رات کے کسی بھی حصے میں اپنے کوارٹروں لدم نہ نکالیں، خواہ کچھ بھی ہوجائے۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے صرف ایک کتا کمپاؤنڈ ہنے دیا۔

اور اب..... ہم لوگ۔" اُس نے حمید سے کہا۔ "یہ رات مختلف قسم کی تفریحات میں گے۔ اگر تم سونا چاہتے ہو تو یہیں ایک آرام کرسی پر سو بھی سکتے ہو۔"

اوپری منزل کے ایک کمرے میں تھے۔ جس کی کھڑکیاں عقبی پارک کی طرف کھلتی یہ اسلحہ کا کمرہ تھا۔

یدنے ان سارے انتظامات کے متعلق کچھ نہیں پوچھا۔ وہ پکچر پوسٹ اور فوٹو پلے پن ہت رسائل اٹھا لایا تھا اور اب ان کی ورق گردانی کرنے لگا۔ سارے نوکر کوارٹروں اس لئے اس کمرے میں اسٹو جل رہا تھا اور اس پر کافی کا پانی چڑھا ہوا تھا۔

ربا گیارہ بجے فریدی نے کمرے کی روشنی گل کر دی اور حمید میز پر رسالہ پٹختا ہوا یہاں تو مچھر بھی نہیں ہیں کہ اندھیرے میں ان کی سارنگی ہی سے دل بہلتا۔"

تع ہے کہ دل بہلنے کا کچھ نہ کچھ سامان مہیا ہی ہوجائے۔" فریدی بولا۔

حمید نے اب بھی کچھ نہیں پوچھا۔ اُس نے آنکھیں بند کرلیں لیکن ایسے میں نیند ہوگی ہو۔ فریدی اپنا وقت برباد نہیں کرتا تھا۔ اب تمام تیاریوں کا کچھ نہ کچھ مقصد

پتہ نہیں وہ کب تک آنکھیں بند کیئے آرام کرسی کی پشت گاہ سے ٹکا رہا پھر اچانک
چونک پڑا۔ کیونکہ فریدی اُس کا داہنا شانہ دبا رہا تھا۔
"ادھر.....وہ دیکھو.....عقبی پارک کی دیوار پر.....سامنے.....!" اُس نے آہستہ سے کہا
کافی گہرا اندھیرا تھا۔ لیکن دیوار کے دھندلے سے آثار تو نظر ہی آرہے تھے۔ حمید
دیوار پر ایک گول مٹول سا سایہ دیکھا اور پھر اُس سائے نے زمین پر چھلانگ لگائی۔ ساتھ
ایک تیز قسم کی غراہٹ سنائی دی اور وہ کسی کتے ہی کی غراہٹ تھی۔
"یہ میرے کسی کتے کی آواز نہیں ہوسکتی۔" فریدی نے کہا اور میز پر پڑی ہوئی را
اٹھالی مگر نیچے زمین پر جھاڑیوں اور درختوں کی وجہ سے گہری تاریکی تھی۔
اچانک ایسا معلوم ہوا جیسے دو کتے آپس میں لڑ پڑے ہوں۔ مگر آواز صرف ایک
سنائی دے رہی تھی اور فریدی برابر یہ کہے جارہا تھا کہ وہ اس کے کسی کتے کی آواز
ہے.....پھر.....ایک بڑی لمبی آواز سنائی دی اور سناٹا چھا گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ ک
آخری چیخ رہی ہو۔
بڑا سا گول مٹول سایہ اب درختوں کے نیچے سے نکل کر کھلے میں آگیا تھا۔ اد
فریدی کی رائفل سے ایک شعلہ نکلا اور وہ دس پندرہ فٹ اوپر اچھل گیا۔ مگر اس کے بعد یہ
نہ معلوم ہوسکا کہ وہ کہاں گیا۔
"افسوس.....!" فریدی کی بھرائی ہوئی آواز کمرے میں گونجی اور حمید کی نظر پار
دیوار کی طرف اٹھ گئی۔ گول مٹول سایہ گویا اڑتا ہوا دیوار پار کررہا تھا۔ فریدی نے پھر فا
مگر اس فائر کا انجام نہ معلوم ہوسکا۔
دوسرے ہی لمحے میں فریدی حمید کو کھینچتا ہوا زینے طے کررہا تھا۔ وہ عقبی پارک م
گئے۔ ٹارچ کی روشنی اندھیرے میں آڑی ترچھی لکیریں بنا رہی تھی۔
حمید کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ دوسرا کتا سیاہ رنگ کا تھا اور اس کے سر پ
دھاریاں تھیں جسم گرے ہاؤنڈ کا سا تھا۔
کسی نے اس کی دونوں پچھلی ٹانگیں چیر دی تھیں۔

قاسم اور سایہ

فریدی دیوار کی طرف جھپٹا۔ حمید بھی اس کے ساتھ ہی آگے بڑھ گیا۔ دوسرے ہی لمحے
فریدی کے منہ سے ایک تحیر آمیز آواز نکلی وہ ٹارچ کی روشنی میں جھکا ہوا زمین پر کچھ دیکھ رہا تھا۔
"حمید.....!" دفعتاً اس نے سر اٹھا کر کہا۔ "یہ تو ویسے ہی نشانات ہیں۔"
حمید بھی جھک پڑا۔ یہ وہی حیرت انگیز نشانات تھے جو سعید بابر کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں
ئے گئے تھے اور جن کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے فریدی نے زغالی سے مدد لینے
کی کوشش کی تھی۔
دیوار کے نیچے نرم زمین تھی۔ اس لئے نشانات بہت زیادہ واضح تھے۔
"میرے خدا.....!" حمید بڑبڑایا۔ "وہ کیا بلا تھی۔ میں نے اُسے اڑتے دیکھا تھا۔ وہ
وار سے دو یا تین گز بلند تھا۔"
"افسوس ہے کہ میرے دونوں فائر خالی گئے۔"
"جب وہ دیوار سے زمین پر آئی تھی۔" حمید نے کہا۔ "کیا وہ لڑھکتی ہوئی ایک بہت بڑی
یند نہیں معلوم ہو رہی تھی۔"
حمید کو توقع تھی کہ اب فریدی بھاگ کر دیوار کی پشت پر جائے گا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ
مارت کی طرف چل پڑا۔
"ایسے ہی کسی کتے نے آپ پر حملہ کیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔
"ہاں.....یہ لاش تو اُسی کتے کی معلوم ہوتی ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔ "مجھے افسوس
ہے کہ یہ زندہ میرے ہاتھ نہ آسکا۔"
اندر آکر فریدی نے کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔ ریسیور کان سے لگائے رہا۔ پھر ڈس کنکٹ

کر کے دوبارہ نمبر ڈائیل کئے اور فوراً ہی پھر ڈس کنکٹ کر دیا۔ اس طرح اس نے لگاتار تقریباً پچیس بار وہی نمبر ڈائیل کئے اور وہ نمبر حمید کے ذہن نشین ہو گئے۔ بہر حال اس کے بعد فریدی نے ریسیور کریڈل میں ڈال دیا۔

"آپ کس سے گفتگو کرنا چاہتے تھے۔"

"کسی سے بھی نہیں۔ میں تو صرف ایک تجربہ کرنا چاہتا تھا، جو سو فیصدی کامیاب رہا۔"

"کیا کامیاب رہا۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے ابھی تک اپنا وقت برباد کیا ہے۔ آپ کی جگہ اگر میں ہوتا تو دیوار کے اُس طرف پہنچنے میں دیر نہ کرتا۔"

"تم پر کیا منحصر ہے۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "شیخ نتھو اور میر جمن بھی یہی کرتے۔"

"خیر.....!" حمید نے بیزاری سے کہا۔ "آپ کے سب تجربات ختم ہو گئے یا ابھی کچھ باقی ہیں۔"

"اب تم سو سکتے ہو۔ مجھے توقع ہے کہ باقی رات آرام سے گذرے گی۔"

فریدی کمرے سے چلا گیا اور حمید بڑی تیزی سے ٹیلی فون ڈائریکٹری پر جھپٹ پڑا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ اس نمبر کی تلاش میں اوراق الٹ رہا تھا، جو کچھ دیر قبل بار بار ڈائیل کیا گیا تھا۔

مگر نمبر سے پتہ معلوم کر لینا آسان کام نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے جھلا کر ڈائریکٹری میز پر پٹخ دی اور پھر اسے اپنی عقل پر غصہ آنے لگا۔ آخر اتنی دیر تک ڈائریکٹری میں سر کھپانے کی کیا ضرورت تھی۔ نمبر کے ذریعہ پتہ تو انکوائری سے بھی معلوم کیا جا سکتا تھا۔ ٹیلی فون انکوائری میں کئی لڑکیاں اس کی شناسا بھی تھیں۔

اس نے انکوائری کو رنگ کیا۔ اتفاق سے لڑکی جان پہچان والی ہی نکلی اور حمید کو جلد ہی مطلوبہ پتہ مل گیا۔ لیکن جب وہ پتہ ایک کاغذ پر نوٹ کر کے ریسیور کریڈل میں رکھ رہا تھا اُس نے فریدی کی آواز سنی۔

"لیکن تم کوئی حماقت نہیں کرو گے۔"

حمید دروازے کی طرف مڑا۔ فریدی سامنے کھڑا سگار سلگا رہا تھا۔

"آپ نے مسز تنویر کے نمبر کیوں ڈائیل کئے تھے۔"

"بس یونہی..... میں نے سوچا کہ تمہیں کسی شاندار عورت کی سرپرستی میں دے دیا جائے۔"

"شکریہ..... مجھے آپ ہی کے زیر سرپرستی ہر قسم کا مزہ آ جاتا ہے۔ آپ مزید تکلیف نہ کریں۔"

"تم اُدھر کا رخ بھی نہیں کرو گے سمجھے۔"

"مجھے بوڑھی عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہی مسز تنویر ہے۔ تنویر ٹیکسٹائل ملز اور تنویر آئرن ورکس کی مالکہ۔"

"ہاں وہی..... کیا تم اس سے کبھی مل چکے ہو۔"

"اگر وہ بائیس اور تئیس کے درمیان میں ہوگی تو یقیناً کبھی نہ کبھی مل چکا ہوں گا۔"

"اس کا لڑکا تمہاری عمر کا ہوگا۔"

"اور اس سے ایک آدھ چھوٹی کوئی لڑکی ہوگی۔ میں شرط لگانے کے لئے تیار ہوں۔"

"تم ہار جاؤ گے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "مگر وہ خونخوار کتا آج بھی تنہا نہ رہا ہوگا۔ آپ نے اس تجربے کے چکر میں اُسے نکل جانے دیا۔"

"حمید صاحب! مجرم میری جیب میں رکھے ہوئے ہیں۔ جس وقت چاہوں ہتھکڑیاں لگا دوں۔ مگر میں فی الحال ایسا نہیں کرنا چاہتا۔ بس دو چار دن اور ٹھہر جاؤ تاکہ جو کسر باقی رہ گئی ہے وہ بھی پوری ہو جائے۔"

"آپ تو ایسا کہہ رہے ہیں گویا یہ کسر میری شادی سے پوری ہوگی۔"

"شٹ اَپ.....!" فریدی نے کہا اور جانے کے لئے مڑا۔ لیکن حمید فوراً ہی بول پڑا۔

"تو پھر آپ اُس گول مٹول سائے کے متعلق بھی جانتے ہوں گے۔"

"نہیں میں نہیں جانتا کہ وہ کیا بلا ہے..... یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ ہمارے ہی لئے آئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اُسی کتے کا تعاقب کرتی ہوئی یہاں آئی ہو۔ رہا کتا تو وہ ایک بار پہلے مجھ پر حملہ کر چکا ہے۔ ممکن ہے آج بھی اسے یہاں اسی نیت سے لایا گیا ہو۔"

"تو کیا..... وہ سایہ اُس کتے کا تعاقب بھی کر سکتا ہے۔"

"خدا جانے....!" فریدی نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کیا تمہیں نیند نہیں آرہی ہے۔"

حمید بھنا کر وہاں سے اٹھ گیا۔ اپنے کمرے میں آ کر اس نے لباس تبدیل کیا۔ بستر پر جانے سے پہلے ایک پائپ پینے کی تیاری کرنے لگا۔ وہ پُر اسرار سایہ اب بھی اس کے ذہن پر مسلط تھا۔ وہ کوئی بھاری بھرکم مگر ایسی چیز تھی جو گیند کی طرح لڑھک سکتی تھی اور ٹینس کی گیند کی طرح اچھل بھی سکتی تھی۔ پہلے فائر پر تو وہ حقیقتاً کسی ایسی ٹینس بال ہی کی طرح اچھلی تھی جسے پوری قوت سے زمین پر پٹخ دیا گیا ہو۔ حمید دیر تک اس کے متعلق سوچتا رہا پھر ذہنی رو اس خطرناک کتے کی طرف بہک گئی۔ اس نے بھی شائد زندگی میں پہلی بار اس قسم کا کوئی کتا دیکھا تھا مگر کیا اُسی خوفناک سائے نے اس کی ٹانگیں چیر ڈالی تھیں۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آ سکی۔ اگر یہ سایہ وہی تھا جس کے پیروں کے نشانات سعید بابر کی کھڑکی کے نیچے ملے تھے تو اس کتے سے اسکا کیا تعلق ہے۔ اسی کتے نے فریدی پر حملہ کیا تھا۔ مگر سائے کا حملہ سعید بابر کے لئے تھا۔ اسکا یہ مطلب ہوا کہ دونوں کے راستے الگ الگ تھے پھر اُن دونوں کا ٹکراؤ کیا معنی رکھتا ہے۔

حمید کو جلد ہی نیند نہ آ سکی۔ وہ بستر پر پڑا جاگتا رہا۔ اُسے مجرموں سے زیادہ فریدی پُر اسرار معلوم ہو رہا تھا۔ اس وقت نہ تو اس نے کتے کی لاش کی پرواہ کی تھی اور نہ یہی معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ پُر اسرار سایہ کہاں سے آیا تھا اور کدھر گیا تھا۔ اس کے برخلاف وہ فون پر تنویر کے نمبر ڈائیل کرتا رہا تھا۔

اچانک اس کے فون کی گھنٹی بجی اور وہ بیساختہ اچھل پڑا۔ اس عمارت میں تین فون تھے۔ ایک فریدی کی خواب گاہ میں رہتا تھا۔ دوسرا حمید کی خواب گاہ میں اور تیسرا لائبریری میں۔

"ہیلو....! کیا سو گئے۔" اس نے فریدی کی آواز سنی۔

"آپ کہاں سے بول رہے ہیں۔" حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔

"بستر سے۔"

"اور میں اہرام مصر پر ہوں۔"

"سنو مذاق نہیں۔ تمہیں ایک کام کرنا ہے۔"

"بستر پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دوں..... یہی نا۔" حمید جھلا گیا۔

"اس وقت نہیں صبح.....!"

"تو کیا صبح نہ ہوتی..... بتائیے کیا کام ہے۔"

"صبح ضرور ہو گی.....!" دوسری طرف سے آواز آئی "مگر اس کام کی شروعات بستر پر ہی پڑے ہو سکتی ہے۔"

"ابھی کچھ کہہ دوں گا تو.....!"

"شٹ اپ..... میری سنو..... کسی طرح قاسم اور سعید بابر کو لڑا دو۔"

"بڑے موڈ میں ہیں آپ.....!"

"آ..... ہاں..... تم نے مجھے راحلہ کے متعلق بتایا تھا۔ بس لڑا دو..... دونوں کو..... تمہاری ...ہو جائے گی۔"

"آخر آپ ان دونوں کو کیوں لڑانا چاہتے ہیں۔"

"ایک تجربہ کر رہا ہوں۔"

تجربے کے نام پر حمید جھلا گیا۔ اُس نے بائیں ہاتھ سے اپنا گلا گھونٹتے ہوئے کہا۔ "...دن ریت ڈالئے میری..... وجہ پوچھوں تو فرمائیے ایک تجربہ کر رہا ہوں۔"

"قاسم کی خواب گاہ میں فون ضرور ہو گا۔" فریدی نے کہا۔

"ہو گا..... مجھے پتہ نہیں۔"

"تم اس کے نمبر ڈائیل کرو..... کوئی دوسرا بولے تو کہو قاسم سے ملنا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ...ا ہو گا۔ اٹھا بھی تو پچھاڑ کھانے کے سے انداز میں فون پر آئے گا۔ تم کہنا کہ تم سعید بابر بول ...ہ ہو اور پھر راحلہ کے متعلق کچھ پوچھ بیٹھنا۔"

"سچویشن کا تصور کر کے حمید بے تحاشہ ہنس پڑا اور دوسری طرف سے آواز آئی۔ سمجھ گئے نا۔"

"میں سمجھ گیا..... لیکن آپ وجہ نہیں بتائیں گے کیوں؟"

"حمید سچ پوچھو تو ابھی یہ سارے معاملات تجرباتی دور میں ہیں۔ ویسے دو ایک مجرم میری ...ئما ضرور ہیں مگر بیکار۔ مکمل شہادت ملے بغیر میں ان کی طرف اشارہ بھی نہیں کر سکتا کیونکہ ...ہ کافی باعزت اور اونچی پوزیشن کے لوگ ہیں۔ خیر اچھا..... اب تم اپنا تجربہ شروع کرو۔"

حمید فون کا سلسلہ منقطع کر کے سوچ میں پڑ گیا۔ ضروری نہیں کہ فون خواب گاہ میں ہو قاسم کے نوکر یا گھر کے افراد شاید ہی اُسے جگانے کی ہمت کر سکیں۔ پھر اچانک اُسے یاد آیا اس نے ایک بار دو تین ٹیلی فون آپریٹر لڑکیوں کا تعارف قاسم سے کرایا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں فون کرتا ہو۔ دن کو بیوی کی وجہ سے دشواری ہوتی ہوگی اس لئے وہ رات کو ضرور ایسا کرتا ہوگا۔ وہ دونوں الگ الگ کمرے میں سوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے آج کل فون خواب گاہ میں رکھ چھوڑا ہو۔

اس نے قاسم کو فون کرنے سے پہلے ایک بار پھر فریدی سے رابطہ قائم کیا۔

"ہیلو..... میں ہوں..... جی ہاں..... مگر سعید بابر کو تو آپ نے کنکس لین سے بھگا دیا ہے۔"

"یہی تو مصیبت ہے۔" فریدی بولا۔ "وہ ابھی تک وہیں جما ہوا ہے۔ میرے کہنے کا پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے بعد کو مجھے فون کیا تھا۔ کہتا تھا کہ وہ قطعی کسی سے مرعوب یا خائف نہیں ہے۔ اگر اس کا بھائی یہاں ایڑیاں رگڑ کر مرا ہے تو میں بھی یہیں مر جاؤں گا۔ وہ کہتا کہ وہ ایسے بزدلوں سے مرعوب نہیں ہو سکتا جو ایک اپاہج کی رقم ہضم کر کے اسے بھیک مانگنے مجبور کرتے رہے۔ اب میں تمہیں بتاؤں کہ قاسم کی وجہ سے اُسے وہ کوٹھی چھوڑنی ہی پڑے گی"

"آخر آپ اُس بیچارے کو وہاں سے کیوں نکلوانا چاہتے ہیں۔"

"یہ ابھی نہ پوچھو..... بس دیکھتے جاؤ۔"

فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ اب حمید قاسم کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔ اُسے تقریباً پا چھ بار نمبر ڈائیل کرنے پڑے۔ پھر دوسری طرف سے ریسیور اٹھنے کی آواز آئی۔

"ہالو..... قون..... کون ہے۔" قاسم کی دہاڑ سنائی دی۔

"قاسم صاحب.....!" حمید نے اپنی آواز بدلنے کی کوشش کی۔

"ہاں قاسم صاحب..... تم کون ہو..... یہ بھی کوئی حرکت ہے۔"

"کیا راحلہ جاگ رہی ہیں۔"

"ابے تم کون ہو.....!" قاسم دہاڑا۔

"سعید بابر.....!" حمید نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا.....!" چند لمحے خاموشی رہی پھر حمید کے "ہیلو" کہنے پر قاسم پھٹ پڑا۔ "ابے او بابر کے بچے تیرا دماغ تو نہیں چل گیا ہے..... سالے.....!"

"ذرا تمیز سے گفتگو کیجئے۔" حمید نے لہجے میں غصیلا پن پیدا کیا۔

"تیری تمیز کی دم..... یہ راحلہ کیا تیری ممانی لگتی ہے۔"

"قاسم صاحب! آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔"

"ابے میں تیری بوٹیاں اڑا دوں گا۔ بڑا افریقہ کا بچہ۔ خبردار جو اب کبھی ادھر کا رخ کیا۔ بھس بھر دوں گا۔"

"میں آپ کی دھجیاں اڑا دوں گا۔ آپ ہیں کس خیال میں۔" حمید نے کہا۔ "راحلہ ہے اور ہمیشہ میری رہے گی۔"

"تیرے باپ کی ہے راحلہ..... اچھا ٹھہرو..... سُوّر کے بچے! میں وہیں تمہارے گھر پر آتا ..... پھر دیکھوں گا کہ راحلہ کس کی ہے۔"

"آپ میرے گھر پر آ کر اپنی موت کو دعوت دیں گے۔"

"اچھا..... اچھا.....!"

"راحلہ کو ساتھ لیتے آیئے گا۔" حمید نے کہا۔

"خرموش.....!" قاسم چنگھاڑا۔ "سُوّر کے بچے..... ابے میں سچ مچ آ رہا ہوں۔ اسی پھر دیکھوں گا کہ تجھ میں کتنا دم ہے۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔ حمید پیٹ دبائے ہوئے بے تحاشہ قہقہے لگا رہا اس نے پھر فریدی سے گفتگو کرنے کے لئے ریسیور اٹھایا۔

"کیا بات ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"وہ ابھی اور اسی وقت سعید بابر کی ہڈیاں توڑنے جا رہا ہے۔"

"خوب.....!"

"میں بھی جا رہا ہوں۔"

"تم کیا کرو گے۔"

"واہ.....اصل تفریح تو وہیں ہوگی.....اچھا میں چلا۔"

"ٹھہرو.....! سنو وہ دونوں تمہیں دیکھنے نہ پائیں۔"

"آپ مطمئن رہیں.....!" حمید نے کہا۔ ریسیور کریڈل میں ڈالا اور بڑی تیزی سے لباس تبدیل کرنے لگا۔ کمرے سے باہر نکلتے وقت اُس کے جسم پر سیاہ پتلون اور چمڑے کی جیکٹ تھی۔

اُسے کچھ اچھی طرح یاد نہیں کہ اُس نے گھر سے سعید کی کوٹھی تک کا راستہ کیسے طے کیا۔ کار ایک گلی میں کھڑی کرکے وہ کوٹھی کی پشت پر پہنچ گیا۔ کوٹھی کے گرد قد آدم چہار دیواری تھی۔ حمید بڑی احتیاط سے اس پر چڑھا اور دوسری طرف اتر گیا۔

لیکن آج ایک حیرت انگیز بات اس نے مارک کی تھی۔ کوٹھی کی کمپاؤنڈ کا پھاٹک کھلا تھا اور عمارت کی بعض کھڑکیوں میں روشنی بھی نظر آ رہی تھی۔

حمید پام کے گملوں کی اوٹ میں رک گیا۔ یہاں سے پھاٹک صاف نظر آتا تھا۔ اچانک اُسے قاسم کی آواز سنائی دی، جو شاید پھاٹک میں داخل ہونے سے پہلے ہی دہاڑنے لگا۔

"ابے او سعید بابر کے بچے.....میں آ گیا.....نکل تو باہر۔"

پھر پھاٹک میں اس کے پہاڑ جیسے جسم کا دھندلا سا سایہ نظر آیا۔ وہ پورچ کی طرف بڑھ رہا تھا اور ساتھ ہی مغلظات کا طوفان امنڈا ہوا تھا۔ اچانک حمید کے جسم کے سارے رونگٹے کھڑے ہوگئے کیونکہ قاسم کے پیچھے بھی ایک سایہ تھا۔ وہی گول مٹول سا سایہ جو تھوڑی دیر قبل فریدی کی کوٹھی میں نظر آیا تھا۔ وہی تھا.....سو فیصدی وہی تھا۔

حمید اُسے محض واہمہ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ وہ زمین پر کسی بڑی سی گیند کی طرح لڑھک رہا تھا اور قاسم شاید اس کی موجودگی سے لاعلم تھا۔ دونوں میں بمشکل تمام دس گز کا فاصلہ رہا ہوگا۔

حمید بوکھلا گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں فائر کر دینے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ اس نے ریوالور نکال کر پے درپے تین فائر جھونک دیئے۔

"ہت تیرے کی.....!" اس نے قاسم کی چنگھاڑ سنی۔ "سالے بزدل۔"

حمید نے اس گول مٹول سائے پر فائر کیئے تھے اور اُسے اچھل کر دوبارہ زمین پر گرتے دیکھا تھا مگر پھر اُس کے بعد وہ نظر نہیں آیا اور قاسم بھی ندارد.....

"قاسم.....!" حمید نے اُسے آواز دی۔

"قق.....قون.....!" قریب ہی سے کپکپاتی ہوئی آواز آئی۔

ساتھ ہی کسی نے اوپری منزل کی ایک کھڑکی سے آوازوں کی سمت ٹارچ کی روشنی ڈالی۔

"حمید بھائی.....!" قاسم اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ وہ شائد ابھی تک زمین پر چت پڑا رہا تھا۔ پھر وہ اوپری منزل والی کھڑکی کی طرف ہاتھ ہلا کر چیخا۔

"آؤ سالے.....نیچے آؤ۔ تم نے ایک پولیس آفیسر کی موجودگی میں مجھ پر گولیاں چلائی ہیں۔"

"کون ہے.....!" اوپر سے آواز آئی۔

"میں تمہارا باپ.....نیچے آؤ.....!" قاسم نے للکارا۔

حمید بوکھلا گیا۔ یہ نئی مصیبت تھی۔ قاسم کو کنٹرول کرنا آسان کام نہیں تھا۔ وہ کیا سوچ کر آیا تھا اور کیا ہوگیا؟ فریدی نے اُس سے کہا تھا کہ وہاں اس کی موجودگی کا علم اُن دونوں کو نہ ہونے پائے۔ مگر وہ پُراسرار سایہ درمیان میں آ کودا۔ اگر حمید اس پر فائر نہ کرتا تو قاسم کہاں ہوتا۔

"قاسم شور نہ مچاؤ" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "تم اس وقت خطرے میں تھے۔ گولی میں نے چلائی تھی۔"

"ارے واہ.....!" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ "میں ہی خطرے میں تھا اور مجھ ہی پر تم نے گولی چلائی.....تمہاری عقل میں کھوپڑی ہے یا نہیں۔"

دفعتاً نچلی منزل کا دروازہ کھلا اور بیرونی برآمدے کا کچھ حصہ روشن ہوگیا۔

سعید بابر شب خوابی کے لباس میں دروازے میں کھڑا تھا۔ قاسم بڑی تیزی سے اس کی طرف جھپٹا۔ مگر حمید نے اس سے بھی زیادہ تیزی سے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔

"تم اس وقت یہاں کیوں آئے ہو۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"اس سالے کو باربر بناؤں گا۔ مگر تم نے مجھ پر فائر کیوں کیا تھا۔" وہ رک کر حمید کی طرف پلٹ پڑا۔

"کون صاحبان.....!" سعید بابر نے برآمدے سے کہا۔ "میں نے شاید فائروں کی آوازیں سنی تھیں۔ میرے ہاتھ میں بھی ریوالور ہے اور میں ایک ستون کی اوٹ میں ہوں۔"

"کیپٹن حمید.....!" حمید نے گرجدار آواز میں کہا۔

"اوہو..... کپتان صاحب..... فرمایئے۔" سعید بابر پھر روشنی میں آ گیا۔

"میں فرماؤں گا.....!" قاسم دہاڑا۔ "اور ایسا فرماؤں گا کہ تم مہینوں چار پائی سے اٹھ نہ سکو گے۔"

"یہ کون صاحب بول رہے ہیں کپتان صاحب! آپ حضرات یہاں کیوں تشریف لائے۔"

"جہاں تم کہو۔" قاسم نے چیلنج کرنے سے انداز میں کہا۔ "میں ہر جگہ تیار ملوں گا۔"

"قاسم خاموش رہو.....!" حمید نے کہا۔

وہ دونوں برآمدے میں پہنچ گئے۔

"اوہو..... قاسم صاحب.....!" سعید بابر نے حیرت سے کہا پھر حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ "میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس وقت آپ حضرات کی موجودگی کا کیا مطلب ہے۔"

"موجودگی کا مطلب موجودگی ہے۔" قاسم غرایا۔ "ہاں اب کہو، جو کچھ کہہ رہے تھے۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا جناب۔"

"جناب سالا گیا چولہے میں..... میں شرافت سے نہیں پیش آؤں گا۔"

حمید نے سوچا کہیں راز فاش نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا تو فریدی اچھی طرح اُسکی خبر لے گا۔ لہٰذا اس نے سعید بابر سے کہا۔ "کیا آپکو علم ہے کہ آج رات بھی آپ بال بال بچے ہیں۔"

"یہ تم نے کیسے سمجھ لیا کہ یہ بال بال بچے ہیں۔" قاسم غرایا۔ "کیا تم میرا ہاتھ پکڑ لو گے ہے اتنی ہمت..... ہاں بابر صاحب۔ اب تم راحلہ کا نام ناپاک زبان سے نکالو تو دیکھوں۔"

"راحلہ کیا مطلب.....!"

قاسم کا ہاتھ چل گیا۔ بھرپور ہاتھ۔ سعید بابر لڑکھڑاتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

"قاسم..... تم ہوش میں ہو یا نہیں۔" حمید درمیان میں آ گیا۔ "پیچھے ہٹو ورنہ گولی مار دوں گا۔"

"ارے..... ارے.....!" قاسم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

"بس چلے ہی جاؤ۔ اسی میں خیریت ہے۔ میں اس وقت ڈیوٹی پر ہوں۔ سعید بابر کی

حفاظت سرکاری طور پر کر رہا ہوں۔ اس وقت تمہارا دوست نہیں..... جاؤ۔"

سعید بابر فرش پر بیٹھا بایاں گال دبائے خون تھوک رہا تھا۔

"اچھا سرکاری کے بچے! میں تمہیں بھی دیکھ لوں گا۔" قاسم یکلخت دوسری طرف مڑتا ہوا بولا۔ پھر برآمدے کے نیچے اتر کر دھاڑا۔ "سعید بابر..... کان کھول کر سن لو..... اب اگر تم نے راحلہ کا نام بھی لیا تو جہنم میں ہو گے۔ ہاں.....!" اور پھر وہ تیزی سے چلتا ہوا تاریکی میں گم ہو گیا۔

"یہ یہاں اس وقت کیوں آیا تھا۔" حمید نے سعید بابر سے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا..... عجیب وحشی آدمی ہے۔"

"ویسے وہ کئی بار مجھ سے بھی کہہ چکا ہے کہ اُسے آپکا اور راحلہ کا ملنا جلنا پسند نہیں ہے۔"

"جھک مارتا ہے..... میں اور راحلہ بہت جلد شادی کرنے والے ہیں۔"

"اوہ خیر..... مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن یہ نئی اطلاع اُس کے لئے سنسنی خیز ضرور تھی۔ سنسنی خیز اس لئے تھی کہ قاسم اس کے متعلق سنتے ہی شائد اپنی ہی ہڈیاں چبا ڈالے۔"

"آج یہاں دراصل میری ڈیوٹی تھی۔" حمید نے سعید بابر سے کہا۔ "جس دن سے آپ پر حملہ ہوا ہے کوئی نہ کوئی یہاں ضرور موجود رہتا ہے۔"

"میں شکر گذار ہوں جناب۔"

"ذرا ٹارچ مجھے دیجئے اور میرے ساتھ آیئے۔" وہ دونوں برآمدے میں آئے۔

حمید نے ٹارچ کی روشنی وہاں ڈالی جہاں اُسے وہ پُراسرار سایہ نظر آیا تھا۔ یہاں ویسے تو حیرت انگیز نشانات موجود تھے۔

"میرے خدا.....!" سعید بابر خوفزدہ آواز میں بڑبڑایا۔

"میں نے اسی پر فائر کیا تھا..... مگر شائد وہ فولاد یا پتھر کی کوئی مخلوق ہے۔"

"چلئے۔" سعید بابر اُسکا ہاتھ پکڑ کر برآمدے کیطرف کھینچتا ہوا بولا۔ "یہاں اب نہ ٹھہریئے۔"

سعید دوڑ رہا تھا۔ حمید کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ لہٰذا حمید کو بھی دوڑنا پڑا تھا۔ سعید بابر دروازہ بند کر کے ہانپنے لگا۔

خوفناک لمحات

حمید کو نہیں معلوم تھا کہ اب فریدی کا کیا پروگرام ہے۔ اُس نے اُسے وہ سارے واقعات بتائے تھے جو سعید بابر کی کوٹھی میں پیش آئے تھے، جواب میں فریدی نے مسکرا کر صرف اتنا ہی کہا۔ ”ضروری نہیں کہ ہماری ساری اسکیمیں کامیاب رہی ہوں۔ میں نے دوسری طرح کام نکالنا چاہتا تھا مگر نہیں ہو سکا۔“

حمید نے سوچا کہ نہیں ہو سکا تو جہنم میں جائے۔ اُسے کیا؟ مگر اُس نے فریدی کو راحلہ اور سعید بابر کی ہونے والی شادی کی خوشخبری سنا ہی دی۔

”بہت دلچسپ.....!“ فریدی مسکرایا۔ اُس کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک تھی۔

”ضرور دلچسپ.....!“ حمید دانت نکال کر بولا۔ ”دوسروں کی شادیوں کے متعلق سن کر آپ کو کافی مزہ آتا ہے۔“

فریدی باہر جانے کے لئے تیار تھا اس لئے بات آگے نہ بڑھ سکی۔ حمید اپنے کمرے میں آ گیا، وہ پچھلے چوبیس گھنٹوں میں بمشکل تمام تین گھنٹے سویا ہوگا۔

بستر پر جانے سے پہلے اُس نے قاسم کو فون کیا۔ فون سلیمہ نے ریسیور کیا تھا۔ پھر قاسم آ گیا۔

”میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔“ قاسم نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

”مت کرو بات..... لیکن میں سرکاری طور پر وہاں سعید بابر کی حفاظت کے لئے تھا۔“

”سرکاری کی ایسی کی تیسی۔ تم نے پہلے مجھ پر گولی چلائی پھر دوبارہ گولی مار دینے کی دھمکی دی۔ ویسے اگر تم مجھ سے نپٹنا چاہو تو میں اب بھی تیار ہوں۔“

”میں نے تم پر گولی نہیں چلائی تھی۔ تمہارے پیچھے ایک آدمی تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سعید کی تاک میں آیا ہو۔ بہر حال میری ایک بھی گولی اس کے نہیں لگی۔ سعید بابر کی زندگی خطرے میں ہے۔ ایک بار تمہاری موجودگی میں بھی اس پر فائر ہو چکا ہے۔“

”صرف زندگی خطرے میں ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ سالا مرے بھی تو کسی طرح۔“

”اب میں ایک بُری خبر سناؤں گا۔“ حمید نے کہا۔ ”راحلہ اور سعید کی شادی ہونے والی ہے۔“

”قیا.....!“ قاسم دہاڑا۔ ”قبھی نہیں ہونے دوں گا۔“

”بھلا تم کیسے روک سکو گے۔ راحلہ اپنی مرضی کی مالک ہے۔“

”میں دونوں کو گولی مار دوں گا۔“

”آخر کیوں! تمہارا کیا بگڑتا ہے۔“

”میں اب دنیا میں کسی کی شادی نہیں ہونے دوں گا..... سا مجھے۔“

”کیوں برخوردار.....!“

”یونہی..... میرا دل چاہتا ہے اور اب تو میں سعید بابر کو شہر ہی میں نہ رہنے دوں گا۔“

قاسم نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا۔ حمید نے جیسے ہی ریسیور رکھا۔ گھنٹی پھر بجی۔

”ہیلو..... حمید۔“ آواز آئی۔ آواز فریدی کی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔ ”عدنان والا کیس بھی میرے ہی پاس ہے۔ تم تنویر سے مل کر اُن چاروں آدمیوں کے متعلق ضرور معلومات فراہم کرو، جو عدنان کے ساتھ ہی غائب ہو گئے تھے۔ اس کے لئے اپنی تمامتر ہمدردیاں ظاہر کرنا محض اس لئے کہ ہم میں شناسائی تھی سمجھے۔“

”سمجھ گیا..... جا رہا ہوں۔ لیکن نیند کی وجہ سے دماغ کچھ ماؤف سا ہو رہا ہے۔ اگر ایسی ذہنی حالت میں مجھے تنویر سے عشق ہو گیا تو تمام تر ذمہ داری آپ پر ہوگی۔ کیونکہ نیند ہی کے عالم میں ایک بار.....!“ حمید بکتا رہا اور فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اُسے بہت عرصہ سے تنویر کو دیکھنے کی تمنا تھی۔ اُس نے اس کی حیرت انگیز صحت کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا۔

تنویر نے اُسے اپنے نجی آفس میں ریسیو کیا۔ لیکن حمید اس کے چہرے سے قطعی اندازہ نہ لگا سکا کہ وہ اپنے لڑکے کے لئے مغموم ہے۔

آفس میں دو لڑکیاں رجسٹروں پر جھکی ہوئی تھیں۔

”مجھے یہاں کی پولیس سے بڑی شکایت ہے۔“ تنویر نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن آپ لوگ بھی غلطیاں کرتے ہیں۔ کئی بار کے سزا یافتہ لوگوں کو آپ نے باڈی گارڈ بنا رکھا تھا۔“

"یہ تو مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ وہ سزا یافتہ تھے۔" تنویر بولی۔ "اُن مردودوں نے مجھے اپنے سرٹیفکیٹ دکھائے تھے۔"

"چوریوں، ڈکیتیوں اور کشت وخون کے سرٹیفکیٹ . . . . . !" حمید نے پوچھا۔

"نہیں.....انہوں نے کہا کہ وہ ریٹائرڈ فوجی ہیں۔ ان کے پاس سرٹیفکیٹ تھے۔"

"اوہ.....تو آپ ان کے متعلق دھوکے میں تھیں۔"

"قطعی دھوکے میں رہی۔"

"وہ آپ کے پاس کب سے تھے۔"

"پانچ سال سے.....لیکن اس دوران میں کبھی انہوں نے مجھے شکایت کا موقع نہیں دیا۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ عدنان کو کیوں لے گئے۔"

"اگر عدنان صاحب ہی انہیں کہیں لے گئے ہوں تو۔"

"نہیں.....وہ مجھے اطلاع دیئے بغیر کہیں نہیں جاسکتا۔" تنویر نے کہا اور کچھ سوچنے لگی۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کچھ اور بھی کہے گی لیکن وہ کافی دیر تک کچھ نہ بولی اور حمید دونوں لڑکیوں کا جائزہ لیتا رہا۔

"ٹھہریئے.....میں ابھی آتی ہوں۔" تنویر نے کہا اور اٹھ کر آفس سے نکل گئی۔

حمید اب باقاعدہ طور پر لڑکیوں کو گھورنے لگا تھا۔ ایک لڑکی سے کئی بار نظریں ملیں۔ حمید کے دیکھنے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ لڑکی کو بولنا ہی پڑا۔

"کیا آپ کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"جی ہاں.....!" حمید ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ لڑکیوں کو کلرکی کرتے دیکھ کر میرا کلیجہ خون ہوجاتا ہے۔"

لڑکی بُرا سا منہ بنا کر پھر کاغذات میں مشغول ہوگئی۔ حمید نے دوسری لڑکی کی طرف دیکھا جو اُسے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"آپ کا کلیجہ خون کیوں ہوجاتا ہے جناب۔"

"آپ اتنی ذراسی بات نہیں سمجھ سکتیں۔ میں لڑکیوں کو انکے صحیح مقام پر دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ذرا مجھے بھی تو آگاہ کیجئے اس مقام سے۔" لڑکی اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔

"رنگین مرغزاروں میں چاندی کی جھیلوں کے کنارے، صنوبر کے سائے تلے اور.....!"

"یعنی ہم.....!" لڑکی بات کاٹ کر بولی۔ "مرغزاروں کی گھاس چریں اور جھیل سے ٹھنڈا پانی پی کر سورہیں۔"

"اوہو.....آپ میں جمالیاتی حس بالکل نہیں معلوم ہوتی۔"

"جی ہاں.....اس وقت بالکل مردہ ہوگئی ہے جمالیاتی حس.....کیونکہ صبح سے اب تک صرف دو سلائیس اور ایک کپ چائے پر ہوں۔ لنچ کے بعد پھر جاگ اٹھے گی جمالیاتی حس۔"

"اوہو! مجھ سے غلطی ہوئی۔" حمید جلدی سے بولا۔ "لڑکیوں کا صحیح مقام دراصل باورچی خانہ ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میری نانی صاحبہ اپنے وقت کی سب سے بڑی مفکر تھیں۔"

"خدا غارت کرے ان نانیوں اور دادیوں کو انہیں کی بدولت عورتوں کی مٹی پلید ہوئی ہے۔"

حمید جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ تنویر واپس آگئی۔ لیکن اس کا چہرہ اُترا ہوا تھا آنکھوں سے بے چینی مترشح تھی۔

"ذرا میرے ساتھ آیئے۔" اس نے کہا اور پھر دروازے کی طرف مڑ گئی۔ حمید اٹھ کر باہر نکل آیا۔

"کیا بات ہے.....آپ کچھ پریشان سی نظر آرہی ہیں۔"

"ہاں.....میں پریشان ہوں۔ میں دراصل آپ کو ایک چیز دکھانا چاہتی تھی لیکن اب وہ وہاں نہیں ہے.....آیئے میرے ساتھ۔"

حمید اپنے شانوں کو جنبش دے کر اس کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ رہائشی عمارت میں آئے۔ یہ شاید نشست ہی کا کمرہ تھا۔ تنویر نے مغل پیس پر رکھے ایک آبنوسی ڈبے کی طرف اشارہ کیا جس پر نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔

"آج کل میری کوٹھی میں کچھ نامعلوم آدمی.....ٹھہریئے۔" وہ دروازے کی طرف جھپٹی اور حمید اس ڈبے کی طرف دیکھنے لگا۔ تنویر کا جملہ اور اشارہ دونوں ہی ادھورے سے رہ گئے تھے۔ وہ دروازے تک گئی اور پھر واپس آگئی۔

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ کیا قصہ ہے۔ ہر وقت مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی چھپ کر میری گفتگو سن رہا ہو..... عدنان کا اس طرح غائب ہو جانا کسی گہری سازش کا پیش خیمہ ہے۔ پہلے تو میں یہ سمجھتی تھی کہ شاید وہ چاروں مجھ سے کوئی بڑی رقم وصول کرنا چاہتے ہیں۔"

"ہمارا بھی یہی خیال تھا۔" حمید نے کہا۔

"مگر اب..... پچھلی ہی رات کی بات ہے کمپاؤنڈ میں کچھ نامعلوم آدمی موجود تھے انہوں نے کئی کھڑکیوں سے شیشے توڑ کر اندر گھسنے کی کوشش بھی کی تھی۔"

"کامیاب نہیں ہو سکے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں کامیاب ہو سکے..... لیکن آج صبح میں نے ایک کھڑکی کے نیچے ایک لاکٹ پڑا پایا تھا۔ میں نے سوچا ہو سکتا ہے کہ پولیس کے کسی کام آ سکے لہٰذا میں نے اُسے اس سیاہ ڈبے میں رکھ دیا۔ آپ کی آمد پر میں نے ارادہ کیا کہ وہ لاکٹ آپ کو دکھاؤں..... مگر میرے خدا اس ڈبے میں لاکٹ کی بجائے.....!"

تنویر پھر خاموش ہوگئی۔ اُسکے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی بُری خبر سناتے ہوئے ڈر رہی ہو۔ آخر اس نے بدقت تمام کہا۔ "اس ڈبے میں ایک کٹا ہوا ہاتھ ہے۔"

حمید ڈبے کی طرف جھپٹا اور اُسے مینٹل پیس سے اتار کر کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔

"کیا یہ مقفل ہے۔" اُس نے پوچھا۔

"نہیں وہ سفید بٹن دبایئے۔" تنویر بولی۔

بٹن پر انگلی پڑتے ہی ڈھکن اچھل کر سیدھا کھڑا ہو گیا..... لیکن حمید..... لڑکھڑا کر دو چار قدم پیچھے ہٹ گیا۔ ڈبہ اب بھی اس کے ہاتھ میں ہی تھا۔ مگر نظر نہیں آ رہا تھا کیونکہ آنکھوں اور ڈبے کے درمیان زرد رنگ کا گہرا غبار حائل ہو گیا تھا۔ پھر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اندھیرے میں ہو۔ گہرے اندھیرے میں۔ پھر اُسے یاد نہیں کہ کیا ہوا۔ نہ جانے کتنی دیر بعد ہوش آیا۔ اُسے وقت کا احساس نہیں ہوا۔ البتہ اب بھی وہ اندھیرے ہی میں تھا اور اس کی ذہنی حالت اعتدال پر نہیں آئی تھی۔ اُس نے زمین سے اپنا وہ ہاتھ اٹھانا چاہا جس پر ریڈیم ڈائیل کی گھڑی تھی لیکن یہ بھی ممکن نہ ہوا۔ ویسے وہ محسوس کر رہا تھا کہ اُس کے ہاتھ پیر آزاد ہیں۔

ہوش میں آئے ہوئے کافی وقت گذر گیا لیکن حمید کی ذہنی اور جسمانی حالت درست نہ ئی۔ اس کا ذہن اوٹ پٹانگ خیالات کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔ کیفیت وہی تھی جو کسی بے ربط اب کی ہوتی ہے۔

پھر اُس نے کسی کے قدموں کی آہٹ سنی اور دفعتاً چاروں طرف روشنی پھیل گئی۔ زینوں ے تنویر نظر آئی۔ بڑی شان سے آہستہ آہستہ نیچے آ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں چمڑے کا ڑ تھا..... وہ حمید سے تین یا چار فٹ کے فاصلے پر رک گئی۔ اس کی آنکھوں سے حقارت اور ت جھانک رہی تھی۔

"عدنان کہاں ہے۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"میں..... کیا جا..... نوں.....!" حمید نے بدقت کہا۔

"یہ اذیت خانہ ہے..... تم سسک سسک کر مر جاؤ گے۔"

حمید نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن دوسرے ہی لمحے میں تنویر نے اس کے سینے پر پیر رکھ دیا حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کے سینے کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔

پتہ نہیں وہ حقیقتاً اتنی ہی طاقتور تھی یا یہ حمید کی موجودہ نقاہت تھی جس کی بناء پر اس نے یا محسوس کیا تھا۔

"خیریت اسی میں ہے کہ چپ چاپ پڑے رہو۔ اُس نے اس کے سینے پر سے پیر ہٹاتے ہوئے کہا۔ ورنہ یہاں تمہیں کوئی رونے والا بھی نہیں ملے گا۔"

حمید پھر حمید تھا اور تنویر عورت تھی۔ معمر اور سخت مزاج ہی سہی لیکن اپنی صحت اور رکھ رکھاؤ کی بناء پر غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتی تھی۔

"تنویر.....!" حمید نے دردناک لہجے میں کہا۔ "ہوش میں آنے کے بعد میں کچھ اور سمجھا تھا مگر تم عدنان کا قصہ لے بیٹھیں۔"

"کیا سمجھے تھے۔" تنویر غرائی۔

"میں سمجھا تھا شاید تم مجھ پر عاشق ہو گئی ہو۔"

"شراپ.....!" چمڑے کا ہنٹر حمید کے پیروں پر پڑا۔ مگر وہ تلملانے کی حد تک بھی ہاتھ

پیر نہیں ہلا سکتا تھا۔ ڈبے سے نکلنے والا زرد رنگ کا غبار شائد اسی لئے استعمال کیا گیا تھا کہ اس کی قوت ہی ختم ہو جائے۔ مگر حمید کی زبان کی قوت سلب کرنا کس کے بس کا روگ تھا۔

"میں اس ٹریجڈی کے بعد ایک کہانی لکھوں گا جس کا عنوان ہوگا 'سنگدل محبوبہ'۔"

ہنٹر پھر پڑا۔

"مار ڈالو.....!" حمید مسکرا کر بولا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ حمید کو چوٹ کا بھی کچھ ایسا زیادہ احساس نہیں ہو رہا تھا۔

تنویر چند لمحے اُسے گھورتی رہی پھر بولی۔

"تمہیں بتانا پڑے گا کہ عدنان کہاں ہے۔"

"ہم اُسے تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر یہ طریقہ بڑا عجیب و غریب ہے۔ تنویر کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ عدنان کو ہم نے اغواء کیا ہے۔"

تنویر کچھ نہ بولی۔ وہ غور سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

"خدا کی قسم بس ذرا سا مسکرا دو۔ ان پتلی پتلی یاقوتی قاشوں پر مسکراہٹ بڑی بھلی لگتی ہوگی۔"

"شٹ اَپ.....!"

حمید ایک ٹھنڈی سی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ اُس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ عدنان کہاں ہے۔

"کیا تم ایک رات زغالی کے گھر نہیں گئے تھے۔" تنویر نے پوچھا۔

"یقیناً گیا تھا.....!"

"تمہارے ساتھ کون کون تھا۔"

"سارجنٹ رمیش اور پروفیسر دیال۔"

"کیوں گئے تھے۔"

"کسی عجیب و غریب جانور کے پیروں کے نشانات کے متعلق معلومات حاصل کرنے کیلئے۔"

"نشانات کہاں ملے تھے۔"

"افریقہ کے ایک تاجر سعید بابر کی کمپاؤنڈ میں۔"

"تمہیں زغالی کے پاس کس نے بھیجا تھا۔"

"کرنل فریدی نے۔"

"اُسے کیا معلوم کہ زغالی اُس کے متعلق کچھ بتا سکے گا۔"

"کرنل فریدی آدمی نہیں جن ہیں۔" حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

تنویر تھوڑی دیر کے لئے پھر خاموش ہو گئی اور حمید بولا۔ "تم آخر یہ سب مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو۔ کیا تم اُس جانور کے متعلق کچھ جانتی ہو۔"

"ہاں..... میں جانتی ہوں۔" تنویر کے ہونٹوں پر ایک سفاک سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "میں جانتی ہوں۔ وہ آدمی کا گوشت بڑی رغبت سے کھاتا ہے۔ کل رات وہ کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کا گوشت کھانے کیلئے گیا تھا مگر وہ دونوں ہوشیار تھے۔ پھر وہ سعید بابر کا گوشت کھانے کیلئے گیا لیکن وہاں بھی کیپٹن حمید ہی آڑے آیا۔ لہٰذا اب تم خود سوچ لو کافی سمجھدار ہو۔"

حمید سناٹے میں آ گیا۔ اب اس کی عقل راستے پر آ رہی تھی۔ نہ صرف عقل صحیح راستے پر آ رہی تھی بلکہ فریدی کی بعض "حماقتیں" بھی یاد آ رہی تھیں۔ مثلاً پچھلی رات کو اس نے اس گول مٹول بلا کے تعاقب میں جانے کی بجائے تنویر کے ٹیلی فون نمبر ڈائیل کرنا شروع کر دیئے تھے۔ تو کیا..... تنویر ہی..... حمید کانپ گیا۔ اُس نے تنویر کی طرف دیکھا جو پلکیں جھپکائے بغیر اُس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

"کیا تم اسے دیکھنا چاہتے ہو۔" تنویر کی تیز قسم کی سرگوشی کمرے میں گونجی۔

حمید کچھ نہ بولا۔

"میں تمہیں دکھاؤں گی۔" تنویر دائیں طرف والی دیوار کی طرف جاتی ہوئی بولی۔ اچانک کمرے کی تیز روشنی دھندلاہٹ میں تبدیل ہو گئی..... اور حمید نے محسوس کیا جیسے سامنے والی دیوار اپنی جگہ سے کھسک کر ایک طرف دوڑتی چلی گئی ہو۔ ساتھ ہی سڑتے ہوئے گوشت کی بدبو سے اُس کا دماغ پھٹنے لگا۔

ہٹی ہوئی دیوار کی دوسری طرف گہری تاریکی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ تاریکی بھی دھندلاہٹ میں تبدیل ہو گئی۔

فرش پر ایک بہت بڑی سی گیند لڑھکتی پھر رہی تھی۔ حمید کچھ اس قسم کی آوازیں بھی سن رہا تھا جیسے کوئی ریلوے انجن اسٹیم چھوڑ رہا ہو۔

"مُدونگا.....! میں وہاں روشنی کروں گی۔" تنویر نے کہا۔

اور وہ گول مٹول سایہ لڑھکتا ہوا ایک طرف چلا گیا اور دوسرا کمرہ بھی روشنی میں نہا گیا۔

مگر حمید نے دوسرے ہی لمحے میں اپنی آنکھیں بند کرلیں کیونکہ سامنے ہی اسے انسانی ہڈیوں کے تین پنجر نظر آ گئے تھے۔ دو تو صرف ہڈیوں کے ڈھانچے تھے لیکن تیسرے پر ابھی تھوڑا گوشت باقی تھا اور شاید یہ اسی کی بدبو تھی۔ اچانک ایک آدمی گھٹنوں کے بل چلتا ہوا اس کمرے میں آ گیا جہاں حمید فرش پر چت پڑا ہوا تھا۔ آنے والے کا شیو بڑھا ہوا تھا اور اس کے چہرے پر مردنی تھی۔ آنکھیں حلقوں میں گھسی ہوئی تھیں۔ حمید نے اسے پہچان لیا۔ وہ انہیں چاروں میں ایک تھا جن کی تصویریں اس نے کوتوالی میں دیکھی تھیں وہ آتے ہی تنویر کے قدموں پر ڈھیر ہو گیا۔

"معاف کر دیجئے محترمہ.....خدا کے لئے معاف کر دیجئے۔" وہ روتا ہوا گڑگڑایا مگر تنویر نے بُرا سا منہ بنا کر اُسے ٹھوکر مار دی۔

حمید کی حالت رفتہ رفتہ بہتر ہوتی جا رہی تھی لیکن وہ فرش پر بے حس و حرکت پڑا رہا تھا۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر وہ گول سایہ روشنی کا نام سن کر وہاں سے ہٹ کیوں گیا تھا۔

"نہیں تجھے معاف نہیں کیا جا سکتا۔" تنویر روتے ہوئے باڈی گارڈ سے کہہ رہی تھی۔

"تو مُدونگا کی غذا بنے گا۔ اس کے لئے یہاں ایک شکار اور بھی ہے کیپٹن حمید۔ وہ نہیں بتاتا کہ عدنان کہاں ہے۔ اگر تو بتا دے تو میں اُسے معاف کر سکتی ہوں۔"

حمید نے دل میں کہا۔ "تم مجھے ضرور معاف کر دو گی میری الہڑ بڑھیا۔"

اب بہت کچھ اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ اس نے نحیف آواز میں کہا۔ "میں بتا دوں گا۔"

"بتاؤ.....میں تمہیں معاف کر دوں گی۔"

"پانی.....!"

"بتانے کے بعد پانی بھی مل جائے گا۔"

"میں مر رہا ہوں.....!" حمید نے اس طرح اپنی آنکھوں کو گردش دی جیسے سچ مچ اس پر طاری ہو رہی ہو۔

"پانی.....!" اُس کے حلق سے ایک ڈراؤنی سی آواز نکلی۔

"میں پانی لا رہی ہوں۔" تنویر نے کہا اور زینوں کی طرف جھپٹی۔ حمید نے اس وقت تک ٹنگ جاری رکھی جب تک کہ اس کے قدموں کی آہٹ سکوت میں نہیں ڈوب گئی۔

دوسرا بدنصیب آدمی اُسے بڑی بے تعلقی سے دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس ہر قسم کے جذبات فنا ہو گئے ہوں حتیٰ کہ اس کے چہرے پر خوف کے آثار بھی نہیں تھے۔

نے اشارے سے اُسے اپنے پاس بلایا اور وہ گھٹنوں کے بل جھپٹا جیسے کوئی کتا اپنے مالک ٹی پر دُم ہلاتا ہوا دوڑا چلا آئے۔

"یہ روشنی میں کیوں نہیں آتا۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"روشنی میں اُسے دکھائی نہیں دیتا۔"

"وہ ہے کیا بلا۔"

"خبیث.....نہ وہ آدمی ہے اور نہ جانور۔"

"کیوں نہ ہم اُسے مار ڈالیں۔"

"ناممکن.....وہ ہزاروں پر بھاری ہے.....لیکن کیا آپ کے پاس ریوالور ہے۔"

"نہیں.....!"

"قطعی ناممکن.....!"

"پھر کیا تم مرنا ہی چاہتے ہو۔" حمید نے کہا۔

"مقدر.....!" اُس نے بے بسی سے کہا لیکن پھر جلدی سے بولا۔ "تنویر کے بلاؤز کے بیان میں ہر وقت ایک پستول رہتا ہے۔"

"اوہ.....بس اب تم ہٹ جاؤ۔" حمید نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ باڈی گارڈ پھر ٹنوں کے بل چلتا ہوا وہیں پہنچ گیا۔ جہاں تنویر اُسے چھوڑ کر گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد پھر زینوں پر قدموں کی آہٹ ہوئی۔ تنویر پانی کا گلاس لئے ہوئے نیچے آ رہی تھی۔ اُس نے قریب آ کر حمید کو آوازیں دیں۔ لیکن حمید چپ چاپ پڑا رہا۔ تنویر شاید یہ سمجھی کہ اس پر دوبارہ غشی طاری ہوگئی ہے۔

وہ اس کے قریب ہی بیٹھ کر اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارنے لگی اور پھر حمید یک بیک اس پر ٹوٹ پڑا۔ سب سے پہلے اس کا ہاتھ اس کے گریبان کی طرف بڑھا لیکن کامیابی نہ ہوئی اور حمید اُس کی طاقت کا اندازہ کر کے ششدر رہ گیا۔ وہ کبھی کسی عورت میں اتنے پھرتیلے پن اور طاقت کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ تنویر اس کی گرفت سے نکل گئی اور باڈی گارڈ چیخا۔

''کپتان صاحب یہ سوئچ بورڈ کی طرف نہ جانے پائے۔''

حمید نے پھر اس پر چھلانگ لگائی مگر اس کا سر دیوار سے ٹکرایا لیکن وہ پھر سنبھل کر تنویر کی طرف جھپٹا۔ مگر اب وہ سوئچ بورڈ کے قریب پہنچ چکی تھی۔ دفعتاً روشنی دھندلاہٹ میں تبدیل ہوگئی۔ باڈی گارڈ کے حلق سے ایک خوفزدہ سی چیخ نکل گئی۔ دوسری طرف تنویر چیخ کر بولی۔

''ٹڈونگا میں خطرے میں ہوں۔''

حمید کو بس اتنا ہی یاد ہے وہ گیند سی بلا اتنی تیزی سے وہاں پہنچی تھی جیسے کسی نے اس پر ہٹ لگائی ہو۔ تنویر نے ایک زہریلا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ ''ٹڈونگا'' لیکن وہ آگے نہ کہہ سکی کیوں کہ زینوں کی طرف سے پے در پے تین چار فائر ہوئے۔ کمرے میں سیٹیاں اور سسکاریاں گونجنے لگیں۔

''تنوی..... تنوی.....!'' سیٹیوں اور سسکاریوں میں کوئی کہہ رہا تھا۔ ''میں تو چلا..... تیرا وقت بھی قریب ہے۔''

تنویر دیوانہ وار زینوں کی طرف فائر کرنے لگی اور پھر شاید اس کا پستول خالی ہی ہوگیا۔ سیٹیاں اور سسکاریاں اب بھی کمرے میں گونج رہی تھیں اور وہ بڑی سی گیند اپنی ہی جگہ پر بڑی تیزی سے گردش کر رہی تھی۔ زینوں کی طرف ایک فائر پھر ہوا اور وہ آوازیں بھی ختم ہوگئیں۔

حمید نے اندھیرے میں فریدی کا قہقہہ سنا وہ کہہ رہا تھا۔ ''تنویر اب وہ چیز ختم ہوگئی جس

کی وجہ سے تم سالہا سال سے اپنے گھر والوں اور قریبی حلقوں میں پُراسرار مشہور رہی ہو اور یہ خالی پستول اب اپنے سر پر مارلو۔ کم از کم ایک کارتوس خودکشی کے لئے تو چھوڑا ہوتا۔''

سائے کی لاش

فریدی سوئچ بورڈ کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اس نے کمرے میں روشنی کر دی۔ دفعتاً تنویر کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ فریدی کے ساتھ عدنان بھی تھا۔

وہ عجیب الخلقت آدمی یا جانور فرش پر چت پڑا ہوا تھا۔ انتہائی ڈراؤنا۔ اس کی لاش بھی خوفزدہ کر دینے کے لئے کافی تھی۔ اس کا قد بمشکل تمام چار فٹ رہا ہوگا۔ پھیلاؤ بھی اُس سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا۔ چہرہ جھریایا ہوا اور خوفناک تھا۔ بڑے بڑے دانت ہونٹوں سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ پلکیں تک سفید ہوگئی تھیں اور اس کے پیر..... وہ یقیناً عجیب تھے۔ خود اس کی ہیئت سے بھی زیادہ عجیب۔

''ٹڈونگا.....!'' اچانک تنویر چیخ مار کر اس کی لاش پر گر پڑی۔

''میرے پیارے.....!'' وہ اپنے بال نوچ رہی تھی۔ ''تو دس ہاتھیوں سے زیادہ طاقتور تھا..... مگر میرے پیر چاٹتا تھا۔ ٹڈونگا..... میں تجھ پر ظلم کرتی تھی۔ تجھے کوڑے لگاتی تھی تو میرا پرستار تھا۔ میں زندگی بھر تیرے لئے روتی رہوں گی۔ تیرے قاتل کو کبھی معاف نہ کروں گی۔''

''ممی..... کیا تم پاگل ہوگئی ہو۔'' عدنان جھینپے ہوئے انداز میں چیخا۔ تنویر کچھ نہ بولی۔

وہ آگے کی طرف جھکی اور مردہ آدم خور کے منہ پر اپنا منہ رکھ دیا۔

''میں اسے گولی ماردوں گا۔'' عدنان فریدی سے ریوالور چھیننے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

فریدی نے اُسے آہستہ سے ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''اس وقت یہ تمہاری ماں نہیں ہے۔ صرف ایک عورت ہے۔''

عدنان سر جھکائے ہوئے زینوں کی طرف مڑ گیا۔ فریدی نے اُسے روکا نہیں۔ وہ اوپر جانے کے لئے زینے طے کر رہا تھا۔ حمید اور فریدی خاموش کھڑے رہے۔ باڈی گارڈ ایک

کونے میں منہ ڈالے کھڑا بُری طرح کانپ رہا تھا۔

"بدبو سے میرا دماغ پھٹ رہا ہے۔" حمید بڑبڑایا۔ "یہ کمبخت آدم خور بھی تھا۔ تین باڈی گارڈوں کو صاف کر گیا۔ ان کی لاشیں سڑ رہی ہیں اور چوتھا وہ اُدھر ہے۔"

فریدی حمید کی بات کی طرف دھیان دیئے بغیر تنویر کی طرف بڑھا جو اب بھی مُدونگا کی لاش پر پڑی کسی چھوٹی سی بچی کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

فریدی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور وہ اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ اس کا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"جاؤ یہاں سے ..... میں تم سے التجا کرتی ہوں۔ اگر میں مجرم ہوں تو مجھے اسی تہہ خانے میں بند کر دو۔ میں ایڑیاں رگڑ کر مر جاؤں گی۔"

"مجھے تم سے ہمدردی ہے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "اسی لئے میں نے تمہارے لئے خودکشی تجویز کی تھی کیونکہ تمہارے عدالت میں پیش ہونے سے عدنان کا سوشل اسٹیٹس خطرے میں پڑ جائے گا۔ ہاں سعید بابر اور داراب کی گرفتاری میں مجھے مدد ملے گی۔"

"سعید بابر..... داراب.....!" تنویر نے حیرت سے کہا اور اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔ چند لمحے فریدی کو گھورتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔ "انہیں کیوں گرفتار کرو گے۔ ان کی پشت پناہی کر رہے تھے تم.....!"

"ہاں..... میں کبھی کبھی مجرموں کو اُس وقت پکڑتا ہوں جب وہ میرے گلے میں باہیں ڈالے مجھے اپنی محبت کا یقین دلا رہے ہوں۔"

"اُس کے بھائی کا قصہ.....!" تنویر نے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔

"اُس کا بھائی.....!" فریدی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "اُس کا بھائی ابھی میری محافظت میں تھا اور شاید سوتیلی ماں اس وقت میرے سامنے کھڑی ہے۔"

"تم کیا..... جانو..... تم کیا جانو.....!" اس نے مضطربانہ انداز میں فریدی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

فریدی اسی طرح کھڑا رہا۔ اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔

"میرے ذرائع لامحدود ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"مگر عدنان اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔"

"نہ جانتا ہوگا..... میں نے ابھی تک اُس سے اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔"

"میں ضرور مدد دوں گی۔ تم جو کچھ بھی کہو۔ میں ان کتوں کی لاشیں دیکھنا چاہتی ہوں۔ انہوں نے خواہ مخواہ میری پُرسکون زندگی میں زہریلے کانٹے بوئے۔ میں سب کچھ بھول گئی تھی۔"

"تمہیں براہِ راست پولیس سے مدد طلب کرنی چاہئے تھی۔"

"میں اپنی پرانی تاریک زندگی پر سے پردہ نہیں ہٹانا چاہتی تھی۔ تمہیں پورے حالات کا علم نہیں ہے شاید۔"

فریدی نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اپنی کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "میرے ساتھ آؤ..... وقت کم ہے۔" پھر اُس نے باڈی گارڈ سے کہا۔ "شنکر تم یہیں ٹھہرو گے۔"

"اچھا..... حضور..... والا.....!"

وہ تینوں اوپر آئے اور حمید نے محسوس کیا کہ وہ ابھی تک ایک تہہ خانے میں رہے ہیں۔

تنویر بڑبڑا رہی تھی۔ "عدنان کو تہہ خانوں کا بھی علم نہیں تھا۔"

فریدی نے کہا۔ "مجھے ان پُراسرار کمروں کا علم عدنان سے ہوا تھا۔ تہہ خانے میں نے دریافت کئے تھے۔ میری اسکیم دوسری تھی۔ یہاں اس طرح آنے کا ارادہ نہیں تھا جس طرح پہنچا ہوں۔ مگر میرے مخبروں نے خبر دی کہ کیپٹن حمید کو تمہاری کوٹھی سے برآمد ہوتے نہیں دیکھا گیا اور اس وقت شاید مجھے ایک منٹ کی بھی دیر ہوتی تو.....!"

"مجھے اس پر افسوس نہیں ہے۔" تنویر نے سرد لہجے میں کہا۔ "میں عدنان کو بچانا چاہتی تھی لیکن مُدونگا کی موت کے بعد مجھے اس کے بچ جانے کی بھی خوشی نہیں ہے۔ میں شروع ہی سے سمجھتی تھی کہ عدنان تمہارے قبضے میں ہے۔"

"چار خون تمہاری گردن پر..... زغالی کو بھی تم نے ہی گولی ماری تھی اور برقعہ زینوں پر پھینک گئی تھی۔"

"میری گردن پر سینکڑوں خون ہیں۔" تنویر نے لاپروائی سے کہا۔ "زغالی کو اس لئے مار دیا تھا کہ کہیں مُدونگا کی کہانی تم تک نہ پہنچ جائے۔ وہ اس سے واقف تھا۔"

حمید اس کی گفتگو پر عش عش کر رہا تھا۔ ایسی عورت آج تک اس کی نظر سے نہیں گذری تھی۔ ابھی ابھی اُسے ایک سنگین ترین جرم کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا لیکن اب وہ اتنے سکون اور اتنی لاپروائی سے باتیں کر رہی تھی جیسے کسی ڈرامے کی ریہرسل میں حصہ لے کر لوٹی ہو۔

اوپر سارے کمرے ویران پڑے تھے۔ کہیں بھی کوئی نوکر نہیں دکھائی دیا۔ شاید تنویر نے انہیں چھٹی دے دی تھی۔

"میں نے یہی سمجھ کر عدنان کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی تھی کہ وہ تم لوگوں کے قبضے میں ہے۔" تنویر نے کہا۔

فریدی ایک کمرے میں رک گیا اور ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "بیٹھ جاؤ..... ابھی ہمیں آدھے گھنٹے تک انتظار کرنا پڑے گا۔"

"عدنان کہاں ہے..... میں اب اُس کے سامنے نہیں آنا چاہتی۔"

"میں خود نہیں چاہتا..... وہ تمہیں گولی مار دے گا۔"

تنویر کچھ نہ بولی۔ فریدی نے کہا۔ "وہ میرے آدمیوں کے پاس محفوظ ہے۔"

"تم کیا کرنا چاہتے ہو۔"

"میں انہیں موقع پر گرفتار کرنا چاہتا ہوں کیونکہ اُن کے خلاف میرے پاس فی الحال ایک شہادت ہے وہ بھی مکمل نہیں ہے۔"

"موقع سے کیا مراد ہے۔"

"ان کا خیال ہے کہ عدنان کا اغواء محض افواہ ہے۔ وہ یہیں اسی کوٹھی میں کہیں موجود ہے۔ لہٰذا آج وہ تم دونوں کو ختم کر دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تمہارے مڈونگا کے لئے بھی وہ کافی انتظامات کے ساتھ آئیں گے ان کے ساتھ ایک بہت بڑا جال ہوگا۔ اب تم مجھے بتاؤ کہ یہ کیا قصہ ہے۔ ویسے تمہیں عدالت میں حاضر کر دینے کے لئے وہ ایک باڈی گارڈ ہی کافی ہوگا جو بچ گیا ہے اور تین لاشیں۔"

"تم بار بار اُس کا تذکرہ نہ کرو۔ میں کہہ چکی ہوں کہ میری گردن پر سینکڑوں کے خون ہیں۔ آج بھی افریقہ کے مشرقی ساحل کے لوگ سنالنی کے نام سے کانپتے ہیں۔"

"سنالنی.....!" یک بیک فریدی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں..... سنالنی..... سمندری ڈاکو، جس کا صحیح حلیہ کہیں کے سرکاری ریکارڈ میں موجود نہیں ہے۔"

"ہاں..... میں سنالنی ہوں۔" تنویر غرائی۔ "سنالنی تنوی..... میں نے درجنوں سرکاری جہاز لوٹے ہیں۔ جب میں اپنے قزاقوں سمیت کسی جہاز پر جا پڑتی تھی تو وہاں آگ خون اور چیخوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ میں سنالنی تنوی ہوں جس نے سفید فام جہاز رانوں کی زندگی تلخ کر دی تھی۔ میری لاش کے لئے انگریزوں نے ایک لاکھ پونڈ کے انعام کا اعلان کیا تھا۔ تم آج بھی میری لاش انگریزوں کے حوالے کر کے ان سے یہ انعام حاصل کر سکتے ہو۔ ایسے اب شاید ہی انگلینڈ والوں کو یقین آئے کہ میں ہی سنالنی ہوں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں کسی مہم میں کام آ گئی۔"

"تم یہاں بہت دنوں سے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں..... میں یہاں اس وقت آئی تھی جب عدنان صرف ایک سال کا تھا اور اُسی ذلیل کی بدولت آئی تھی جس کے بیٹے نے یہاں بھی میری زندگی تلخ کر دی۔ افریقہ کے مشرقی ساحل پر قزاقوں کے کئی گروہ کام کرتے تھے۔ میرا گروہ سب سے زیادہ طاقتور تھا۔ اکثر یہ گروہ آپس ہی میں ٹکرا جاتے اور اچھا خاصا کشت و خون ہوتا۔ ایک گروہ کا سردار بابر تھا۔ اسی سعید بابر اور عدنان کا باپ۔ ہم دونوں کے گروہ ایک بار آپس میں ٹکرا گئے۔ بابر کے گروہ کو شکست ہوئی۔ وہ گرفتار ہو کر میرے سامنے آیا۔ نہ جانے کیوں مجھے اس پر رحم آ گیا اور میں نے بابر سے باقاعدہ طور پر شادی کر لی۔ اُس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ غیر شادی شدہ ہے کچھ دن وہ ساحل پر رہتا تھا اور کچھ دنوں کے لئے اندرون ملک میں چلا جایا کرتا۔ لیکن اس نے مجھے اپنا صحیح نام بابر بھی نہیں بتایا تھا۔ وہ شہباز کے نام سے مشہور تھا۔ میں کچھ اس طرح اس کی محبت میں ڈوبی ہوئی تھی کہ میں نے کبھی یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کہ وہ کون ہے۔ کہاں رہتا ہے! حالانکہ مڈونگا نے مجھے شادی ہی کے موقع پر آگاہ کر دیا تھا کہ شادی کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ میں نے اس کی بات پر دھیان نہ دیا۔ وہ ایک بہت بڑا جادوگر اور ستارہ شناس تھا۔ سینکڑوں میل دور سے طوفان کی بو سونگھ لیتا تھا۔ وہ ہاتھیوں کی طرح طاقت ور تھا۔ میرا غلام تھا۔ مجھ سے ڈرتا تھا۔

میرے پیر چاٹتا تھا۔ میں نے اس کا کہنا نہ سنا۔ بہر حال شادی ہوگئی۔ پھر عدنان پیدا ہوا.....اور مجھے شہباز کے بارے میں کچھ شکوک نے گھیر لیا۔ اکثر وہ تین تین ماہ غائب رہتا۔ ایک بار میں نے چھپ کر اس کا تعاقب کیا اور پھر یہ حقیقت مجھ پر کھلی کہ وہ نیروبی کا ایک باعزت تاجر ہے بہت بڑا تاجر اور اس کا نام شہباز نہیں بلکہ بابر تھا اور یہی نہیں..... یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ شادی شدہ ہے۔ ایک لڑکے اور تین لڑکیوں کا باپ ہے۔ لڑکا اس وقت بارہ سال کا تھا۔ مجھ پر خون سوار ہوگیا۔ میں نے چاہا کہ بابر کو قتل کردوں مگر اس بار مڈونگا نے مجھے بہت بڑی دھمکی دی۔ اُس نے کہا کہ اگر میں نے بابر کے خون میں ہاتھ رنگے تو وہ مجھے قتل کردے گا۔ اس نے کہا کہ بابر کا خون میرے لئے تباہی لائے گا۔ میں نے بابر کے سلسلے میں ایک بار اس کی بات نہیں مانی تھی اس کے لئے مجھے پچھتانا پڑا تھا۔ لہٰذا اب مجھے اس کی بات کو اہمیت دینی پڑی۔ میں نیروبی سے دل شکستہ واپس آئی۔ دل مردہ ہوگیا تھا اس لئے قزاقی ترک کردی چونکہ میرا صحیح حلیہ سرکاری فائلوں میں موجود نہیں تھا اس لئے میں کچھ دنوں کے بعد یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی لیکن داخلہ باضابطہ طور پر نہیں ہوا۔ میں مڈونگا کو بھی اپنے ساتھ لائی تھی۔ چونکہ وہ عجیب الخلقت تھا اس لئے مجھے اس کو دوسروں کی نظروں سے چھپائے رکھنا پڑتا تھا۔ مڈونگا نے بھی کسی حال میں میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔ میرا دل زندگی کے آخری لمحات تک اس کیلئے روتا رہے گا۔“

تنویر ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگئی۔

”مگر سعید بابر کو کیسے علم ہوا کہ تم اس کی سوتیلی ماں ہو۔ ظاہر ہے کہ بابر نے اپنے خاندان والوں سے یہ بات چھپائی ہوگی کہ اس نے دوسری شادی کرلی ہے۔ اگر یہ بات ہے تو وہ تمہیں اپنی اصلیت سے کیوں نہ آگاہ کرتا۔“

”آج سے دس سال پہلے بابر یہاں آیا تھا۔ اتفاقاً ایک جگہ مجھ سے ملاقات ہوگئی۔ شکایات کا دفتر لے بیٹھا۔ میں نے اس سے کہا کہ خیریت اسی میں ہے کہ وہ مجھے بھول جائے اور سکون سے زندگی بسر کرنے دے ورنہ اس کا انجام بڑا دردناک ہوگا۔ میں اب بھی وہی ہوں جس کا نام مشرقی ساحل کی عورتیں اپنے بچوں کو ڈرانے کے لئے استعمال کرتی تھیں بہر حال وہ مجھ سے متفق ہوگیا۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ وہ مجھ سے بہت ڈرتا تھا اُس نے اپنے

بیٹے سے میرا اور عدنان کا تذکرہ ضرور کیا ہوگا کہ ہم دونوں اس کے لئے خطرناک بھی ثابت ہوسکتے ہیں۔ بہر حال جب اس کتے نے عدنان پر حملہ کیا تو میں سمجھ گئی کہ بابر کے خاندان کے کسی فرد نے اس سرزمین پر قدم رکھا ہے۔ کتے کی شکل و شباہت عدنان نے مجھے بتائی تھی اور اسی بناء پر میں نے یہ سوچا تھا۔ کیونکہ اس قسم کے کتے بابر کے علاوہ شاید ساری دنیا میں اور کسی کے پاس نہیں تھے۔ بابر کو کتوں کا شوق تھا اور وہ ان کی نسلوں پر مختلف قسم کے تجربے کیا کرتا تھا۔ کئی نسلوں کے ملاپ سے اس نے یہ نئی نسل پیدا کی تھی۔ یہ بڑے خطرناک اور انتہائی درجہ زہریلے تھے۔ اکثر وہ انہیں بحری حملوں میں استعمال کیا کرتا تھا۔“

”مگر یہ کتا تو داراب کے پاس تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں تصدیق کرچکا ہوں۔ وہی اُسے ایسے کاموں کے لئے استعمال بھی کرتا تھا۔“

”ہوسکتا ہے..... داراب اور بابر بہت پرانے دوست تھے۔ میجر داراب اب بھی بہت دنوں تک افریقہ میں رہ چکا ہے اور شائد اب بھی وہاں اس کی تجارت ہے۔ بہر حال سعید بابر اس کے بل بوتے پر یہاں آیا ہے..... اور داراب..... وہ ویسے بھی مجھ سے دشمنی رکھتا ہے۔ وہ بہت عرصہ سے مجھ سے شادی کرنے کا خواہش مند تھا میں نے اسے دھتکار دیا۔ ایک موقع پر اسکی بے عزتی بھی کی اور پھر وہ خاموش ہو رہا۔ لیکن.....!“

”آہا..... ٹھہرو.....!“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا اور ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کچھ سننے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر وہ اٹھتا ہوا بولا۔ ”تنویر! تم اپنی پوری قوت سے عدنان کو آواز دو۔ اسی طرح آواز دیتی ہوئی اوپری منزل پر چلو..... کہیں کی روشنی نہ جلانا..... چلو اٹھو..... یہ آخری مرحلہ ہے اس کے بعد مجرم ہمارے ہاتھوں میں ہوں گے۔“

”تم کیا کرنا چاہتے ہو۔“

”بس دیکھتی رہو..... اٹھو..... دیر نہ کرو.....!“ فریدی نے حمید کو بھی اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ تنویر عدنان کو آوازیں دیتی ہوئی زینے طے کر رہی تھی۔ اچانک حمید نے عدنان کی بھی آواز سنی ”میں یہاں ہوں ماں.....!“

آواز کے ساتھ ہی ایک کمرہ روشن ہوا۔ پھر شاید اُسی کمرے کی کسی کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ

کر چھنچھناتا ہوا فرش پر آ رہا۔

''بہت عمدہ.....'' فریدی بڑبڑایا ''سب کچھ اندازے کے مطابق ہی ہو رہا ہے۔ اُڑ تنویر واپس چلیں.....کام ہو گیا۔''

''کیا ہو گیا.....!''

''جس کمرے سے عدنان کی آواز آئی تھی وہاں کھڑکی کے قریب ایک مجسمہ رکھا ہوا ہے جیسے ہی کمرے میں روشنی ہوئی مجسمے کو عدنان سمجھ کر باہر سے کسی نے فائر کر دیا اور ظاہر ہے اب فائر کرنے والا ہاتھوں ہاتھ یہاں لایا جا رہا ہو گا۔''

''کیا تمہارے آدمی یہاں موجود ہیں۔''

''تقریباً پچاس آدمی تاریک کمپاؤنڈ میں بکھرے ہوئے ہیں۔''

''اوہ! تم واقعی بہت اونچے آدمی ہو۔ بہت ذہین.....مگر اس کتے نے تم پر حملہ کیوں کیا تھا۔''

''سعید بابر میری طرف سے مطمئن نہیں تھا.....وہ جانتا تھا کہ میں اس کی مخالفت ہی میں تفتیش کرتا رہا ہوں۔''

وہ تینوں پھر نیچے آ گئے۔

''اسٹڈی میں چلو.....!'' فریدی نے تنویر سے کہا۔ ''میرے آدمی انہیں وہیں لائیں گے۔''

اسٹڈی میں پہنچ کر وہ بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ باہر روش پر بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

دوسرے ہی لمحے میں ایک جم غفیر اندر گھس آیا۔ یہ سادہ لباس والے تھے اور انہوں نے میجر داراب اور سعید بابر کو پکڑ رکھا تھا۔

''آہا.....کرنل صاحب۔'' دفعتاً سعید بابر نے خوشی کا نعرہ لگایا۔

''ہاں.....!'' فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔ ''تم شاید یہ سمجھے ہو گے کہ یہ تنویر کے آدمی ہیں۔''

''جی ہاں.....ہم اُس گول سائے کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک آئے تھے۔ وہ اندر گھسا اور ایک پائپ کے سہارے دیوار پر چڑھ ہی رہا تھا کہ میجر داراب نے اس پر فائر کر دیا۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ اسی عمارت میں رہتا ہے۔ یہیں.....اور اگر وہ یہیں رہتا ہے تو اس عورت سے پوچھئے کہ میرے مفلوج بھائی نے اس کا کیا بگاڑا تھا۔ اس نے اُسے فٹ پاتھ پر کیوں لا کر مارا..... پوچھئے نا.....!''

''تم نے اس کے سائے کو یہاں کب دیکھا تھا۔''

''ابھی ابھی.....ابھی میجر داراب نے اس پر فائر کیا تھا.....دو منٹ بھی نہ گذرے ہوں گے۔''

''حالانکہ.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''میں اُسے ایک گھنٹہ قبل ختم کر چکا ہوں۔ کیا تم اس کی لاش دیکھو گے۔''

''اوہو! تو پھر وہ دوسرا.....!''

''دوسرا آج تک پیدا ہی نہیں ہوا سعید بابر۔'' فریدی بولا۔ ''اور سعید بابر.....اس عورت نے تمہارے بھائی کو جنم دیا تھا۔ وہ اسی کی گود میں پل کر جوان ہوا ہے اور تمہاری جائیداد میں اُسے آدھا حصہ یقینی طور پر ملے گا۔''

''پتہ نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''تم بیکار اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔'' داراب نے سعید سے کہا۔ ''یہ لوگ ہمیں کسی جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

اچانک حمید نے داراب کی پیٹ میں ایک گھونسہ رسید کر دیا اور جیسے ہی وہ چیخ مار کر دوہرا ہوا دونوں ہاتھوں کے گھونسے اس کے شانوں پر پڑے اور وہ منہ کے بل فرش پر گر گیا۔

''ہائیں..... ہائیں..... کپتان صاحب۔'' سعید بابر بولا اور حمید کا الٹا ہاتھ اس کے گال پر

''تم لوگ مفت میں مجھے رات بھر جگاتے رہے ہو۔'' حمید غرایا۔

داراب اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس بار حمید نے اس کے سر پر ٹھوکر ماردی اور وہ اُسے اچھالتا ہوا دوبارہ ڈھیر ہو گیا۔

''سعید بابر.....!'' فریدی بولا۔ ''دلسلی براؤن میری قید میں ہے اور اس نے اعتراف کیا ہے۔ اُس کے ایک پاسپورٹ کی تصویر میک اپ میں تھی۔ تم نے بڑا پُراسرار ڈرامہ کھیلا تھا بنانے کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ تم دونوں کے پاسپورٹ جعلی تھے۔ تم بہت دنوں سے

یہاں آ گئے تھے۔ تم ہی فقیر بن کر سڑکوں پر بھیک مانگتے پھرتے تھے پھر ایک دن تم مر گئے۔ تم نے پہلے ہی کسی رشید بابر کے نام یہاں کے بینکوں میں رقمیں منتقل کرنی شروع کر دی تھیں۔ مقصد یہ تھا کہ تم یہاں اپنے کسی بھائی کی موجودگی ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ پھر اس کا بھی اعلان چاہتے تھے کہ وہ بھائی مر گیا اور تم اب اپنے باپ کی جائیداد کے تنہا مالک ہو۔ تمہیں خدشہ تھا کہ کبھی نہ کبھی تنویر یا عدنان تمہاری افریقہ والی جائیداد کے دعویدار بن جائیں گے۔ بس تم نے فقیر کا بہروپ اختیار کر لیا۔ کچھ اس قسم کی صدائیں لگاتے رہے کہ لوگ تم میں دلچسپی لینے لگے۔ یہ تم نے اس لئے کیا تھا کہ تمہاری شکل و شباہت اُن کے ذہن نشین ہو جائے۔ لہٰذا یہی ہوا۔ جب تمہاری تصویر اخبارات میں چھپی تو لوگوں میں حیرت پھیل گئی۔ جب تم نے اپنے بھائی کی کہانی چھیڑی تو کم از کم مجھے بھی یقین ہو گیا کہ وہ تمہارا بھائی ہی رہا ہوگا۔ تم جانتے تھے کہ تنویر سب کچھ سمجھ جائے گی لیکن تمہارے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہ کر سکے گی۔ کیونکہ ایسی صورت میں خود اس کی بھی پول کھل جائے گی۔ تم تو دراصل تنویر کے مرنے کے بعد عدنان کے کس اقدام کے امکانات پر غور کر رہے تھے۔ تمہاری دانست میں تنویر مرتے وقت ہی عدنان کو اس راز سے آگاہ کر کے کاغذات اُس کے سپرد کرتی۔ تم نے ٹھیک سوچا تھا۔ تنویر حقیقتاً اس بکھیڑے کو اپنی زندگی میں نہ اٹھنے دیتی۔ ہاں تو تم ایک فائر سے دو شکار کرنا چاہتے تھے۔ عدنان کی موت..... اور تمہارے بھائی کی موت کی سرکاری طور پر تصدیق..... اگر ان میں سے ایک کام بھی ہو جاتا تو تمہاری دولت ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاتی اور عدنان کو تم قتل نہ کر سکتے، تب بھی تمہارا کام بن جاتا۔ اگر عدنان کبھی یہ جھگڑا اٹھاتا بھی تو تم یہ کہہ دیتے کہ یہ آدمی یقیناً اس پارٹی سے تعلق رکھتا ہے جو تمہارے بھائی کی موت کی ذمہ دار تھی۔ تم نے شروع ہی سے ہمیں یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ کچھ لوگ تمہیں زبردستی یہاں سے واپس بھیجنا چاہتے ہیں۔ اُس دن جب تم کیپٹن حمید کو اپنی روداد سنا رہے تھے تم پر ایک فائر ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ فائر تمہارے کسی آدمی نے کیا ہوگا۔ پھر لسلی براؤن والا اسٹنٹ سامنے آیا اس کا مقصد بھی محض حالات پُراسرار بنانا تھا۔ یعنی تمہاری پُراسرار داستان تمام میں پھیل جائے۔ دوسری طرف تم ہمیں سمجھانا چاہتے تھے کہ تمہارے بھائی کی موت کے ذمہ دار لوگوں کی حمایت سے لسلی براؤن

...لتی ہے اور تمہیں خوف زدہ کرنے کے لئے تمہارے پیچھے لگ رہی ہے تا کہ تم ان حالات ...ھبرا کر یہاں سے بھاگ نکلو۔ آخیر میں ہوتا یہ کہ ایک دن لسلی بھی غائب ہو جاتی اور تم ... کی رپورٹ میں ایک بھاری رقم درج کرا دیتے۔ تمہارا کیس اور زیادہ تقویت پا جاتا اور ... اس نتیجے پر پہنچنا پڑتا کہ وہ فقیر حقیقتاً تمہارا بھائی تھا اور ہم اُس کی موت کی تصدیق ...دیتے۔"

"کیا آپ مجھے کوئی جاسوسی ناول سنا رہے ہیں۔" سعید بابر مسکرا کر بولا۔ "یعنی میں ہی ...بھائی بنا تھا اور پھر مر بھی گیا..... اور اب یہاں کھڑا جاسوسی ناول سن رہا ہوں۔"

"ابھی راحلہ سے تمہاری شادی نہیں ہوئی۔" فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔

"اس جملے اور اس داستان کا تعلق بھی واضح فرما دیجئے۔" سعید بابر مسکرا کر بولا۔

"ابے بندر کے بچے.....!" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "اپنی یہ مسکراہٹ بند کر دو، ورنہ دارا ب...طرح تمہیں بھی بیہوش کر دوں گا۔"

"تہذیب کو ہاتھ سے نہ جانے دیجئے۔" سعید نے سرد لہجے میں کہا۔ "ابھی آپ میرے ...ف کوئی جرم ثابت نہیں کر سکے۔"

"کیا راحلہ کو یہ نہیں معلوم تھا۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "کہ تم حبس دم کے ماہر ہو۔ ...نے یہ فن ایک ہندو یوگی سے سیکھا تھا۔ تم نے راحلہ کو بھی اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی ...کہ وہ تمہارے اس کمال کا تذکرہ کسی سے نہ کرے۔ تمہیں صرف تین چار گھنٹے کے لئے مردہ ...نا پڑا تھا۔ حبس دم کے ماہر تو کئی کئی ہفتے زمین میں دفن رہتے ہیں اور پھر زندہ نکل آتے ہیں۔ ...ری بات یہ کہ تمہاری لاش کے ساتھ تین دوسری لاشیں بھی میڈیکل کالج کو بھیجی گئی تھیں۔ ...کن وہاں صرف تین پہنچیں۔ مردہ گاڑی کھینچنے والوں کو بھی اس پر حیرت تھی۔ اُن کا بیان ہے ...انہوں نے چار لاشیں سول ہسپتال کے مردہ خانے سے اٹھائی تھیں لیکن جب انہوں نے ...یڈیکل کالج میں گاڑی کھولی تو اُس میں تین ہی برآمد ہوئیں۔ اُن سے حماقت یہ ہوئی تھی کہ وہ ...گاڑی کو ایک گلی میں کھڑی کر کے ایک جگہ چرس کے دم لگانے کے لئے رک گئے تھے۔ اسی ...دوران میں تم گاڑی سے نکل بھاگے، انہوں نے اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا لیکن جب میں

نے تفتیش شروع کی تو انہیں اُگلنا ہی پڑا اور پھر میں نے نیروبی سے بھی تحقیق کی ہے۔ جس کی کہانی وہاں کا سراغ رساں بھی سناتا ہے۔ ویسے وہ تمہارے کسی دوسرے بھائی کے وجود کے متعلق خاموش ہے۔ اس کی دانست میں تمہارا کوئی سوتیلا بھائی ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا کیونکہ تمہارا باپ ایک عیاش آدمی تھا۔ بہرحال میں تمہیں اس سارے فراڈ کے الزام میں حراست میں لیتا ہوں اور تم نے یا داراب نے اس وقت عدنان پر گولی چلائی تھی۔''

پھر اُس نے سادہ لباس والوں میں سے ایک کو مخاطب کر کے کہا۔ ''اسکے ہتھکڑیاں لگادو۔''

سعید بابر خاموش تھا۔

فریدی نے بیہوش داراب کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''میں اسے اس لئے حراست میں لیتا ہوں کہ اس نے ایک رات اُسی زہریلے کتے کے ذریعہ میری زندگی کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی تھی۔''

اچانک کمرے میں فائر کی آواز گونجی اور انہوں نے تنویر کو زمین پر گرتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا پستول تھا۔ فریدی اس کی طرف جھپٹا۔

''فریدی بیٹے!'' وہ آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔ ''میں نے تمہارے ..... کہنے کے مطابق خودکشی کرلی..... میں نے اپنے پستول میں اُوف..... یہ گولی..... اسی لئے بچائی تھی..... مگر گولی ..... کسی وقت..... تم پر بھی..... اُوف ..... اس ..... استعمال کرسکتی تھی۔ مگر ..... بیٹے تمہیں عدنان کا سرپرست سمجھتی ہوں..... وہ تمہیں بہت پسند کرر..... تا..... ہاف.....!''

اس کی گردن ایک جھٹکے کے ساتھ بائیں طرف جا پڑی۔

''تم بھی بھول گئے تھے کہ پستول اسی کے پاس ہے۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ آنکھیں پھاڑے تنویر کی لاش کو گھور رہا تھا۔

کمرے کی فضا بوجھل سی ہوگئی تھی اور قریب ہی کہیں ایک کتا رو رہا تھا۔

ختم شد